

# تعلیم اور مغربی فلسفہ

پروفیسر عشرت حسین بصری

ایم۔اے علوم سیاسیات، علوم اسلامیہ

بی، ایڈ، ایم ایڈ، ایل ایل بی

گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، ملتان

جناح بک سنٹر، گلگشت کالونی، بوسن روڈ، ملتان

| | |
|---|---|
| کتاب | تعلیم اور مغربی فکر |
| مصنّف | پروفیسر عشرت حسین بصری |
| ناشر | الماس سنز گلگشت کالونی ملتان |
| کتابت | بشیر احمد۔ عبدالرؤف ساغر |
| طباعت | بدعالمین پریس لاہور |
| ایڈیشن | چہارم ۱۹۹۵ء |
| تعداد | ایک ہزار |
| قیمت | Rs 50-00 |
| لائبریری ایڈیشن مجلد | ۱۰۰-۰۰ روپے |

# انتساب

پیاری

تے

مٹھی

اماں سائیں

دے

ناں

جیندی

جھولی وِچ

پل

کے

جوان

تھیئم

تے

تعلیم

دیاں

منزلاں

طے

کیتم

عشرت حسین بصری

# اظہارِ خیال

عشرت حسین بصری کی تازہ تصنیف "تعلیم اور مغربی فکر" فلسفیانہ خیالات کے باوجود دلچسپ اور عام فہم ہے۔ ہر مفکر تعلیم کے افکار و نظریات کو اس کے ذاتی حالات و کوائف کے پس منظر میں پیش کیا گیا اور اسی چیز نے فلسفیانہ افکار کو سریع الفہم اور بامعنی بنا دیا ہے مؤلف نے مواد جمع کرنے میں خاصی جگر کاوی کی ہے اور بعض مفکرین کے بارے میں ایسا مواد منظر عام پر لے آیا ہے جو عموماً نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ ان خوبیوں کے باوجود کتاب میں زبان و بیان ترجمہ اور ترجمانی کی بعض فروگذاشتیں قاری کو ضرور کھٹکتی ہیں بہر حال یہ گرہیں آہستہ آہستہ خود بخود کھلتی چلی جائیں گی۔ امید ہے اس کتاب سے طلبا و اساتذہ نہ صرف استفادہ کریں گے بلکہ خاصے محظوظ بھی ہوں گے۔ نوجوان مصنف کو خوب سے خوب تر کی جستجو میں لگا رہنا چاہیئے علمی کاوشوں میں بھرپور قوت عمل کا مظاہرہ کیا جائے۔

پروفیسر مشتاق احمد گورا ہا
چیئرمین شعبہ تعلیم، بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

# فہرست مضامین


| باب | مضامین | صفحہ |
|---|---|---|
| | پیش لفظ | ۹ |
| باب اول | قدیم یونانی فلسفۂ تعلیم | ۱۱ |
| | ایتھنز اور سپارٹا کے نظامہائے تعلیم | ۱۴ |
| | سپارٹا کا نظام تعلیم | |
| | ایتھنز کا نظام تعلیم (اثرات) | ۱۶ |
| دوسرا باب | سوفسطائی فلسفۂ تعلیم | ۱۹ |
| | سوفسطائی تعلیمی نظریات | ۲۲ |
| تیسرا باب | سقراط | ۲۶ |
| | سقراط کا فلسفۂ حیات | ۳۰ |
| | سقراط کا فلسفۂ علم اور نیکی | ۳۳ |
| | سقراط کا فلسفۂ تعلیم (مقاصد تعلیم، طریقۂ تدریس، نصاب تعلیم نسواں) | ۳۶ |
| | سقراطی مکاتب فکر۔ تبصرہ | ۳۹ |
| چوتھا باب | افلاطون (سوانح حیات) | ۴۴ |
| | افلاطون کا فلسفۂ حیات | ۴۶ |
| | افلاطون کا فلسفۂ انصاف | ۴۸ |
| | افلاطون کا فلسفۂ نظام تعلیم (تعلیم کا مفہوم و اہمیت، مقاصد تعلیم چند بنیادی اصول، نصاب تعلیم، طریقۂ تدریس، تعلیم نسواں) | ۴۹ |
| | افلاطونی تعلیمی سکیم | ۵۱ |
| | افلاطونی تعلیم کی خصوصیات۔ افلاطونی تعلیم پر تنقیدی جائزہ | ۵۸ |
| پانچواں باب | ارسطو (سوانح حیات) | ۶۱ |
| | ارسطو کا فلسفۂ حیات ارسطو کا فلسفۂ تعلیم۔ (مفہوم، اہمیت مقاصد تعلیم | ۶۳ |

| باب | مضامین | صفحہ |
|---|---|---|
| | طریقۂ تدریس، نصابِ تعلیم، تعلیمِ نسواں، ارسطو کی قائم کردہ تعلیمی درس گاہ۔ | ۷۵ |
| | ارسطو کی مجوزہ تعلیمی سکیم | ۷۶ |
| | ارسطو کے فلسفۂ تعلیم پر ایک جائزہ | ۸۰ |
| | افلاطون اور ارسطو کے تعلیمی نظریات کا موازنہ | ۸۳ |
| چھٹا باب | رومی تعلیم | ۸۹ |
| | رومی تعلیم کی خصوصیات | ۹۱ |
| | ریاست اور تعلیم | ۹۲ |
| | ابتدائی تعلیم | ۹۳ |
| | گرامر سکول | ۹۵ |
| | فصاحت بلاغت کے سکول | ۹۶ |
| ساتواں باب | کوئن ٹیلیئن (سوانح حیات) | ۹۹ |
| | فلسفۂ حیات | ۱۰۱ |
| | کوئن ٹیلیئن کا فلسفۂ تعلیم۔ (تعریف و اہمیت۔ مقاصدِ تعلیم، | ۱۰۳ |
| | نصابِ تعلیم، تعلیم نسواں، طریقۂ تدریس۔ فرائض اساتذہ) | ۱۰۶ |
| | کوئن ٹیلیئن کا جدید جماعتی تصورِ تعلیم | ۱۱۰ |
| | کوئن ٹیلیئن کی تعلیمی سکیم۔ تنقید و تبصرہ | ۱۱۳ |
| آٹھواں باب | یورپین تعلیم | ۱۲۰ |
| | تحریک احیائے علوم / احیائے علوم کے تعلیم پر اثرات | ۱۲۲ |
| نواں باب | جان ایموس کومینیئس (سوانح حیات) | ۱۲۷ |
| | فلسفۂ حیات | ۱۲۹ |
| | فلسفۂ تعلیم۔ (مقاصدِ تعلیم، نصابِ تعلیم، طریقۂ تدریس، | ۱۳۱ |
| | تعلیم نسواں، احترام اساتذہ) | ۱۳۷ |
| | کومینیئس کے تعلیمی مدارج (سکیم) تنقید و تبصرہ | ۱۳۹ |

| باب | مضامین | صفحہ |
|---|---|---|
| دسواں باب | جین جیکوئس روسو۔ (ژاں ژاک روسو) (سوانح حیات) | ۱۴۳ |
| | نظریہ نظریت | ۱۴۶ |
| | روسو کا فلسفۂ تعلیم۔ (تعریف، مقاصد تعلیم، ذرائع تعلیم، نصاب اصول تعلیم، طریقۂ تدریس۔ تعلیم نسواں) روسو کی تعلیمی سکیم | ۱۴۹ |
| | | ۱۵۶ |
| | روسو کے تعلیمی نظریہ کی خصوصیات۔ خامیاں تنقید و تبصرہ | ۱۶۰ |
| گیارھواں باب | پستالوزی فلسفۂ حیات فلسفۂ تعلیم | ۱۶۳ |
| | بنیادی مقاصد تعلیم، نصاب تعلیم، ذہنی تعلیم کے اصول۔ | ۱۶۹ |
| | طریقۂ تدریس۔ سکول کے مضامین پڑھانے کے طریقے، نظام تعلیم پر پستالوزی کے تعلیمی افکار کے اثرات۔ تعلیمی نظریہ کا تنقیدی جائزہ۔ | ۱۷۶ |
| بارھواں باب | جان فریڈرک ہربارٹ فلسفۂ حیات، اخلاقی نشوونما۔ | ۱۸۰ |
| | فلسفۂ تعلیم (مقاصد تعلیم، نصاب، فن تدریس کے اہم اصول، طریقۂ تدریس) ہربارٹ کے اقدامات سبق۔ ہربارٹ کے نزدیک تعلیمی نفسیات کا تصور۔ | ۱۸۳ |
| | ہربارٹ کے نظریہ تعلیم کے اثرات و تبصرہ۔ | ۱۸۷ |
| تیرھواں باب | فریڈرک فروبل۔ (سوانح حیات) | ۱۹۴ |
| | فلسفۂ حیات | ۱۹۶ |
| | فلسفۂ تعلیم۔ (فطری اطفال، خودکاری اور تخلیق، سماجی مشاغل، | ۱۹۸ |
| | مقاصد تعلیم، تعلیمی نصاب، طریقۂ تدریس، تربیت اساتذہ، تعلیم نسواں) | ۲۰۲ |
| | کنڈر گارٹن (طریقۂ تعلیم) | ۲۰۶ |
| | فروبل کی تعلیمی سکیم۔ (بالک پن، بچپن، لڑکپن، جوانی کا دور) | ۲۰۸ |
| | فروبل کے تعلیمی تحائف تنقید و تبصرہ | ۲۰۹ |
| چودھواں باب | ڈاکٹر جان ڈیوی (سوانح حیات) | ۲۱۴ |
| | جان ڈیوی کا فلسفۂ حیات اور اس کی تعمیر نو | ۲۱۶ |
| | ڈیوی کا فلسفۂ عملیت۔ چند اہم نکات | ۲۱۸ |

| باب | مضامین | صفحہ |
|---|---|---|
| | فلسفۂ تعلیم۔ (تعلیم کی تعریفات، تعلیم کے بنیادی اصول، | ۲۲۱ |
| | مقاصدِ تعلیم، نصابِ تعلیم، طریقۂ تدریس) | ۲۲۴ |
| | جان ڈیوی کے نظریۂ تعلیم کی خصوصیات | ۲۲۸ |
| | ڈیوی کے تعلیمی نظریات پر تنقید و تبصرہ | ۲۳۰ |
| پندرھواں باب | **رابرٹ مینارڈ ھچنز** (سوانح حیات) | ۲۳۲ |
| | فلسفۂ حیات | ۲۳۳ |
| | فلسفۂ تعلیم۔ (تعلیم کی تعریف، مقاصد تعلیم، نصابِ تعلیم | ۲۳۵ |
| | تعلیم نسواں، فرائضِ اساتذہ۔ طریقۂ تدریس) تنقید و تبصرہ | ۲۳۸ |
| سولھواں باب | **تعلیم میں جدید رجحانات** | ۲۴۲ |
| | تعلیم عامہ | ۲۴۳ |
| | دائمی تعلیم | ۲۴۶ |
| | خصوصی تعلیم | ۲۴۹ |
| | فاصلاتی تعلیم | ۲۵۳ |
| | تعلیم مستقبل | ۲۵۷ |
| سترھواں باب | **جدید نظام ہائے تعلیم** | ۲۶۰ |
| | انگلستان کا نظام تعلیم | ۲۶۱ |
| | امریکہ کا نظام تعلیم | ۲۶۸ |
| | سوویت روس کا نظام تعلیم | ۲۷۷ |
| | **اشاریہ** | ۲۸۲ |
| | **کتابیات** | ۲۸۶ |

# پیش لفظ

مغربی مفکرینِ تعلیم کے تعلیمی افکار ــــــ تعلیمی دنیا میں ایک نمایاں اور جداگانہ مقام رکھتے ہیں ان دوامی شہرت کے مالک مفکرین نے تعلیمی فلسفہ کے میدان میں مختلف تعلیمی نظریات کے جو خوش رنگ نقوش چھوڑے ہیں وہ آج بھی فلسفۂ تعلیم اور تاریخ التعلیم کے رخ پر مُرتسم ہیں۔ ان نظریات کی قدر و قیمت اور اہمیت مسلّمہ ہے۔ جس کے نتیجے میں دورِ جدید کے تعلیمی نظریات میں دورِ قدیم کے فلسفیوں و مفکرینِ تعلیم کے تعلیمی افکار کا عکس جا بجا دکھائی دیتا ہے۔

مغربی تعلیمی افکار پر انگریزی زبان میں تو بے شمار کتب موجود ہیں لیکن اردو زبان میں اس قسم کی کتب کم و بیش نایاب ہیں۔ کتاب ہٰذا اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے تحریر کی گئی ہے۔ کیونکہ قاری ہر کتاب کے مطالعہ کے بعد "کچھ نہ کچھ" اور ضرور چاہتا ہے زیرِ نظر کتاب طلباء کی ضروریات کے پیش نظر یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے جدید سلیبس کے مطابق ترتیب دی گئی ہے۔ غیر ضروری طوالت کی بجائے اختصار و آسان اور سادہ زبان کو اختیار کیا گیا ہے۔ مجھے یقینِ کامل ہے کہ انشاء اللہ کتاب ہٰذا نہ صرف طلباء میں تعلیمی فکر کو بیدار کرنے اور امتحان کے لئے کم وقت میں تیاری کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو گی۔ بلکہ عام قارئین کے لئے بھی مفید رہے گی۔ اس دعوٰی کا تعلق کتاب ہٰذا کے مطالعہ سے ہے۔

مشک آں است کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

کتاب ہٰذا بی۔ایڈ کے مغربی مفکرینِ تعلیم کے پرچہ کی تیاری کے لئے نہ صرف طلباء کا بوجھ ہلکا کرے گی۔ بلکہ امتیازی نمبروں میں کامیابی بھی دلائے گی۔ کتابِ مذکورہ میں قدیم و جدید کے ان دس مشہور مغربی مفکرینِ تعلیم کے تعلیمی افکار کو شامل کیا گیا ہے جن کے تعلیمی نظریات نے نظامِ تعلیم خصوصاً مغربی نظامِ تعلیم کو یکسر بدل کے رکھ دیا۔

کتاب ہٰذا میں ہر مفکرِ تعلیم کی مختصر سوانح حیات، فلاسفی آف لائف، فلسفۂ تعلیم، ضرورت و اہمیت، مقاصدِ تعلیم، تعلیمی نصاب، تعلیم نسواں، طریقۂ تدریس، نظامِ تعلیم کی خصوصیات اور ان کے تعلیمی افکار کی خوبیوں و خامیوں پر تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اور مفصل بحث کی ہے۔ تاکہ دورانِ مطالعہ دلچسپی اور تسلسل قائم رہے اور قارئین کے ذہن میں یہ بات موجزن ہو کہ وہ کون سے حالات تھے جن سے وہ مفکر متاثر ہوا۔

اور اس کے علاوہ یونانی فلسفۂ تعلیم، یورپین ایجوکیشن، تعلیم میں نئے رجحانات اور جدید نظامہائے تعلیم انگلستان، امریکہ اور روس کے جدید تعلیمی نظام کو بھی پیش کیا گیا ہے تاکہ قارئین کی دلچسپی برقرار رہے انکے علم میں اضافہ ہو۔

عشرت حسین بصری
گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملتان

باب اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# قدیم یونانی فلسفہ تعلیم

## GREEK EDUCATION:

انسانی فکر اتنی ہی قدیم ہے جتنا خود انسان اور حیات انسان کی تاریخ، مطالعہ تاریخ سے یہ بات عیاں ہے کہ انسان کی سوچ جس قدر ترقی کے منازل طے کرتی گئی اُسی قدر انسان اپنی ضروریات کی تکمیل اور زندگی کو آسودہ بنانے کے لئے کوشاں رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ حالات کے تقاضوں کے تحت ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خواہش کے باوصف انسانی تہذیب وتمدن نے ارتقار کی بہت سی منزلیں طے کیں حتیٰ کہ انسانوں پر مشتمل ایک گروہ نے کنبہ کی شکل اختیار کی اور یہ چھوٹے چھوٹے کنبے قبیلے بنے۔ قبیلوں سے قومیں بنیں اور پھر انسانوں نے ذوق جستجو کی بدولت حیات وکائنات کے سربستہ حقائق کو پالیا۔ ہر قبیلے نے اپنی تہذیب وثقافت رسم و رواج اور طرز زندگی کی بقار کی خاطر ہر قسم کی قربانیاں پیش کیں۔ لیکن مختلف قبیلوں کے ملاپ اور ایک دوسرے پر غلبے کی غیر معمولی خواہش نے باہمی ٹکراؤ کے عمل کے ذریعے پے در پے تبدیلیاں پیدا کیں۔

فکر انسانی کا ارتقار غیر محسوس طور پر سہی مگر اس کا آغاز اُس کی پیدائش کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ تاہم اس کی حتمی تعین یقیناً ایک دشوار مسئلہ ہے۔ تاریخ کے اوراق کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ باضابطہ تعلیمی فکر کا آغاز کم از کم مغرب میں یونان سے ہوتا ہے۔ دنیا کے بہت بڑے فلاسفر، بارکر، اور سیبائن اس بات کو اپنی تصانیف میں بیان کرتے ہوئے تسلیم کرتے ہیں

"کہ اہل یونان نے دنیا کو بہت کچھ سکھایا"

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ قدیم یونان ہی اصل میں علم وادب کا گہوارہ تھا۔ اور غیر محسوس طور پر ہی سہی۔

ایک خاص دور میں دنیا کی دوسری اقوام کی نسبت یونانی قوم سب سے زیادہ سوچ بوجھ کی حامل تھی۔ مطالعہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کم و بیش پانچ سو قبل مسیح میں یونان کی مشہور ریاستوں ایتھنز اور سپارٹا میں باقاعدہ تعلیمی مدارس موجود تھے اور ان مدارس کے درمیان خوشگوار مقابلے اور مسابقت کا ماحول موجود تھا۔ اس کے علاوہ یونانی قوم دنیا کی دوسری اقوام پر بھی فوقیت اور فضیلت رکھتی تھی کہ وہ ہر چیز کو باقاعدہ تنقیدی اور تحقیقی نظر سے دیکھتے تھے اور یونانی لوگ خصوصاً تعلیم یافتہ حضرات ہر وقت غور و فکر اور تحقیق و تدقیق میں لگے رہتے تھے۔ اور اسی بنا پر وہ اقوام عالم میں مہذب اور تعلیم یافتہ سمجھے جاتے تھے۔ اور سارا زمانہ انہیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ مسلمانوں کیلئے یونانی فلسفہ تعلیم سے واقفیت کئی اعتبار سے ضروری ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یورپی تہذیب کا بہت بڑا سرچشمہ یونانیوں کی فکر ہے۔ اس امر سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یورپ پر دو ہزار سال تک یورپ پر یونانی فلسفہ تعلیم چھایا رہا ہے اور کانٹ جیسے مفکر فلسفی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ منطق میں آخری حرف ارسطو نے کہہ دیا ہے اب اس میں ترقی کی گنجائش نہیں یہی حال کم و بیش دیگر علوم کا تھا۔ افلاطون اور ارسطو کے سامنے ہر کس و ناکس سر جھکاتا تھا اور جہاں کہیں ان کا حوالہ آ گیا وہاں اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔ یونانیوں نے اہل یورپ کو سوال کرنے کا ڈھنگ بتلایا۔ سوال کو حل کرنے کی راہیں متعین کیں اور جواب کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ علمی اور ثقافتی اعتبار سے یہ تینوں چیزیں بڑی اہم تھیں۔ اور ان کی اساس پر یورپی تہذیب ابھری۔ یہ یونانی فلسفہ تعلیم کا کمال سمجھئے کہ زندگی کا کوئی شعبہ ان کی فکری دسترس سے بچ نہ سکا۔ مثال کے طور پر افلاطون کی ریاست کو لیجئے جس میں دنیا جہان کے مسائل آجاتے ہیں۔ ان مسائل کو فلسفیانہ انداز سے اٹھایا گیا ہے اور فلسفیانہ طریقے سے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

عالم اسلام کا تعلق کسی نہ کسی صورت اہل یورپ سے رہا ہے۔ چاہے یہ تعلق سیاسی غلبہ کی صورت میں ہو یا تجارتی اور ثقافتی انداز میں۔ یورپ کی علمی نفسیات جاننے کیلئے یونانی فلسفہ تعلیم سے شناسائی ازبس ضروری ہے۔ یورپ کی سیاست ثقافت اور فکر کی تہہ میں یونانی فکر موجزن ہے۔ لہذا یورپ اور امریکہ کی علمی نفسیات کا مطالعہ کرتے وقت یونانی فلسفہ تعلیم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس سے بھی زیادہ وزنی دلیل یہ ہے کہ پہلی صدی ہجری گزرنے کے بعد جب عالم اسلام میں طرح طرح کے مذہبی، تعلیمی اور فلسفیانہ، عقلی سوالات اٹھائے گئے تو مسلمانوں نے یونانی فلسفہ تعلیم کی مدد سے پہلے تو ان سوالوں کو سمجھا اور پھر ان سوالوں کا جواب بھی یونانی فکر کی مدد سے دیا۔ یونانی فلسفہ تعلیم کی جو کتاب مسلمانوں کے ہاتھ لگی اس کا ترجمہ کیا گیا چنانچہ فلسفہ، منطق، اخلاقیات، جمالیات وغیرہ پر جو کتابیں دستیاب ہوئیں ان کا ترجمہ کر دیا گیا۔ مسلمانوں کے معتدد مفکروں نے ان تراجم سے استفادہ کیا اور اپنی فکری قالب میں پیش کیا یونانی علوم وفنون کی یہ یورش اس قدر شدید اور گہری تھی کہ بعض لوگوں کو مسلم فلسفہ تعلیم میں کوئی چیز نئی نہیں ملتی ہر چیز یونانیوں کا چربہ ہے۔ یہ خیال یوں تو بے بنیاد ہے کیونکہ مسلم فلسفہ تعلیم میں کئی باتیں قرآن اور حدیث سے ماخوذ ہیں لیکن اس امر سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا کہ شروع میں مسلمانوں نے یونانی عینک پہن کر اپنے مذہبی اور ثقافتی مسائل کو دیکھا اور ان کا حل بھی یونانی انداز میں پیش کیا۔ اس سلسلہ میں ارسطو اور افلاطون کے علاوہ نوفلاطونیت خاص طور پر قابل ذکر ہے جس نے تصوف اور علم پر گہرا اثر چھوڑا۔ اس نے تصوف اور علم کو وسعت دی اور انداز فکر بھی کہ کائنات کی اصل کیا ہے؟ اور اس میں انسان کی حیثیت کیا ہے؟ علم اور اخلاقی فضیلت کی نوعیت کیا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جنہیں تقریباً ہر دور کے فلسفیوں نے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مغربی مفکرین تعلیم نے یونانی فلسفہ تعلیم کے حوالے سے ہی اپنے عظیم نظامہائے فکر تعلیم پیش کئے لہٰذا جدید مغربی فلسفہ تعلیم سے اس وقت تک صحیح واقفیت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک یونانی فلسفہ تعلیم کا بنظر غائر مطالعہ نہ کیا جائے۔

سپارٹا اور ایتھنز دو ایسی شہری ریاستیں تھیں جو زندگی کے ہر شعبے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں مصروف رہتی تھیں۔ آخر کار ان دونوں شہری ریاستوں کو سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے عظیم فلاسفروں نے اپنے علم و دانش سے چار چاند لگائے۔ درج ذیل سطور میں ہم ان دونوں شہری ریاستوں کے طریقہ تعلیم پر بحث کر رہے ہیں۔ جو کہ تعلیم کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

# ایتھنز اور سپارٹا کے نظامہائے تعلیم

ایتھنز اور سپارٹا کے تعلیمی نظاموں کا مقصد یونان کے لوگوں کے عام کردار، اُن کے نظامہائے زندگی، مذہب، تہذیب و ثقافت، رسم و رواج، سیاسی فکر اور تعلیمی نظریات کی برتری کو ثابت کرنا اور انہیں پروان چڑھانا تھا۔ ایتھنز اور سپارٹا کے نظامہائے زندگی اپنی اپنی جگہ بنیادی طور پر دو متضاد نظریات کے حامل تھے اور یہ دونوں نظام اپنی اپنی جگہ اس طرز حیات کو نافذ کرنا چاہتے تھے۔ جو اُن کے انفرادی و اجتماعی میلانات لگا کھاتا تھا۔ ان کے طریقہ ہائے تعلیم کا انحصار مختلف جغرافیائی و سیاسی اور مذہبی حالات پر تھا۔ اور اس کے زیر اثر ایتھنز اور سپارٹا کی ریاستیں زندگی بسر کر رہی تھیں۔ اسی وجہ سے ہم سب سے پہلے سپارٹا کا نظام تعلیم اور حصول تعلیم کا طریقہ کار بیان کر رہے ہیں۔

## سپارٹا کا نظام تعلیم
Spartan education:

قدیم یونانی تاریخ اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ یونان کوہستانی علاقہ ہونے کی وجہ سے متعدد وادیوں میں بٹا ہوا تھا۔ ہر وادی اپنے طور پر چھوٹی چھوٹی بستیوں کی شکل اختیار کر چکی تھی جہاں ہر بستی اپنے اپنے طور پر مختلف ضرورتوں کے پیش نظر مختلف افکار و خیالات کی روشنی میں مختلف تہذیب و تمدن اور رسومات کو پروان چڑھا رہی تھی۔ آخر کار یہ چھوٹی چھوٹی بستیاں شہری ریاستوں کا درجہ اختیار کر گئیں۔ یونان کی یہ شہری ریاستیں وسعتِ علاقہ کی خواہش کے پیش نظر اور اپنے عقائد و نظریات کی ترویج کی خاطر ہمیشہ ایک دوسرے کے علاقوں پر قبضہ کرنے کی خاطر ہر وقت ایک دوسرے سے لڑتی رہتی تھیں۔ ان شہری ریاستوں کی آپس میں جنگوں کی وجہ سے دو بڑے طبقے وجود میں آئے جو فاتح اور مفتوح کہلائے۔ فاتح طبقہ کے افراد کو آزاد شہری اور مفتوحین کو غلام کہلاتے تھے۔ غلاموں کی تعداد زیادہ تھی۔ آزاد شہریوں کو غلاموں کی طرف سے ہر وقت بغاوت کا خوف لگا رہتا تھا۔ اس طرح بیرونی اور اندرونی خطرات کے پیش نظر ہر ریاست کے شہریوں کو اپنی جان و مال، اہل و عیال اور آزادی کے تحفظ کے لئے ہر وقت چاک و چوبند رہنا پڑتا تھا اس ضرورت کے پیش نظر اہل سپارٹا نے جو نظام تعلیم مرتب کیا۔ اس کا اولین مقصد تمام آزاد شہریوں کو ایسی فوجی تربیت دینا تھا کہ وہ مملکت کی حفاظت بخوبی کر سکیں اس اہم ضرورت کے ماتحت مملکت اسپارٹا ایک فوجی آمریت بن گئی۔

سپارٹا کا نظام تعلیم مکمل طور پر حکومت کے ہاتھ میں تھا۔ سات سال کی عمر میں بچہ حکومت کی تحویل میں آجاتا تھا۔ ریاستی تعلیم کے ادارے بچوں کی نشو ونما اور تعلیم وتربیت کرتے تھے۔ اس نظام تعلیم کا اصل مقصد بہترین جنگجو پیدا کرنا تھا۔ جو ریاست کی حفاظت کی ذمہ داری نبھا سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سپارٹا کے نظام تعلیم میں فوجی تربیت اور جفاکشی شامل نصاب ہے۔ ابتدائی عمر میں بچے کو ڈھیلا ڈھالا لباس پہنا کر تنہائی اور تاریکی میں رکھنا خود اعتمادی کی تخلیق تصور کرتے تھے۔

سات سال سے دس سال کی عمر تک طلبا کو ہوسٹل میں رکھا جاتا تھا۔ اس دوران اطاعت فرمانبرداری اور احترام قانون سکھایا جاتا تھا۔ ساتھ ساتھ جسمانی ورزشیں نیزہ بازی، مکہ بازی دوڑ، کشتی اور مختلف کھیلوں میں مہارت پیدا کی جاتی تھی۔ مشقت اور جنگی چالوں سے روشناس کر کے ہمہ وقت جنگ کے لئے تیار رہنے کی تربیت کو اولیت دی جاتی تھی۔

جذبہ حُب الوطنی، مذہبی اور فوجی گیتوں سے بیدار کیا جاتا تھا۔ بزرگوں کی اخلاق آمیز باتیں اُنکی صحبت و تقلید پرستی سکھائی جاتی تھی۔ اٹھارہ سے بیس سال کی عمر باقاعدہ فوجی تربیت کے لئے وقف ہوتی تھی۔ اسلحہ وغیرہ کا مکمل استعمال سکھایا جاتا تھا۔ ٹریننگ کے بعد دس سال لازمی فوجی خدمات سرانجام دینا پڑتی تھیں۔

سپارٹا کے نظام تعلیم میں ہمیں ایک نمایاں پہلو یہ نظر آتا ہے کہ امیر و غریب کا کوئی فرق نہیں یکسانیت اور مساوات کا درس ملتا ہے۔ جس سے اُمراؔ و غربار کے بچوں میں پیار و محبت ہمدردی، ملنساری اور برابر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

لکھنا پڑھنا اور بنیادی باتوں کا سیکھ جانا ادبی تعلیم تصور کیا جاتا تھا جبکہ جمناسٹک اور رزمی رقص بہت ہی زیادہ اہمیت کے حامل تھے۔ مختصراً سپارٹا کے نظام تعلیم میں بہادری اور جرأت پیدا کرنا ہی شامل نصاب نظر آتے ہیں۔ مقصد تعلیم محدود ہے فوجی تربیت اور جسمانی نشو ونما پر زور نظر آتا ہے، مگر جمالیاتی، اخلاقی ذہنی صلاحیتوں کی تربیت کا فقدان ہے۔ جس سے ا: اولاً آمرانہ تربیت کے زیر اثر انفرادی آزادی سلب ہو گئی

۲: ثانیاً عوام آہستہ آہستہ حکمران طبقہ سے بددل ہو گئی

المختصر اہل اسپارٹا کی بے نظیر فوجی طاقت اور ان کے آہنی سپاہی اپنی مملکت کو مستحکم اور پائیدار بنانے میں آخر کار ناکام رہے کیونکہ اس کی بنیاد مملکت کے جبر و تشدد پر تھی۔ انفرادی آزادی اور فرد کی مرضی کو اس میں ہرگز ہرگز دخل نہ تھا کیونکہ یہ قانون قدرت ہے کہ جس نظام حکومت میں فرد غلام بنا لیا جائے وہ نظام مستقل طور پر دیرپا ثابت نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہاں پر کسی قسم کی ترقی کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی امید کی کرنیں باندھی جا سکتی ہیں۔ اہل اسپارٹا کو اس غلط فکر کے نتیجے میں یہ غیر معمولی فوجی طاقت بڑی مہنگی پڑی کیونکہ انہوں نے اس کو انفرادی آزادی دے کر خریدا تھا۔

## ایتھنز کا نظام تعلیم

Athenian education:

جہاں تک ایتھنز کے نظام تعلیم کا تعلق ہے تعلیم کو ذاتی مسئلہ سمجھا جاتا تھا ریاست کا اس سے قطعاً کوئی متعلق نہیں تھا۔ والدین جس قسم کی تعلیم پسند کرتے اپنے بچوں کو دلواتے تھے حکومت کی طرف سے کوئی متعلمی ادارے نہ تھے۔ پرائیویٹ قسم کے تعلیمی اداروں پر کسی قسم کی پابندی نہ تھی۔ لڑکیوں کو لڑکوں جیسی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ہاں البتہ لڑکیوں کو گھریلو معاشیات کی تعلیم دی جاتی تھی اور یہ نہایت مہذبانہ تعلیم تصور کی جاتی تھی۔ جذبہ حب الوطنی بچپن ہی سے اُن کے رگ و پے میں سمو دیا جاتا تھا۔ طلبا کو پُرامن رہنے کی تربیت دی جاتی تھی۔ ایتھنز کی تعلیم کا مقصد تشکیل کردار بھی تھا اور اس کے ساتھ ساتھ جسمانی نشوونما، وافر ذہنی قوت اور بے عیب ذوق کا حصول تھا۔ البتہ مکاتیب میں کسی قسم کا تکنیکی تعلیم کا انتظام نہ تھا۔ مختصر یہ کہ ایتھنز کا نظام تعلیم حسب ذیل تین تدریجی مراحل پر مشتمل تھا۔

۱۔ ابتدائی تعلیم ۲۔ ثانوی تعلیم ۳۔ اعلیٰ تعلیم

## ابتدائی تعلیم

Primary education

جہاں تک ابتدائی تعلیم کا تعلق ہے ایتھنز میں ابتدائی تعلیم کے مراحل میں موسیقی اور جمناسٹک کے مضمون شامل تھے۔ اور

یہ مضامین صرف لڑکوں کو پڑھائے جاتے تھے۔ کیونکہ لڑکیوں کو کوئی باقاعدہ تعلیم نہ دی جاتی تھی۔ اور یہ مضامین چھ سال کی عمر سے لے کر چودہ سال کی عمر تک کے بچوں کو پڑھائے و سکھائے جاتے تھے۔ اہل یونان موسیقی سے از حد پیار لگاؤ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ موسیقی کو روح کی غذا سمجھتے تھے۔

"بارکر" جو دور جدید کا مایہ ناز ماہر تعلیم مانا جاتا ہے۔ وہ اپنی ایک تصنیف میں اہل یونان اُن کا فلسفہ تعلیم اور طریقہ تعلیم کے بارے میں یوں رقمطراز ہے

"کہ ابتدائی تعلیم کے مطابق یعنی بنیادی طور پر پڑھنا لکھنا سیکھ لینے کے بعد الگ ادبی نصاب کے ساتھ جس میں بہترین شاعروں کی شاعری کا مطالعہ اور اُن کی شاعری کی تشریح شامل تھی۔ جمناسٹک کا کورس شامل ہوتا تھا۔ جس میں ورزش کی مختلف اقسام بھی سکھائی جاتی تھیں۔ شاعر چونکہ یونان کے حقیقی مذہبی مدرسین ہوتے تھے۔ اس لئے نصاب نے نہ صرف ذوق کو بدل دیتا تھا۔ بلکہ یہ مذہب اور اخلاقیات کی باتیں بھی سکھلاتا تھا۔

(گریک پولیٹیکل تھیوری صفحہ نمبر ۱۸۲)

## ثانوی تعلیم Secondry education.

ابتدائی تعلیم کا دور ختم ہوتے ہی ثانوی تعلیم کا دور شروع ہو جاتا تھا۔ ایتھنز کی ثانوی تعلیم چودہ سے اٹھارہ سال کی عمر کے بچوں پر محیط تھی۔ طلباء کو ابتدائی تعلیم مکمل کر لینے کے بعد ثانوی تعلیم حاصل کرنے کے لئے طلباء الگ فیس ادا کرنا پڑتی تھی۔ ثانوی تعلیم کی تکمیل پر دو سال کی فوجی تربیت ہر ایک طالبعلم کیلئے لازم تھی۔ جس کے بعد مکمل شہری حقوق حاصل ہوتے تھے۔ طلباء کو مذہبی گیت، اخلاقی تعلیم منطق، فلسفہ، ہیئت ریاضی، علوم طبعیات کی تعلیم کے ساتھ ساتھ جمناسٹک میں بھی طاق کیا جاتا تھا۔

## اعلیٰ تعلیم Higher education

ثانوی تعلیم کی تکمیل پر اعلیٰ تعلیمی دور کا آغاز ہوتا تھا۔ جس کا دورانیہ ۲۵ سال کی عمر تک مخصوص تھا۔ نصاب کا بنیادی مقصد معاشرتی تربیت تھی مگر بہت کم افراد اس طرف

توجہ دیتے تھے۔ افلاطون نے اپنی اکیڈمی میں اسی نصاب کو رائج کر کے ذاتی کاوشوں سے افراد کی توجہ مبذول کرائی۔ لیکن ایک بات جو نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ افلاطون کی اکیڈمی کے علاوہ کوئی قومی مکتب یا مدرسہ نہیں تھا۔ خاندانی اور ذاتی طور پہ اکتساب کیا جاتا تھا۔ خاندان کا سربراہ ہی اپنے افراد کی تعلیم کا ذمہ دار ہوتا تھا۔

**اثرات** : اہل سپارٹا ذہنی پستی کا شکار ہوتے چلے گئے اس کے برعکس اہل ایتھنز نے تعلیم کا مقصد خدمتِ وطن اور معاشرہ کی فلاح و بہبود قرار دے کر اپنے عوام کی انفرادی سوچ کو ارتقا بخشا اور حالات کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نصاب تعلیم میں تبدیلیاں بروئے کار لائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سپارٹا سمیت تمام یورپ میں اہل ایتھنز کی حکمرانی قائم ہو گئی۔

پانچویں صدی عیسوی کے اختتام پر ایتھنز کے نظام تعلیم میں ایک اور تبدیلی سامنے آئی۔ ۔ کر اساتذہ نے تعلیمی نظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ منقولات کی بجائے معقولات کو تقلید کی بجائے اجتہاد کو روایت کی بجائے درایت (عقل و شعور) کو فوقیت دی، جس سے نوجوان طبقہ بہت متاثر ہوا۔ فرسودہ خیالات سے نجات ملی۔ نصاب تعلیم کی جدت نے فکر کے زاویے بدلے۔ فطین اذہان تفقہ سے روشناس ہوئے۔ یونانی قوم کی کایا پلٹ گئی سقراط اور افلاطون جیسے نامی گرامی فلسفی پیدا ہوئے۔ تاریخ میں انہیں اُستاد السوفسطا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

دوسرا باب

# سوفسطائی فلسفۂ تعلیم

sophists.

سوفسطہ یونانی زبان کا لفظ ہے۔ جو سوفی و سوف سے ماخوذ ہے۔ جس کے لغوی معنی شریف النفس پاکباز جاہ و حشم کی پرواہ نہ رکھنے والا، معاشرہ کی اصلاح کرنے والا وغیرہ اس کے علاوہ انہیں اشراقی کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ سوفسطہ یونان میں فلسفہ تعلیم اور سیاست کے باپ تسلیم کئے جاتے تھے۔ کیونکہ تاریخ یونان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں صدی قبل مسیح ایک بحرانی صدی تھی۔ شروع سے آخر تک جنگ کا ماحول رہا۔ اور یونانی قوم پر یہ صدی نہایت گراں تھی۔ جس سے سیاسی، اقتصادی، معاشی اخلاقی اور تعلیمی بحران پیدا ہوا۔ جس نے یونان کی معاشرتی حالت کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

نظریاتی اختلافات کی بنیاد پر فارس اور یونان کی شہری ریاستیں آپس میں کافی عرصہ تک نبرد آزما رہیں۔ لیکن یونان کے جمہوری طرز فکر نے فارس کے مطلق العنان طرز حکومت پر غلبہ پالیا۔ اس کی وجہ سے صرف اور صرف سپارٹا کی فوجی تربیت اور ایتھنز کا آزادانہ تعلیمی ماحول جس سے یونانی فکر کو تقویت ملی۔ اور ایک نئے آزاد خیالی دور کا آغاز ہوا اور اسی دور میں علمی، سیاسی، اقتصادی، سماجی نظریات میں چھان بین، تبدیلی، تحقیق و تجسس کا جذبہ ابھرا اور جس سے آزاد خیالی نکتہ عروج پر پہنچی اور سوفسطائی طبقہ وجود میں آیا ـــــــ سوفسطائی طبقہ کے لوگ لیکچرز اور مقالات کے ذریعے اپنے نظریات کا پرچار کرتے تھے۔ غیر رسمی طور پر بازاروں گلیوں اور شہروں کے مختلف حصوں میں اخلاقی بے راہ روی سے روکتے تھے۔ ناصحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے علمی باتیں سمجھاتے تھے۔ سوفسطائی لوگ اپنے نظریات پر سختی سے کاربند تھے۔ اسی طبقہ کے لوگوں نے یونانیوں کو انداز تعلیم و تربیت بتایا۔ فن خطابت سکھایا لوگوں کے دلوں میں اپنے بات کو بٹھانے کا گر سکھایا۔ جس سے نوجوان طبقہ کافی متاثر ہوا۔ بعض سوفسطائیوں نے مکانات میں باقاعدہ طور پر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جس میں انہوں نے عوام کو معاشرتی برائیوں سے آگاہ کیا اور اصلاح کی تجاویز بھی پیش کیں نوجوانوں

کی کثیر تعداد ان کے نظریات کے گرویدہ ہو گئے۔ اس کے برعکس عمر اور قدامت پرست لوگ ان کی باتوں سے نہ صرف اختلاف رکھتے تھے بلکہ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

سوفسطائی نظریات اور طریقہ تعلیم کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی جس سے دور دراز علاقوں کے لوگ ان کی قائم کردہ تعلیمی درسگاہوں میں حصول علم کے لئے آئے۔ آہستہ آہستہ یہ تعلیمی ادارے امراء کے بچوں تک محدود ہو گئے۔ کیونکہ سوفسطائی طریقہ تعلیم مہنگی پڑتی تھی۔

ان درسگاہوں میں طلباء کو لوگوں کو گرویدہ کرنے کے گر سکھائے جاتے تھے۔ اور ان پر حکمرانی کرنے کے اصول بھی بتائے جاتے تھے۔ اس سے دونوں طبقوں کے مفادات وابستہ تھے۔ سوفسطائی دولت کماتے تھے۔ اور امراء انتخابات جیتنا سیکھتے تھے۔ تاکہ وہ بے راہ روی پر عوام کی جواب دہی سے بالاتر رہیں۔ ذیل میں ہم چند اہم سوفسطائیوں کی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ سوفسطائی تحریک کی نوعیت کی مزید وضاحت ہو سکے اور ہم تاریخ فلسفہ میں اس تحریک کی اہمیت کا اندازہ لگا سکیں۔

(۱) **پروٹاگورس** (Protagorass) پروٹاگورس تھریس کے شہر ابیڈرا میں ۴۸۱ ق م کے لگ بھگ پیدا ہوا۔ اس نے اپنا عہد شباب یونان کے مختلف شہروں میں گھوم پھر کر گزارا۔ مختلف شہروں کی سیاحت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ تقاریر کر کے دولت کمائی جائے۔ وہ کچھ عرصہ کے لئے ایتھنز میں بھی سکونت پذیر ہوا۔ مگر وہاں کے لوگوں نے اس پر بددیانتی اور دیوتاؤں کی بے حرمتی کا الزام لگایا۔ اس کی ایک کتاب جس میں دیوتاؤں پر سخت تنقید کی گئی تھی، سر عام نذر آتش کر دی گئی۔ لوگوں کے غیظ و غضب سے بچنے کے لئے پروٹاگورس سسلی کی طرف فرار ہو گیا لیکن راستے ہی میں غرقاب ہو گیا۔

پروٹاگورس کا مشہور مقولہ ہے کہ "آدمی ہر شے کا پیمانہ ہے ...... جو اشیاء ہیں ان کا (پیمانہ) ہے کہ وہ ہیں۔ جو نہیں (ان کا پیمانہ ہے) کہ وہ نہیں:۔

(Man is the measure of all things, of those that are that they are, of those that are not, that they are not.)

ایک اہم سوال جو فطری طور پر قاری کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ "آدمی اگر" تمام اشیاء" کا پیمانہ ہے تو اشیاء سے پروٹاگورس کی مراد حسی ادراک کی اشیاء تھیں یا اس نے اخلاقی اقدار (Ethical values) کو بھی اس ضمن میں شامل کیا تھا؟ افلاطون "تھیاٹیٹس" میں یہ نتیجہ اخذ

کرتا ہے کہ آدمی کو جس طرح حسی ادراک کی اشیاء کا پیمانہ کہا جا سکتا ہے اسی طرح اسے اخلاقی اقدار کا پیمانہ بھی سمجھنے میں کوئی قباحت نہیں۔ اور پروٹاگورس کا بھی منشا یہی تھا۔ آدمی اپنے بُرے بھلے کا خود پیمانہ ہے۔ افعال کو کسی خارجی اور معروضی پیمانہ اخلاق کی رو سے ہم اچھا یا بُرا نہیں کہتے بلکہ مختلف اوقات میں مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کے لئے کچھ اعمال اچھے ہونگے اور کچھ بُرے۔

پروٹاگورس نے پہلی دفعہ گرامر کے اصول مرتب کیے۔ مختلف جملوں کی جماعت بندی اور اسماء کی مذکر مونث کے لحاظ سے تقسیم بھی اسی نے کی تھی۔ پروٹاگورس کی وجہ سے علم صرف و نحو اور فصاحت و بلاغت کے فن کی ترویج ہوئی۔[1]

**(۲) پروڈیکس (Prodicus)** پروڈیکس سیوس (Ceos) کا رہنے والا تھا۔ پروڈیکس کے نظریات قنوطیت پسندانہ تھے۔ انسان کو موت کا متمنی ہونا چاہیئے کہ موت اسے زندگی کی تکالیف سے نجات دلاتی ہے۔ اس کے نزدیک موت کا خوف بے معنی ہے۔ کیونکہ موت کا تعلق نہ مردہ لوگوں سے ہے اور نہ زندہ لوگوں سے۔ مردہ لوگوں کے لئے بے معنی ہے کہ وہ ابھی زندہ ہیں۔

پروڈیکس کی اہمیت تاریخ فلسفہ میں اس لیے ہے کہ اس نے مذہب کے تدریجی ارتقاء کا ایک نظریہ پیش کیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ ابتدا میں لوگ ان اشیاء کو پوجتے تھے جو ان کے لئے فائدہ مند ثابت ہوتی تھیں۔ مثلاً چاند، سورج، پھل اور دریا وغیرہ۔ دوسری اسٹیج پر جبکہ علوم و فنون کی ترویج ہوئی تو لوگوں نے موجدوں اور فنکاروں کو دیوتا بنا لیا مثلاً ڈیمیٹر (Demeter) اور ڈایونیسس (Dionysus) وغیرہ۔

پروڈیکس نے لسانیات کی ترویج میں بھی خاصا اہم کردار ادا کیا۔ مترادف الفاظ پر اس نے ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔ پروڈیکس خود بڑا فصیح و بلیغ مقرر تھا۔

**(۳) گورجیس (Gorgias)** گورجیس سسلی کے ایک شہر لیونٹنی (Leontini) میں ۴۸۳ ق م میں پیدا ہوا۔ اس کی تاریخ وفات ۳۷۵ ق م بتائی جاتی ہے۔ ۴۲۷ ق م میں وہ ایک سفیر کی حیثیت سے ایتھنز آیا۔

گورجیس نے ایک رسالہ بھی تحریر کیا تھا جس کا نام ہے۔ ("On Not-being or Nature") گورجیس کے نظریات پر زینو کا نمایاں اثر نظر آتا ہے۔ اور زینو کی جدلیات نے ہی اسے تشکیک (Scepticism) کی طرف مائل کیا۔ زینو کی جدلیات کا مقصد

---

[1] کوپل سٹون۔ کتاب مذکور جلد اول (یونان و روم) ص ۹۱

پارمینڈیز کے نظریات کی صحت کو ثابت کرنا تھا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے ایک مثبت مقصد کے لیے منفی طریقہ استعمال کیا۔ لیکن گورجیس کے سامنے کوئی مثبت مقصد نہیں تھا۔ لہذا اس کے نظریات خالص تشکیکی (Sceptical) بن گئے۔

گورجیس کہتا ہے کہ کوئی شے موجود نہیں۔ اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے وہ پارمینڈیز کی طرح یہ دلیل دیتا ہے کہ اگر کوئی شے موجود ہے تو اس کا کوئی آغاز ہونا چاہیئے۔ اس کا آغاز یا ہستی سے ہوگا یا نیستی سے۔ اگر وہ شے ہستی سے وجود میں آئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کوئی آغاز نہیں۔ اگر وہ شے نیستی سے وجود میں آئی ہے تو یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ ہستی کا نیستی سے ظہور نہیں ہو سکتا۔ لہذا کوئی شے بھی موجود نہیں۔

گورجیس کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ اگر کوئی شے موجود ہے تو اس کا علم حاصل کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ علم حسی ادراک سے حاصل ہوتا ہے اور محسوسات آدمیوں میں مختلف ہوتے ہیں بلکہ ایک ہی آدمی ایک ہی شے کے بارے میں مختلف اوقات میں مختلف محسوسات وصول کرتا ہے۔ حسی ادراک کے تنوع اور اختلاف کی وجہ سے کسی چیز کا علم ممکن نہیں۔

گورجیس کا تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ اگر اشیاء کا علم ممکن بھی ہو تو اس علم کی اشاعت اور ابلاغ (Communication) ممکن نہیں۔ سُرخ رنگ کی موجودگی اور اس کی نوعیت ایک رنگ کور (Colour blind) آدمی کو نہیں سمجھائی جا سکتی۔ رنگ فی نفسہٖ محض الفاظ (یعنی علم) سے مختلف ہے۔ صرف الفاظ سے رنگ کور آدمی سُرخ رنگ کا علم نہیں حاصل کر سکتا۔

## سوفسطائی تعلیمی نظریات

سوفسطائی طبقہ آزاد خیال اور دانشور قسم کے لوگوں پر مشتمل تھا۔ جو صرف ایک عبوری دور کے نمائندے تھے۔ مگر افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے تعلیمی تخلیقی نظام تعلیم کو عملی جامہ پہنا سکے۔ ہاں البتہ یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ اپنے دور کے فلسفۂ تعلیم کے ترجمان ضرور تھے۔ حقائق سے لوگوں کو متنبہ کرتے تھے۔ ان کے ایمان کا یہ تقاضا تھا کہ ہر چیز کو اس کی مسلمہ سچائیوں کی کسوٹی پہ پرکھا جائے۔ اصل و نقل، حق و باطل، سچ اور جھوٹ، کھرے کھوٹے میں تمیز کی جائے۔ یہ طبقہ ریاستی رسم و رواج اور مسلط کردہ قوانین کو بے فائدہ سمجھتے تھے۔ ان کا یہ ایمان تھا کہ ایک فلاحی مملکت کے باشندوں کا کردار کے لحاظ سے مضبوط اور

عمدہ ہونا چاہیئے اور انہیں زیور تعلیم سے آراستہ و پیراستہ ہونا چاہیئے۔ درج ذیل نکات سوفسط طبقہ کے تعلیمی نظریات اور اس کی اہمیت کی ترجمانی کرتے ہیں

۱۔ فرد اور انفرادیت کی بقا صرف حصولِ تعلیم میں ہی ہے۔

۲۔ فلاحی ریاست کی بنیاد صرف اور صرف اعلیٰ تعلیم کے حصول میں مضمر ہے۔

۳۔ ریاست بغیر تعلیم کے سراسر دھوکہ و فریب ہے۔

۴۔ قانون انسان کے پاؤں کی زنجیر ہے جس کی اطاعت بغیر تعلیم کے ممکن نہیں۔

۵۔ سیاسی اختیارات محض جبر و تشدد ہیں۔ ان سے نجات اگر ممکن ہے تو صرف اور صرف عام اور یکساں تعلیم سے ہی ہے۔

۶۔ علم خالصتاً تخلیق انسانی ہے۔ جس سے ہر فرد اچھائی اور برائی میں امتیاز کر سکتا ہے

۷۔ سوفسطائی طبقہ کے نزدیک غلامی ایک ذلت ہے اور خدا نے ہر انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔ لہذا اس ذلت سے چھٹکارا حصول تعلیم سے ہے۔

۸۔ فن تحریر و تقریر کے حصول کے لئے تعلیم کا حاصل کرنا از حد لازم ہے۔

۹۔ علم ہی ایک لازوال دولت ہے جس سے فرد کو نیکی کا شعور ملتا ہے۔

۱۰۔ تعلیم ہی کے ذریعے ناقص معاشرے کو نئے سرے سے نئی بنیادوں پر استوار کیا جا سکتا ہے ــــــ المختصر سوفسطائی نظریہ تعلیم میں کسی خاص علم کے کے حصول پر زور نہیں دیا گیا اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ بلکہ مقاصد کے حصول کے لئے تربیت کی ضرورت پر خاصا زور دیا گیا ہے۔

سوفسطائی طبقہ کے نزدیک ہر شخص پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ صحیح اور غلط میں تمیز کرے اور اپنے ذاتی استدلال اور ضمیر کی آواز پر ان میں حد فاصل قائم کرے ان کے نزدیک انسان جہاں پر ہر چیز کو پرکھنے کی کسوٹی ہے وہاں وہ اپنے آپ کو پرکھنے کی کسوٹی بھی ہے۔ یعنی اپنا محاسبہ کرتے ہوئے معلوم کرے کہ وہ صحیح راہ پر ہے یا آیا غلط راستے پر چل رہا ہے۔ . . . ؟

**تبصرہ**

سوفسطائیت نے یونان کی فکری اور معاشرتی زندگی پر بہت گہرا اثر ڈالا تھا۔ سوفسطائی طرزِ فکر درحقیقت یونانی معاشرت کے ارتقاء کا ایک نہایت اہم سنگِ میل تھا۔ تھیلیز سے قبل یونانی زندگی خرافاتی عقائد کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ لوگ کائنات اور معاشرتی زندگی میں رونما ہونے والے ہر واقعہ کو خیالی اصنام اور دیوتاؤں کی کرشمہ سازی سمجھتے تھے۔ عقل موہوم عقائد کے جال میں الجھی ہوئی تھی۔ تھیلیز کے بعد آنے والے ہر فلسفی نے حتی المقدور عقل کا آزادانہ استعمال کیا اور گزشتہ باطل عقائد پر تنقید کی لیکن آیونی مادیت سے لے کر سوفسطائیت کے ظہور تک اخلاق، قانون اور رسم و رواج کے وہ ستون جوں کے توں قائم رہے جن پر کہ یونانی معاشرت کی عمارت کھڑی تھی۔ اچھائی اور برائی کے معیار، سزا اور جزا کے قوانین اور روزمرہ کی زندگی کے وہ اصول جو کہ یونانی معاشرت میں گزشتہ سے چلے آ رہے تھے، شعوری یا غیر شعوری طور پر مسلّم حقیقتیں سمجھی جاتی تھیں۔

سوفسطائیت کا ظہور اس وقت ہوا جب جمہوریت نے امراء کی حکومت (Aristocracy) اور آزاد فکر نے مذہب کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔ تھیلیز سے انکساغورس تک تمام فلسفیوں نے عقل کے آزادانہ استعمال سے آخری حقیقت کی نوعیت واضح کرنے کی کوشش کی وہ فکر جو کہ ابتک حقیقت کے فہم و ادراک کا ایک ذریعہ تسلیم کی جاتی رہی تھی اب اس نتیجہ پر پہنچی کہ حقیقت کا فہم ممکن نہیں۔ اگر عقل ہی علم کا واحد ذریعہ ہے تو ایک ہی حقیقت کے بارے میں فلسفیوں کی رائے مختلف کیوں ہے؟ اگر حقیقت کو پارمینڈیز واحد، ناقابلِ تقسیم اور غیر متغیر مانتا ہے تو ہراقلیتوس اسے متغیر و متحرک کیوں سمجھتا ہے؟ یا اگر فیثاغورثیہ حقیقت کو کثیر مانتے ہیں تو پارمینڈیز اسے واحد کیوں سمجھتا ہے؟ ایک ہی حقیقت کے بارے میں متناقض آراء درحقیقت یہ ثابت کرتی ہیں کہ عقل علم کا ذریعہ نہیں۔

عقل اگر علم کا ذریعہ نہیں تو حسی اطلاعات ہی علم کا ذریعہ ہو سکتی ہیں۔ حسی ادراک کو علم کے مترادف قرار دینا دراصل یہ اعلان کرنا ہے کہ معروضی اور عالمگیر حقیقت کا وجود نہیں اور نہ ہی کوئی قانونِ اخلاق و معاشرت تمام لوگوں کے لئے وضع ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جو کچھ میں سوچتا ہوں وہ میرے لئے درست ہے اور جو کچھ آپ سوچتے ہیں، وہ آپ کے لئے درست ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری خواہشات اور میرے ارادے میرے لئے قانون کا درجہ رکھتے ہیں اور آپ کی خواہشات و ارادے آپ کے لئے قانون ہیں۔ اس طرح قانون کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ قانون سے مراد ایک ایسا اصول ہے جو تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر درست ہو، جس کی گرفت سے کوئی نہ بچ سکے۔

سوفسطائیوں جیسا طرزِ فکر فلسفۂ جدید میں بھی پایا جاتا ہے۔ فلسفۂ جدید کی ایک روایت عقلیت پسندی (Rationalism) ہے اور دوسری تجربیت پسندی (Empiricism) عقلیت پسندی کے نمائندے ڈیکارٹ، اسپنوزا اور لائبنز ہیں اور تجربیت کے لاک، برکلے اور ہیوم۔ عقلیت پسندی کے نقطۂ نظر سے علم کے حصول کا واحد ذریعہ عقل ہے لیکن تجربیت پسند تجربہ یا حسّی ادراک کو علم کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ فلسفۂ جدید میں لاک نے یہ مفروضہ پیش کیا تھا کہ ذہن تجربہ سے پہلے سادہ سلیٹ (Tubula rasa) کی مانند ہوتا ہے۔ حسّی ادراک کے ذریعے جو تاثرات ذہن پر مرتسم ہوتے ہیں ان سے علم انسانی تشکیل پاتا ہے۔ برکلے نے لاک کے ہی متعین کئے ہوئے راستے پر ایک قدم آگے بڑھایا اور تجربی بنیادوں پر تصوراتِ کلیہ اور مادہ کی تردید میں بڑے معقول دلائل پیش کئے۔ آخر میں ڈیوڈ ہیوم نے لاک اور برکلے کے تجربی دلائل کو ان کی انتہائی اور منطقی شکل دی اور ذہن، جوہر اور قانونِ تعلیل جیسے بنیادی نظریات کی بھی تردید کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صداقت اور قانون کی معروضیت کا خاتمہ ہو گیا۔ ہیوم کی تشکیک اور سوفسطائی تعلیمات میں جو مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ حسّی ادراک کو ذریعۂ علم قرار دینا ہے۔

کسی عظیم تر عقلی کارنامہ سے پہلے اس طرح کے تشکیکی اور تخریبی رجحان کا پیدا ہونا ایک ضروری امر ہے۔ عقل کی "تعمیر نو" سے پہلے "تخریب تمام" لازمی ہے۔ جس طرح سوفسطائیوں کے بعد فلسفۂ یونان میں سقراط پیدا ہوا جس نے علم و حکمت کے لئے زیادہ مستحکم بنیادیں تیار کیں۔ اسی طرح ہیوم کے تخریبی نتائج کے بعد فلسفۂ جدید میں کانٹ پیدا ہوا جس نے علم و صداقت کی معروضیت اور صداقت کو ثابت کرنے کے لئے اپنی عظیم کتاب "تنقید عقل محض" پیش کی۔[2]

---

تاریخ فلسفۂ یونان صفحہ نمبر ۲۷ تا ۲۸، از ڈاکٹر نعیم احمد

۲؎ Critique of Pure Reason.

تیسرا باب

# سقراط

Socrates:

۴۶۹ ق م تا ۳۹۹ ق م

**سوانح حیات** :- قدیم یونانی مفکر تعلیم "سقراط" یونان کے مشہور شہر ایتھنز میں ۴۶۹ ق م پیدا ہوا۔ سقراط کے والد کا نام سرفرونسکو تھا جو ایک نامور سنگ تراش تھا اس کی والدہ کا نام فینارائے تھا جو ایک مشہور دائیہ تھی۔ سقراط نے ابتدائی تعلیم اپنے والدین سے گھر پہ ہی حاصل کی شروع شروع میں سوفسطائی مکتب فکر کے لوگوں سے جب اس کا ملنا بیٹھنا ہوا تو ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتا اور جدید قسم کی معلومات حاصل کرتا تو اس کے دماغ میں مختلف قسم کے سوالات پیدا ہوتے جن کے جوابات کے لئے اسے سوفسطائیوں سے رجوع کرنا پڑتا جب اس کی تسلی وتشفی ہوجاتی تو اپنے آپ میں ایک عظیم قوت خود اعتمادی محسوس کرتا سقراط سوفسطائیوں کے طریقہ تعلیم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جس کے نتیجے میں اس نے سوفسطائیوں کے نقش قدم پہ چلنے کا مصمم ارادہ کرلیا اور اس نیک مقصد کے حصول میں وہ اپنے طور پہ کامیاب بھی ہوا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے سوفسطائیوں اور دوسرے مکتبہ فکر کے فلسفیوں کے نظریات جاننے کا موقع بھی ملا۔ جن سے اس نے اپنے دل ودماغ میں جدید فلسفہ حیات کا تصور قائم کیا جس کا اظہار سقراط اپنے مختلف افکار میں بیان کرتا ہے۔ مفکرین کے نزدیک اس بات سے بھی انکار ناممکن ہے کہ اس کا فلسفہ حیات زیادہ تر اس کے تفکر اور ایتھنز میں مروجہ تمدن کا رہین منت ہے۔ دنیا کا کوئی بھی علم ایسا نہیں جس میں سقراط کی کاوشوں کا تذکرہ نہ ملتا ہو سقراط کے متعلق افلاطون کی مختلف تحریروں اور مقالات میں مختلف انداز میں مختلف قسم کے تذکرے ملتے ہیں۔ کہیں تو وہ ہمیں گلی کوچوں میں لوگوں کو ایتھنز کی من گھڑت جھوٹی روایات پر تنقیدی درس دیتا نظر آتا ہے اور کہیں پر وہ لوگوں کو وطن کی محبت پر جانثاری کے جذبات ابھارنے میں

ایک بہترین کامیاب مقرر و مبلغ نظر آتا ہے۔ سقراط دنیا کا واحد پیشہ ور معلم ہے جو بلا کا ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے طلبا کو مفت تعلیم دیتا تھا اس کی تعلیمات حق گوئی پر مبنی تھیں اور اس کا انداز بیاں عام لوگوں سے ہٹ کر ذرا مختلف تھا۔ وہ لوگوں کو مختلف سوالات کے ذریعے مختلف انداز میں دعوت فکر و عمل دیتا تھا۔ سقراط کی روایتی انداز میں لچھے دار قسم کی تقریروں مرصع و دلکش عبارتوں سے سخت نفرت تھی اسی لئے اس نے اپنی پوری زندگی میں تحریری انداز کو کوئی اہمیت نہ دی اور آج اسی وجہ سے پوری دنیا میں کوئی بھی اس کی تحریر ہمیں نظر نہیں آتی وہ بہت کم بولتا تھا۔ صرف سوالات کے ذریعے لوگوں کو ان کی لاعلمی سے آگاہ کر کے تلاش حقیقت کا جنون ان کے دل و دماغ میں بھر دیتا تھا۔ سقراط لوگوں کی مصنوعی قابلیت اور ظاہری نمود و نمائش اور بھرپور انداز کے بھری مجلسوں میں پول کھول دیتا تھا جس کے نتیجے میں اس وقت کے بڑے بڑے امراء، حکمران اور مذہبی رہنما اس کے دشمن بن گئے

سقراط اپنی غیر معمولی ذہانت کی بناء پر نوجوانوں میں اس قدر مقبول ہوا کہ اس وقت کے تمام جھوٹے اور مصنوعی تعلیم یافتہ حکمران اس کی علمی قابلیت کے اثرات اور اس کے حلقہ احباب سے خوف کھانے لگے۔ کیونکہ انہیں یہ خدشہ تھا کہ اس وقت یونان میں صرف سقراط ہی ایک ایسا شخص ہے جو کہیں کسی بھی موقع پر ہماری جھوٹی نمود و نمائش رسوم و روایات اور انتظام حکومت کے خلاف بغاوت نہ برپا کر دے چنانچہ انہوں نے مل کر اپنی جھوٹی شان اور وضعداری کے بچاؤ کی خاطر اس عظیم فلاسفر، مفکر اور ماہر تعلیم کے خلاف عدالت میں جھوٹا مقدمہ قائم کر دیا جس میں سقراط پر مختلف قسم کے جھوٹے الزامات عائد کئے کہ سقراط ہمارے عقائد اور ہماری مذہبی رسوم و روایات کے خلاف نوجوانوں کو بغاوت پر اکساتا ہے لہذا اسے ملک و ملت کا باغی قرار دے کر سزائے موت دی جائے۔ ایتھنز کی عدالت عالیہ نے سقراط کو عدالت میں طلب کیا اور شخصی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا۔ افلاطون نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "الجمہوریہ" میں اس عظیم المیہ کو حرف بحرف تحریر کیا ہے جو حسب ذیل ہیں۔ سقراط نے عدالت سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اے اراکین عدالت میں اس کو خوب جانتا ہوں کہ میرے خلاف گواہوں نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ شہادتیں پیش کی ہیں۔ حقیقت میں میں خود بھی سن کر ایک لمحہ کے لئے پریشان ہو گیا تھا کہ انہوں نے کس طرح میرے خلاف جھوٹے الزامات بڑی خوبصورتی کے ساتھ

گھڑے ہیں لیکن جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے انہوں نے ایک لفظ بھی سچائی کا بیان نہیں کیا بلکہ انہوں نے مجھ پر یہ بھی الزام لگایا ہے کہ معزز عدالت میرے دھوکے میں نہ آئے کیونکہ سقراط جھوٹا اور مکار ہے۔ جناب اراکین! ان کی یہ بات صداقت پر مبنی نہیں ہے۔ اگر حق گوئی کی بات کرنا چالاکی ہے تو میں ضرور چالاک ہوں کیونکہ میری ہر بات حق صداقت اور انصاف پر مبنی ہوتی ہے اگر آپ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں تو سزا دیجئے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں ذرا بھی حق کی تڑپ ہے تو وہ موت سے ڈر جائے گا تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ مجھے موت کی ہرگز پرواہ نہیں ہے اور اگر مجھے پرواہ ہے تو اس بات کی کہ میں حق پر ہوں یا باطل پر! اے اراکین عدالت آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ حق پرست آدمی ذلت کی زندگی گزارنے سے عزت کی موت مرنا پسند کرتا ہے لہذا اگر آپ مجھے یہ کہیں کہ سقراط اس بار ہم تم کو معاف کرتے ہیں اور آئندہ تم اپنا وقت تلاش حق اور ذوق علم پر صرف نہ کرو گے اگر تم نے ایسا کیا تو تم کو موت کی سزا دی جائے گی۔ تو اے معززین عدالت! میں خدا کی اطاعت کو آپ کی اطاعت پر ترجیح دیتا ہوں اور غور سے سن لیجیئے کہ جب تک میرے دم میں دم ہے میں حق کی تلاش کرتا رہوں گا اور اگر یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے قتل کر کے آپ کو کوئی فائدہ پہنچے گا تو یہ محض آپکی غلط فہمی ہے بلکہ میرے قتل سے الٹا آپ کو نقصان پہنچے گا اور یاد رکھیئے آسانی سے مجھ جیسا آدمی آپ کو تلاش کرنے پر بھی نہ مل سکے گا۔

ایتھنز دانائی کا منبع ہے نہایت افسوس کی بات ہے کہ تمہارے شب و روز حصول دولت میں گزرتے ہیں فرد ذمہ داروں کی طرح تمہارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی تمہارے لئے روح کی پاکیزگی کوئی اہمیت رکھتی ہے۔ میں یہ بات کہنے میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ دنیا کی کوئی طاقت مجھے حق کہنے سے نہیں روک سکتی حتی کہ موت کا خوف بھی" ۔[1]

جب اراکین عدالت نے سقراط کی حق پرستانہ گفتگو سنی تو "اگاتھن" نامی جج جو سب سے بڑا جج تھا چلا اٹھا اور کہا سقراط "میں آپ کی تردید نہیں کر سکتا"، تو اس پر سقراط نے فوراً جواب دیا۔

"نہیں نہیں میری جان ایسے نہیں بلکہ یہ فرمائیں کہ آپ حق کی تردید نہیں کر سکتے۔ سقراط کی تردید کرنی تو آسان ہے"

[1] جمہوریت بمقابلہ آمریت۔ از محمد یوسف

چنانچہ سقراط نے حصول حق کے لئے ذوق علم، شوق تجسس، حریت فکر، بحث مباحثہ نیکی و نیکوکاری کو اپنا وسیلہ بنایا۔ حکومت کے اغراض و مقاصد، معاشرے کے رسوم و رواج سوچ و بچار کے مروجہ پیمانے، کردار عمل کے تمام زاویے، حسن نیکی، حسن و جمال، انصاف اور سچائی جیسی اقدار کے حقیقی معانی سے آگاہ کیا اور ان تمام مسائل کو سقراط نے اپنے ادراک اور اپنے ذہن سے جانچا اور ساتھ ہی لوگوں کو غور و خوض پہ مائل کیا اور اس طرح اس نے ان تمام عناصر کی دشمنی لے لی جو چند بندھے ٹکے عقائد اور اغراض کے غلام تھے اور یہ لوگ نہ تو انسانی ذہن و روح کی گہرائیوں تک اتر سکتے تھے اور نہ ہی سیاسی و سماجی اداروں کی حقیقی اہمیت کو سمجھ سکتے تھے پس انہوں نے جھوٹی انا کی خاطر سقراط کے خلاف محاذ بنالیا اور ان کو دیوتاؤں کو نہ ماننے، ملکی آئین کی خلاف ورزی کرنے اور مذہبی تعلیمات کے خلاف نوجوانوں کو بگاڑنے کے الزامات عائد کر کے مجرم بنالیا جس کے نتیجے میں عدالت نے سقراط کو ناحق سزائے موت کا حکم سنایا۔

**وفات:-** سقراط نے عدالت کی طرف سے سزائے موت کا حکم ملنے کے بعد یونانی آئین اور روایت کے تحت زہر کا پیالہ منہ کو لگایا اور اپنے شاگرد خاص افلاطون کی جھولی میں سر رکھ کر تڑپ تڑپ کر کچھ دیر بعد مر گیا۔

سقراط نے ۷۰ سال کے قریب عمر پائی اور ۳۹۹ ق م میں اس کو ایتھنز میں دفن کر دیا گیا۔ سقراط کی موت کی خبر کا علم جب اس کے دوستوں اور شاگردوں کو ہوا تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے لیکن وہ اس بات پر مطمئن تھے کہ سقراط " دنیا کا واحد فرد ہے جو ہمیں یہ سبق دے گیا ہے کہ حق کی بات کہنے سے کبھی نہیں ڈرنا چاہیئے " روایات میں یہ ملتا ہے کہ جب سقراط کو سزائے موت سنائی گئی تو اس کے دوستوں نے کہا تم عدالت سے فرار ہو جاؤ لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں قانون کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ المختصر سقراط کی سوانح حیات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اس نے حق کی خاطر اپنی جان تو دے دی لیکن کسی کے آگے اپنے سر کو نہ جھکایا اسی بنا پر سقراط کا نام رہتی دنیا تک حق پرستوں میں سر فہرست شمار کیا جاتا رہے گا۔

# سقراط کا فلسفہ حیات

Socrates Philosophy of life

سقراط دیگر سوفسطائیوں کی طرح ایتھنز میں باہر سے نہیں آیا تھا بلکہ وہ وہیں ایتھنز میں ہی پیدا ہوا تھا۔ علم و فضل کے اعتبار سے اس کا مقام دوسروں سے کہیں بلند تھا۔ اس نے خود تو کوئی کتاب نہیں لکھی البتہ اس کے خیالات و نظریات اس کے شاگرد افلاطون کی مشہور زمانہ کتاب الجمہوریہ جو مقالات کی شکل میں لکھی گئی ہے سے ملتے ہیں۔

" سقراط اپنے دور کے طبعی فلسفے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ سقراط کے نزدیک کائنات کی آخری حقیقت اور اس حقیقت کے ایک یا زیادہ ہونے کا مسئلہ فضول ہے وہ اپنے پیش رو فلاسفروں فیثا غورث یا ایمپیڈوکلیز کی طرح بنیادی عنصر کو تلاش نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس وہ سوفسطائیوں کی طرح انسان اور انسانی اعمال کی نوعیت پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے۔

نیکی کیا ہے۔؟ انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ کن اعمال سے انسان کو گریز کرنا چاہیئے؟ تمہارے فرائض کیا ہیں؟ تم اپنے علم و دانش میں کیا اضافہ کیا ہے۔؟ کیا تم معلم ہو؟ اگر ہو تو دوسروں کی جہالت ختم کرنے سے پہلے اپنی جہالت کس حد تک دور کی ہے۔؟ پاکیزگی کیا ہے؟ دیانتداری کسے کہتے ہیں؟ جرأت ایمانداری اور صداقت کیا ہے۔؟ ...........؟"

یہ وہ سوالات ہیں جو سقراط کے فلسفہ حیات اور نظریات کی تشکیل کرتے ہیں درحقیقت یہ سوالات اخلاقی نوعیت کے سوالات ہیں اور انہی سوالات کے جوابات کی روشنی میں سقراط نے اپنے افکار و عقائد و نظریات کے انمول موتی ایتھنز کی گلیوں میں چل پھر کر لوگوں کے دلوں میں بکھیرے جن کے اثرات آج بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ اسی لئے تو ارسطو یہ کہنے پہ مجبور ہو گیا کہ:

" سقراط ہی یونان کی وہ عظیم شخصیت ہے جسے اخلاقیات کا بانی قرار دیا جا سکتا ہے"

سقراط نے اپنے فلسفہ حیات میں سوفسطائیوں کے نظریات کو مدِنظر رکھ کر پرچار کیا اور اس نے اپنے نظریات کو سوفسطائیوں کے نظریات سے ہم آہنگ کرنے کی کافی حد تک کوشش بھی کی لیکن اس کے باوجود سقراط اور سوفسطائیوں کے نظریات میں واضح طور پہ فرق محسوس کیا جاتا ہے۔

سقراط سوفسطائیوں کے اس مقولے پر کہ "فرد حقیقت اور سچائی کی کسوٹی ہے" پر یقین نہ رکھتا تھا بلکہ اس کے نزدیک "حقیقت صرف وہی افراد پہچان سکتے ہیں جو عالم فاضل ہوں اس لئے حقیقت کو صرف علم کے ذریعے ہی پہچانا جا سکتا ہے"۔ سقراط تو اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ "کسی چیز کو دیکھ کر قبول نہیں کر لینا چاہیئے بلکہ! اگر آپ کا دل اس چیز کو نہیں مانتا تو ہرگز اس چیز کو قبول نہ کریں تو اس کی اچھی طرح جانچ پڑتال کریں اگر وہ آپ کی عقل پہ پوری اُترے تو اس کو قبول کریں خواہ وہ مذہب ہی کیوں نہ ہو۔"

مؤرخین فلسفہ اور مفکرین تعلیم عموماً سقراط کے ایک اہم نظریہ کو نظر انداز کر جاتے ہیں یہ نظریہ روح انسانی اور اس کے بقاء کے متعلق ہے۔ سقراط کے نظریہ روح کو ذہن میں رکھے بغیر اس کی اخلاقیات کی گہرائی کا علم نہیں ہو سکتا۔ سقراط کے خیال میں "روح" انسانی شخصیت کا جوہر ہے اور اس کی نوعیت میں نیکی اور راستی پائی جاتی ہے۔ لہذا روح کی تربیت اور نگہداشت سے ہی انسان کی اخلاقی زندگی میں نکھار آتا ہے۔ سقراط حیات بعد الموت کا بھی قائل تھا اس کے نظریہ کی رو سے مرنے کے بعد روح ایک ایسی دنیا میں چلی جاتی ہے جہاں اسے ابدیت حاصل ہوتی ہے۔

یونان کے لوگوں کے لئے روح اور اس کی بقاء کے نظریات فرسودہ ہو چکے تھے۔ طبعی فلسفہ اور خاص طور پر سوفسطائیوں کی تعلیمات نے روح کی اہمیت کو بالکل ختم کر دیا تھا ان کے نزدیک موت انسان کی آخری منزل تھی۔ جب سقراط ان سے روح کی تربیت اور حیات بعد الموت کے بارے میں باتیں کرتا تو وہ متعجب ہوتے کہ یہ شخص کیسی فرسودہ باتیں کرتا ہے۔

سقراط اکثر لوگوں سے مخاطب ہو کر یہ کہتا تھا کہ۔ اے میرے دوستو تم شہر ایتھنز کے باشندے ہو۔ اور ایتھنز اپنی حکمت اور علمی کاموں کی وجہ سے بہت مشہور ہے کیا تم دولت

جمع کرنے، شہرت حاصل کرنے اور عزت پانے (فضول) خواہشات پر ندامت محسوس نہیں کرتے کیا تمہیں یہ کبھی خیال نہیں آیا کہ تمہیں حکمت اور صداقت کے حصول کے لیئے کوشاں رہنا چاہیئے اور اپنی روح کی تکمیل کرنا چاہیئے۔ تاکہ اس پر حقیقت واضح ہو جائے۔ کیونکہ مجھے خدا کی طرف سے اس کام کو کرنے کا حکم ہوا ہے میں اپنی ساری عمر اس کام میں صرف کرتا ہوں کہ ہر جگہ اور ہر شخص کو ذہن نشین کراؤں کہ یہ سب مقدم فریضہ روح کی اصلاح اور تکمیل ہے .........؟

سقراط سے قبل فلاسفروں (سوفسطائیوں) کا یہ نظریہ تھا Ascert thy self یعنی اپنے آپ کو استعمال کرو۔ جبکہ اس کے برعکس پہلی بار سقراط نے اس بات کا اعلان کیا کہ Know thy self یعنی اپنے آپکو پہچانو۔ کہ تم کیا ہو۔؟ کیوں ہو۔؟ اور تم کیا کر سکتے ہو۔؟ سب سے پہلے اپنے آپ کو پہچانو۔ پھر کسی چیز کی طلب پیدا کرو اور پھر اس طلب کے حصول کے لئے (اپنے حق) کے لئے لڑو۔"

سقراط دنیا کا وہ پہلا عظیم فلسفی ہے کہ جس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ کاروبار حکومت صرف اور صرف پڑھے لکھے لوگوں کے پاس ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ان سے بہتر اور کوئی طبقہ حکومت نہیں چلا سکتا۔ آپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اس وقت یونان کی دونوں ریاستوں ایتھنز اور سپارٹا میں جاگیردار طبقہ کاروبار حکومت چلاتے تھے۔ اس بنا پر سقراط عوام کے سامنے یہ بات ڈنکے کی چوٹ کی طرح کہتا تھا کہ صرف جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو ہی حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے بلکہ یہ حق اہل علم کو بھی حاصل ہے۔

المختصر سقراط کے نزدیک اپنے خیالات کے پرچار کرنے کا صرف اور صرف ایک ہی مقصد خاص تھا کہ :۔

"صداقت کو غلطیوں سے پاک کیا جائے" اور پوری دنیا میں پیار و محبت کی شمع کو روشن کیا جائے تاکہ یہ جہان امن وسکون کا گہوارہ بن جائے۔"

# سقراط کا فلسفہ علم اور نیکی

Concept of virtue and knowledge.

سقراط پہلا یونانی مفکر (فلسفی) ہے کہ جس نے اپنے پیش رو یونانی فلسفیوں اور سوفسطائیوں کے فلسفۂ علم اور نیکی سے ہٹ کر یہ نعرہ لگایا کہ Virtue is knowledge "نیکی علم ہے"، یعنی کسی چیز کو جاننا اور اس کی کارکردگی سے واقف ہونا ہی علم ہے۔ جبکہ اس سے برعکس سقراط سے قبل Virtue کا تصور کچھ اور تھا۔ قدیم یونانی فلسفیوں اور سوفسطائیوں کے نزدیک Virtue سے مراد "اُن کے آباؤ اجداد نے جو کچھ کہا ہے اور کیا ہے" "وہ ٹھیک کہا ہے اور ٹھیک ہی کیا ہے"، اور ان پر ہمارا عمل پیرا ہونا ہی درحقیقت Virtue ہے یعنی نیکی ہے۔

باپ دادا کے اصولوں پر اور ان کی روایات پر عمل کرنا ہمارا فرض اولین ہے۔ لہذا ہمارے لئے حقیقی خوشی اور نیکی یہ ہے کہ ہم آنکھیں بند کئے ہوئے اور بغیر سوچے سمجھے ان فرسودہ رسوم روایات پر عمل پیرا رہیں۔

جبکہ اس کے برعکس سقراط نے اپنا منفرد نظریہ علم اور نیکی کا تصور پیش کیا ہے جس کو پڑھے بغیر ہم نیکی اور علم کے تصور کو نہیں سمجھ سکتے۔

درج ذیل سطور میں سقراط کا تصور علم Concept of knowledge اور نیکی کا تصور Concept of virtue پیش کرتے ہیں جس سے سقراط کے تمام نظریات و خیالات واضح ہو جاتے ہیں۔

**تصور علم:۔** سقراط کے نزدیک علم سے مراد محض دانش کا معاملہ ہی نہیں اور نہ علم کا مقصد صرف یہ ہے کہ حقائق کو جمع کر لیا جائے یا ان کا ذخیرہ کر لیا جائے اور پھر انہیں علم کا نام دے دیا جائے۔ بلکہ

"علم تو وہ ہے جو نہ صرف ذہن بلکہ روح کو بھی جلا بخشے"

سقراط کے نزدیک علم تو وہ ہے جو حسن اخلاق، اچھائی اور سچائی کو عملی صورت دے

علم انسان کے ارادے اور اس کے احساسات کو ڈھال کر منظم صورت دیتا ہے جس سے انسان میں حسن پیدا ہوتا ہے اور علم ہی حسن کو دوبالا کرتا ہے اس کے نزدیک!

"علم بجائے خود حسن ہے اور علم کے بغیر کوئی حسن پیدا نہیں ہو سکتا"۔

سقراط کے نزدیک علم ہی ایک ایسی لازوال دولت ہے جو انسان کو نیک بنانے کے ساتھ نیک اعمال پر عمل پیرا ہونے پر اکساتی ہے۔ سقراط کے ہاں دو قسم کے علوم کا تذکرہ ملتا ہے

۱۔ علم حقیقی Real knowledge ۲۔ علم غیر حقیقی یا ظاہری Unreal knowledge

**علم حقیقی!۔** علم حقیقی سے مراد ایسا علم ہے جو ٹھوس حقائق و شواہد پر مبنی ہو سقراط اس بات کا قائل تھا کہ کسی چیز کو ایسے ہی قبول نہیں کر لینا چاہیئے بلکہ اُسے عقل کی کسوٹی پر اس طرح پرکھا جائے کہ بعد میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہی نہ رہے اس کے نزدیک علم کی جستجو اور حق کی تلاش ہی حقیقی علم ہے۔ حقیقی علم کی بنیاد ٹھوس ہوتی ہے اور یہ مسلمہ اصولوں پر مبنی ہوتا ہے یہ ایک سائنسی سچائی ہے۔

سقراط کے نزدیک مادی علم انسان کے ذہن میں مستقل طور پر رہتا ہے اور ہر آدمی پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت انسانوں کی بھلائی کے لئے سچا اور حقیقی علم تلاش کرتا رہے اور یہ بات اُس وقت ہی ممکن ہو سکتی ہے کہ جب انسان اپنے آپ کو پہچاننے اور احساس خودی اس میں موجود ہو۔ اس کے نزدیک علم حقیقی کی بدولت اس دنیا میں انسان اپنی صلاحیتوں صحت اور دولت وغیرہ کا صحیح استعمال کر سکتے ہیں اور علم حقیقی ہی کی بدولت کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

**غیر حقیقی علم** Unreal knowledge سقراط کے نزدیک غیر حقیقی یا ظاہری علم سے مراد وہ علم ہے جس کی بنیاد ٹھوس حقائق اور شواہد پر مبنی نہ ہو اور جسے عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعے رد کیا جا سکے جب کسی بھی علم کی بنیاد عقائد و خیالات اور فرسودہ روایات پر رکھی جاتی ہے تو وہ غیر حقیقی علم کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس سے عقل کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا سقراط کا یہ نظریہ ہے کہ خیالات و عقائد کی بنیاد چونکہ ٹھوس نہیں ہوتی اس لئے خیالات و

عقائد میں وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ ردو بدل ہوتا رہتا ہے اور نہ ہی کوئی ایسی طاقت موجود ہوتی ہے جو اس کی حفاظت کر سکتی ہو۔ لہٰذا اس طرح کا حاصل شدہ علم ناقابل اعتماد غیر حقیقی اور غیر یقینی ہے۔

سقراط کے نزدیک علم وہی ہے جو انسان کے کردار پر اثر انداز ہو۔ اگر یہ انسان کے کردار پر اثر انداز نہیں ہوتا تو ہم اس کو علم نہیں کہہ سکتے۔ المختصر سقراط کے نزدیک کوئی چیز اپنی حقیقت سے مبرا نہیں ہے اور نہ ہی کسی شے کی اصل حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے۔

## نیکی علم ہے

سقراط کا یہ نظریہ کہ "نیکی علم ہے"، Virtue is knowledge کسی حقیقت سے انکاری نہیں ہے بلکہ اس کے فہم و فراست اور عقل و دانائی کی روشن دلیل ہے۔ سقراط کو اسی مقولے کی بناء پر دوسرے فلسفیوں پر اس قدر برتری ملی کہ انہیں اپنے نظریات پر غور کرنے پر مجبور کر دیا۔

سقراط کے اس مقولے کا مطلب دو لفظوں میں بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے پیچھے جو روح کار فرما ہے اسے سمجھنا از حد ضروری ہے۔ جہاں تک اس مقولے کے ظاہری معنوں کا تعلق ہے اس سے مراد یہ ہے کہ "نیکی اور علم دونوں ایک ہی معنی رکھتے ہیں"

"علم کے بغیر نیکی کا تصور محال ہے"، سقراط نے جہالت کو تمام برائیوں کی جڑ قرار دیا ہے اس کے نزدیک اس بات میں کوئی شک نہیں علم ہی انسان کو تمیز سکھاتا ہے۔

سقراط کے اس مقولے "نیکی علم ہے"، کے اور معنی بھی کئے جاتے ہیں اور وہ ہیں "داخلی نیکی"، یعنی "دل کی پاکیزگی" اور روح کی خوشی"،

اس کے نزدیک داخلی نیکی اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک انسان حقیقت پسندی کو اختیار نہ کرے۔ مثلاً آدمی جو کچھ چاہتا ہے اس کے چاہنے کا انحصار اس بات پر مبنی ہے کہ وہ کس قدر اچھائی چاہتا ہے۔ لیکن اس بات میں بھی سقراط اختلاف رکھتا ہے کہ کسی چیز کو اس وجہ سے اچھا قرار نہیں دیا جا سکتا ہے کہ لوگ اس کو اچھا جانتے اور سمجھتے ہیں۔ لہٰذا یہ چاہنے والا انسان اچھائی چاہ رہا ہے اس کے نزدیک یہ کوئی اچھی اچھائی نہ ہے۔

بلکہ اچھی اچھائی اور نیکی یہ ہے کہ وہ حقیقت پر مبنی ہو اور لوگوں کی فلاح بہبود کی ضامن ہو۔ سقراط کے نزدیک علم ہی ایک ایسی نیکی ہے جو انسان کو نیک بنانے کے ساتھ ساتھ نیک اعمال پر اکساتی ہے اور اسے نیک و پارسا بناتی ہے۔

سقراط کے نزدیک فرد علم ہی کی بدولت نیکی و بدی میں تمیز کر سکتا ہے۔ سقراط نے نیکی کی بنیاد علم پر رکھی ہے اور حقیقی علم ہی عمل صالح (نیکی) کا محرک ہے۔ سقراط کے نزدیک عرفان نیکی اور نیکی عرفان ہے اور دونوں کو ایک ہی تصور کرتا ہے۔ بلکہ دونوں ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔

المختصر۔ سقراط عقل پر زور دیتا تھا اور عمل کے لئے ہر وقت نیکی کا درس دیتا تھا لیکن اس نے کبھی بھی اس چیز کا دعویٰ نہیں کیا اور وہ کہتا تھا۔

One thing only I know that is I know nothing

کہ وہ صرف ایک ہی چیز جانتا ہے کہ اسے کچھ نہیں آتا ہے۔ اس بناء پر اس نے کبھی بھی دوسرے فلسفیوں کی طرح عقل کل کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی کبھی اس نے یہ کہا ہے کہ وہ سب سے زیادہ دانا اور عقل مند ہے۔

## سقراط کا فلسفہ تعلیم

Socrates philosphy of education

سقراط کا فلسفہ تعلیم یا تعلیمی نظریات سے مراد اس کے تعلیمی افکار ہیں جو کہ ایتھنز میں رہتے ہوئے مختلف لوگوں کے اجتماعات میں اپنی تقاریر اور مقالات کے ذریعے بیان کئے۔ کیونکہ اس وقت تحریری طور پر کوئی ایسا مواد موجود نہیں ہے کہ جسے بطور ثبوت پیش کیا جا سکے۔ ہاں البتہ افلاطون کی تصنیف "الجمہوریہ" میں سقراط کے تعلیمی تصورات و نظریات کی جھلک محسوس کی جا سکتی ہے۔ بہر حال سقراط دنیا کا ایک عظیم معلم تسلیم کیا جاتا ہے۔

سقراط نے یونان کے قدیم فلسفۂ تعلیم کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اس میں اعلیٰ ذہنی تعلیم کا اضافہ کیا۔ اور منتشر علوم کو منظم کر کے ایک نئے نصاب کی شکل دی اور اس افراد اور معاشرہ میں جو خلیج پیدا ہو چکی تھی اُس کو پُر کرنے اور اخلاقی خرابیوں کا حل دریافت کرنے کی سب

سے اولین کوشش کی جس کا سہرا سقراط کے حصے میں آتا ہے۔

سقراط کے نزدیک علم عرفان، حقیقت اور سچائی سب ایک ہی چیز ہیں اور ہر شخص میں علم یا عرفان حاصل کرنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے۔ سقراط سب انسانوں کو برابر کا درجہ دیتا ہے اور ذہنی اعتبار سے سب انسان علم حاصل کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں علم کسی کی میراث یا جائیداد نہیں جو چاہے اسے حاصل کر سکتا ہے سقراط کا یہ نظریہ ہے کہ علم محض ذہن میں معلومات جمع کرنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ گفتگو، بحث مباحثہ اور استدلال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اسی کی وجہ سے اس کے نزدیک علم حاصل کرنے کا بہترین طریقہ صرف استدلال ہی ہے۔

سقراط کے تعلیمی نظریات میں تین باتیں نہایت غور طلب ہیں۔

۱:- استدلال ہی ذریعہ علم ہے ؟

۲:- کیا عرفان یا علم انسان کو نیک بنا سکتا ہے یا عمل صالح کا ضامن ؟

۳:- آیا ہر فرد علم یا عرفان حاصل کر سکتا ہے یا نہیں۔ ؟

**مقاصد تعلیم:-** سقراط اپنے تعلیمی نظریات میں درج ذیل مقاصد کا تعین کرتا ہے

۱:- تعلیم کا مقصد فرد کو علم سے روشناس کرانا ہے۔

۲:- افراد اور معاشرہ میں ہم آہنگی بھی پیدا کرنا تعلیم کا اہم مقصد ہے۔

۳:- معاشرتی حقائق سے روشناسی ہے۔

۴:- سچائی تک رسائی بھی مقصد تعلیم ہے۔

۵:- انسان کو اپنی پہچان کے ساتھ ساتھ دوسروں کی پہچان اور ان کے حقوق و فرائض سکھاتا ہے۔

۶:- سقراطی فلسفہ تعلیم کا اصل مقصد معاشرہ کی اصلاح اور تعمیر ہے۔

**طریقہ تدریس:-** Method of teaching سقراط استدلالی طریقہ تدریس کا قائل تھا۔ اس کے نزدیک "علم" گفتگو اور استدلال سے حاصل ہوتا ہے خود اسی طریقہ تدریس (استدلال) سے دوسروں کی غلطیاں واضح کرتا۔ بعد میں انہیں متعلقہ عنوان کے

بارے تفصیل سے سمجھاتا اور صحیح صورتحال سے آگاہ کرتا۔ وہ اکثر مختلف الخیال لوگوں سے مختلف انداز میں سوالات کر کے اُن کے عقائد و نظریات و خیالات اور علمی قابلیت کا اندازہ لگا لیتا اور پھر درجہ بدرجہ سوالات و جوابات کے ذریعے تربیت کرتا اکثر وہ اس قسم کے سوالات کے ذریعے لوگوں سے گفتگو کرتا تھا کہ ۱ :۔ تمہارے فرائض کیا ہیں۔؟ ۲ :۔ تم نے اپنے علم و دانش سے اس میں کیا اضافہ کیا ہے۔؟ ۳ کیا تم معلم ہو۔؟ اگر ہو تو تم نے دوسروں کی جہالت ختم کرنے سے پہلے اپنی جہالت کو کس حد تک دور کیا ہے؟ ۴ :۔ پاکیزگی کیا چیز ہے اور دیانتداری کسے کہتے ہیں۔؟ ۵ جرأت ایمانداری، انصاف اور صداقت کسے کہتے ہیں؟ اور ان خوبیوں کو انسانوں میں کیسے بیدار کیا جا سکتا ہے۔؟

سقراط اس طریقہ تدریس سے لوگوں کو حقائق کے قریب تر کر دیتا تھا۔ لوگوں میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی جس سے وہ حقیقت کو آسانی سے دریافت کر لیتے۔ استدلالی طریقہ تدریس نہایت دلچسپ بھی ہے اور ساتھ ساتھ افراد میں جذبہ تجسس کو بھی اُبھارتا ہے لیکن اس طریقہ تدریس سے ہر بات معلوم کرنا ممکن نہیں۔ اس طریقہ تدریس میں اُستاد کو ایک خاص مقام حاصل ہے کیونکہ اُستاد کو بہت سی باتیں طلباء کو خود بھی بتانی پڑتی ہیں۔ خالی الذہن طالب علم اس طریقہ تدریس سے مستفید نہیں ہو سکتا۔

المختصر سقراط ایک عظیم فلسفی تھا۔ وہ معلومات کو نیکی سمجھتا تھا اور اکثر اس کی زبان سے یہ الفاظ سنائی دیتے تھے کہ :۔

"جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے تمام حقیقت کو پہچان لیا"

سقراط کو تعلیمی دنیا میں ایک نہایت اہم مقام حاصل ہے کہ اس نے اپنے نظریات کی تبلیغ کے لئے بہت اچھا اور دلچسپ طریقہ کار استعمال کیا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے شاگردوں اور پیروکاروں کو معتدل سوچ کا درس دیا۔

**تعلیمی نصاب :۔** سقراطی فلسفہ تعلیم کی روشنی میں ہمیں اس کے نزدیک مرتب یا جدون نصاب تعلیم کا کوئی خاص نمایاں پہلو نظر نہیں آتا۔ ہاں البتہ اس کے نزدیک نیکی کے حصول کے لئے جو بھی ذرائع و وسائل اختیار کئے جا سکتے ہیں

وہی بہتر ذریعہ اور راستہ ہے اور ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق اپنے لئے بہتر راستہ تلاش کر سکتا ہے۔ سقراط اپنے پیشرو سوفسطائیوں کے فلسفہ تعلیم سے ہٹ کر صرف اور صرف بچوں کے ذہنوں میں شروع ہی سے استدلالی طریقہ کار کو پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ چاہے جس طرح بھی ممکن ہو اسی طرح اپنا لینا چاہیئے۔ اس کے نزدیک نصاب میں لفظوں کی پہچان، مفہوم اہمیت اور اس کے استعمال کا ڈھنگ آنا چاہیئے۔ اس کے بعد حساب کتاب کے لئے ریاضی فہم و فراست کے لئے فلسفہ اور اپنی بات کو تسلیم کروانے کے لئے (دلائل) عقلی و نقلی دلائل جو کہ منطق سے ہی سیکھے جا سکتے ہیں۔ کائنات اور اس کی حقیقت کے رازوں کو جاننے کیلئے فلسفہ ما بعد الطبیعات پڑھنا چاہیئے اور روح کی نشوونما کے لئے قدیم اخلاقیات جو کہ عین فطرت کے مطابق ہیں تاکہ انسان خود فریبی سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔

## تعلیم نسواں

سقراطی فلسفہ تعلیم میں عورتوں کی تعلیم کے بارے میں بھی کوئی مخصوص انداز خیال کرنے کا تصور پیش نہیں کیا گیا اور نہ ہی عورتوں کے لئے علیحدہ تعلیمی پروگرام کی نشاندہی کی گئی ہے۔ پس ہمیں یہ تصور کرنا ہوگا کہ وہ یا تو عورتوں کو گھریلو تعلیم تک ہی محدود رکھتا ہے یا پھر اس کے ہاں مرد اور عورت کی تعلیم کا تصوّر ایک سا ہے۔ کیونکہ اصل مراد اس کی نیکی کا حصول ہے۔ لہذا عورتوں کو بھی اس سے فراغ ناممکن ہے کیونکہ وہ بھی معاشرہ کا ایک حصہ ہیں اس اعتبار سے دوسری بات زیادہ قابل قبول ہے کیونکہ عورت کے بغیر معاشرہ کا وجود ناممکن ہے۔ اس لئے جہاں پر بھی اس کے تعلیمی نظریات کا جو خاکہ ہمارے سامنے ہوگا وہ عورتوں اور مردوں کے لئے یکساں تصور کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ سقراط عورت کو پرکشش، دلربا، جاذب نظر، شفقت کا مجسمہ، ہمدرد، حوصلے کا پیکر صبر و تحمل کا نمونہ دیکھنا چاہتا ہے۔ تاکہ معاشرہ احسن طور پر پروان چڑھے اور انسانیت کی فلاح میں معاون ثابت ہو

## سقراطی مکاتب فکر :-

سقراط کی موت کے بعد اس کے شاگردوں نے اس کے فلسفہ حیات اور فلسفہ تعلیم کے مختلف پہلوؤں کو اپنا کر الگ الگ مکاتب فکر قائم کر لئے جبکہ سقراط نے کوئی مخصوص مابعد الطبیعاتی نظام نہیں پیش کیا تھا اور نہ ہی اس نے نظریہ اخلاق کے بارے میں کوئی مربوط نظام وضع کیا تھا۔ تاہم سقراط نے ایسی مستحکم بنیادیں رکھی تھیں جن پر اس کے شاگردوں نے اپنے اپنے مدرسوں کی عمارتیں کھڑی کیں۔ کچھ

شاگردوں نے سقراطی طریقہ کے منطقی پہلوؤں کی بنیاد پر اپنے نظریات پیش کیے اور کچھ نے اس کی اخلاقیات کو موضوع بحث بناکر اسے مزید ترقی دی۔

مناری مدرسہ نے جس کا بانی یوکلیڈیز[1] (۴۵۰ - ۳۷۴ ق م) تھا۔ سقراط کے نظریہ کو کہ علم فضیلت ہے ایلیائی نظریہ وحدت الوجود سے ملا دیا۔ ان کے نزدیک نہ مادہ کی کوئی حقیقت ہے اور نہ ہی حرکت اور حواس کی دنیا کی صرف خیر کا تصور کائنات کا اصل جوہر ہے اس لئے انہوں نے کہا کہ فضیلت ایک ہے اور خارجی فضائل کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ یوکلیڈیز کے شاگردوں نے سقراط کی منطق کو زینوفون اور سوفسطائیوں کی طرز پر مبالغہ انگیز حد تک ترقی دی

سقراط کے اخلاقیات کے کئی پہلو تھے۔ ان میں سے کچھ پہلو بعض اوقات ایک دوسرے سے متضاد ہو جاتے تھے۔ ہر متضاد پہلو کو سقراط کے شاگردوں نے اپنا کر غیر معمولی اہمیت دی۔ اس سلسلہ میں دو نمایاں اخلاقی مکتب سامنے آئے سیرینی Cyrenttic اور کلبی Cynic دونوں کی بنیاد سقراط کی تعلیمات کے ہی پہلو تھے۔

سیرینی مکتب کا بانی ارسٹیپس Aristippus تھا اور کلبی مکتب فکر کا بانی اینٹی ستھینز Antisthenes تھا۔

سیرینیہ مکتب فکر کے نزدیک فضیلت (نیکی) ہی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ سرینیہ کے اخلاقیات کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ انسان کے تمام اعمال کا محرک زیادہ سے زیادہ لذت کے حصول کی کوشش ہونا چاہیئے۔ واضح رہے کہ سیرینیہ لذت کی تعبیر روحانی اور ذہنی لذت سے نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک جو لذت شدید تر ہوتی ہے۔ وہی خیر ہے۔

کلبیہ مکتب فکر کے نزدیک فضیلت (نیکی) ایک ہے اور علم اس کی بنیاد ہے اور یہ کہ فضیلت کی تعلیم دی جا سکتی ہے۔ کلبیوں نے ہر قسم کے علوم کو مسرت کے حصول کے لئے قطعی غیر ضروری قرار دیا۔ ان کے نزدیک مسرت اور فضیلت کے لئے علم کی کوئی ضرورت نہ تھی مسرت کا دارومدار صرف سیرت کی مضبوطی پر تھا۔ جو شخص دنیاوی خواہشات سے اپنے آپ کو بے نیاز کر لے وہ مسرت حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح سقراط کے نزدیک اخلاق علم کے مقابلے میں تمام علوم ہیچ تھے۔ جس کی روشنی میں کلبیوں نے مندرجہ بالا فلسفہ کو مبالغہ انگیزی کے ساتھ مزید ترقی دی۔

---

[1] واضح رہے کہ یوکلیڈیز اور ریاضی دان اقلیدس دو علیحدہ شخصیتیں ہیں۔

**تبصرہ** تاریخ فلسفہ میں سقراط کا مقام تعین کرتے ہوئے پروفیسر شٹیس رقمطراز ہے :-

" Socrates سقراط کے فلسفہ کے دو رُخ ہیں۔ سب سے پہلے اس کا نظریہ علم ہے کہ تمام علم تعقلات کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ فلسفہ سقراط کا سائنسی پہلو ہے اس کے بعد اس کی اخلاقی تعلیمات آتی ہیں۔ اب سقراط کا اصل اور اہم پہلو یقیناً اس کا تعقلات کے بارے میں سائنسی نظریہ ہے۔ اس کا یہی نظریہ اسے تاریخ فلسفہ میں اس کا (مخصوص) مقام دیتا ہے۔ اس کے اخلاقی نظریات اگرچہ نہایت فکر انگیز تھے لیکن ان پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ان میں یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ تمام انسان عقل کے تابع فرمان ہیں۔ چنانچہ ان نظریات نے تاریخ فکر پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا۔ لیکن اس کے نظریۂ تعقلات نے فلسفہ میں انقلاب بپا کر دیا۔ افلاطون اور ارسطو کا فلسفہ اور یقیناً بعد میں آنے والی تصوریت (Idealism) کی ہر قسم دراصل سقراط کے نظریۂ تعقلات کی ہی ترقی یافتہ شکل ہے۔ تاہم اس نظریہ کا فوری اثر سوفسطائی تعلیمات کی تردید تھا۔ سوفسطائیوں نے تعلیم دی تھی کہ صداقت حسی ادراک ہے۔ چونکہ ایک ہی شے کا ادراک مختلف اوقات و شرائط کے تحت مختلف ہوگا اس لئے صداقت فرد کا ذاتی ذوق بن گئی۔ اس سے اس یقین کا بالکل خاتمہ ہوگیا کہ صداقت کی معروضی حقیقت بھی ہوتی ہے۔ اور اسی طرح کے استدلال سے انہوں نے اخلاقی قانون کی معروضیت پر یقین کا خاتمہ بھی کر دیا۔ سقراط کی اصل حیثیت کا تعین اس امر سے کیا جاتا ہے کہ اس نے اس یقین کو بحال کیا تھا۔ سقراط کی عظمت اس بات میں مضمر ہے کہ اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ سوفسطائیوں کی تعلیمات کے تباہ کن اثرات کا مقابلہ کرنے کے لئے اس بنیادی مفروضہ کی تردید کرنی چاہئے جو ان کی تعلیمات کا منبع ہے یعنی اس مفروضہ کی تردید کی جائے کہ علم حسی ادراک ہے۔ اس کے برعکس سقراط نے یہ نظریہ پیش کیا کہ علم تعقلات کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے تعقلات کو علم کی بنیاد بنانا دراصل علم کو عقل کی ہمہ گیری پر قائم کرنے کے مترادف ہے۔ اس طرح سقراط نے علم کو موضوعی تاثرات سے اٹھا کر معروضی حقیقت کا درجہ دے دیا۔"[1]

کسی بھی اخلاقی فعل کے دو اجزائے ترکیبی ہوتے ہیں۔ ایک علم اور بصیرت اور دوسرے ارادہ! پہلے انسان کسی فعل کی قدر و قیمت کا اندازہ لگاتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی قوت ارادی کو بروئے کار لاتا ہے۔ اس طرح ایک اخلاقی فعل سرانجام ہوتا ہے۔ علم کا تعلق عقل اور ذہن سے ہے۔ ارادہ کا تعلق انسان کے جبلی اور فطری میلانات اور حیاتیاتی تقاضوں سے ہوتا ہے۔ یا فرائڈ کے الفاظ میں ارادہ کا تعلق اڈ (Id) سے ہوتا ہے۔ خواہشات و جذبات اور طبعی داعیات کسی بھی فعل کے لئے ارادی اور حرکی قوت بہم پہنچاتے ہیں۔ علم

---

[1] شٹیس، کتاب مذکور صفحہ ۱۵۱

وبصیرت صرف ان راستوں کو منور کر سکتے ہیں جو انسان کی داخلی خواہشات اپنی تکمیل کے لئے منتخب کرتی ہیں۔ ارسطو، نیٹشے اور دیگر مفکرین نے سقراط پر یہی اعتراض کیا ہے کہ اس نے اخلاقی فعل کے صرف علمی یا بصیرتی پہلو کو اہمیت دی ہے۔ اور اس کے ارادی پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ ایک شرابی سے پوچھا گیا کہ وہ شراب کیوں نہیں چھوڑ دیتا تو اس نے جواب دیا۔ "میں نے بارہا کوشش کی ہے کہ اس لعنت سے نجات حاصل کروں ۔۔۔۔ مگر کوئی اندرونی طاقت مجھے میکدے کی طرف زبردستی لے جاتی ہے"۔ یہ اندرونی طاقت دراصل اسکی نفسیاتی کمزوری تھی جو بار بار اسے وہ کام کرنے پر اکساتی تھی جس کو وہ لعنت سمجھتا تھا۔ دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو خیر و شر کا علم رکھتے ہوئے بھی خباثت کی راہ اختیار کرتے ہیں

پروفیسر سٹیس کا جو اقتباس اوپر دیا گیا ہے۔ اس میں بھی فلسفۂ سقراط کے اس نقص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پروفیسر سٹیس اور متعدد مغربی مورخین فلسفہ سقراط کے علم کو استدلالی اور منطقی علم سمجھتے ہیں۔ اگر اس کے علم کو استدلالی اور منطقی علم سمجھا جائے تو یقیناً سقراط تنقید کی زد سے بچ نہیں سکتا۔ لیکن جس بات کو مغربی مفکرین ہمیشہ نظر انداز کرتے چلے آئے ہیں وہ سقراط کی شخصیت کا داخلی اور وجدانی پہلو تھا۔ سقراط کے بارے میں ہمیں جو مختلف روایات ملی ہیں ان کے مطابق وہ فیثا غورثیوں اور آرفیسی مکتب فکر کے صوفیانہ نظریات سے بخوبی آگاہ تھا۔ آرفیسی مکتب فکر سے ہی اس لے زرتشت کے روح اور اس کی بقا کے نظریات کا اثر قبول کیا تھا۔ اگر ہم سقراط کے علم کو خالص منطقی اور استدلالی سمجھنے کی بجائے ذوقی علم سمجھیں تو وہ تنقید کی زد سے بچ جاتا ہے۔ اقبالؒ اور رومیؒ بھی اسی قسم کے علم کے قائل ہیں۔ اقبالؒ اس علم کو جذب و شوق یا عشق سے تعبیر کرتا ہے۔ اس قسم کے علم سے اخلاقی فعل کے علمی اور ارادی پہلوؤں کی تفریق ختم ہو جاتی ہے۔ انسان کا فعل جذبات و خواہشات اور علم و بصیرت کی ایک دلآویز وحدت بن جاتا ہے۔ اسی قسم کے علم کو قرآن تقویٰ سے تعبیر کرتا ہے ۔[1] سقراط نے انسانی فطرت کا اندازہ خود اپنی فطرت سے لگایا تھا۔ اس کی سیرت میں ہمیں قلب و نظر کی مکمل ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ انسان جان بوجھ کر بھی غلط کام کر سکتا ہے۔ یہ یقیناً انسانی فطرت کا بڑا بلند تصور ہے۔ قرآن نے بھی یہی کہا ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا

(انسان کی فطرت اللہ کی فطرت پر بنائی گئی ہے۔ (روم ۳۰:۱۳)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ:

---

[1] اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا : (۳۵ : ۲۸)

ترجمہ :۔ خدا سے وہی لوگ ڈرتے ہیں (یعنی متقی وہی ہیں) جو علم کے حامل ہیں۔

ترجمہ: ہم نے یقیناً انسان کو اچھی فطرت پر پیدا کیا۔ (۹۵ : ۴)

یہ حقیقت ہے کہ انسان بنیادی طور پر بدی اور شر کا فطری رجحان نہیں رکھتا۔ اگر شروع سے انسان کو مناسب ماحول اور اچھی تربیت میسر آ جائے تو وہ کبھی برا کام نہیں کرے گا۔ جدید ماہرین نفسیات بھی اس بات پر متفق ہیں کہ مجرمانہ رجحانات لوگوں میں وراثتاً منتقل نہیں ہوتے۔ ماحول اور تربیت بھی ان کی ذمہ دار ہے۔ فرائڈ کا یہ کہنا کہ بچے کے پہلے پانچ سال مجھے دے دو اور جس قسم کی شخصیت میں چاہوں میں اسے ڈھال دوں، دراصل یہی ظاہر کرتا ہے کہ فطرتِ انسانی میں طبعی طور پر مخصوص رجحانات ودیعت نہیں کیے ہوتے۔

سقراط کا روح پر اتنا راسخ یقین تھا کہ وہ اس کی فلاح وبقا کے لئے کسی بھی نفسانی خواہش سے متاثر نہ ہو سکا۔ اپنے نظریۂ روح سے ہی اس نے فلسفہ میں غائتی تشریح کو اہمیت دی۔ گذشتہ فلسفی یہ سوال اٹھاتے آئے تھے کہ کائنات "کیسے وجود میں آئی ہے؟" کیسے کا جواب دینے کے لئے انہوں نے میکانکی تشریح کا طریقہ اپنایا تھا یعنی گذشتہ علتوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ سقراط نے یہ سوال اٹھایا کہ کائنات "کیوں ہے؟" اعمال و کردار کا کوئی مخصوص معیار "کیوں" ہے؟" اس سلسلے میں اس نے مقاصد اور نصب العینوں کی طرف اشارہ کر کے غائتی تشریح کو اہمیت دی۔

---

تبصرہ:۔ صفحہ ۹۴ تا ۹۷ تاریخ فلسفہ یونان از ڈاکٹر نعیم احمد

چوتھا باب

# افلاطون

سنہ ۴۲۷ ق م ــ سنہ ۳۴۷ ق م

Plato:

**سوانح حیات :-** دنیا کا مشہور فلسفی افلاطون یونان کے شہر ایتھنز میں ۴۲۷ قبل مسیح پیدا ہوا۔ اُس کے والد کا نام ارسٹون اور والدہ کا نام پیرکٹون تھا۔ اس کی والدہ یونان کے مشہور " سولون " خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ افلاطون کے والدین نے اس کا نام ارسٹوکلیز رکھا۔ لیکن بہت زیادہ خوبصورت ہونے کی وجہ سے بچپن ہی میں پلوٹو کے نام سے مشہور ہو گیا افلاطون نے اپنی ابتدائی عمر ہی میں زبان دانی اور موسیقی سے واقف ہو گیا حتیٰ کہ کھیلوں، نیزہ بازی گھڑسواری اور دوڑ میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔

افلاطون نے یونان کی مشہور جنگ " پیلوپنیشن " میں باقاعدہ حصہ لیا اور ایک فوجی گروپ کی نمائندگی بھی کی۔ جنگ کے اختتام پر افلاطون نے سقراط کی شاگردی میں اپنے زانوئے تلمذ کئے افلاطون آٹھ سال تک سقراط کے ہاں پڑھتا رہا۔ افلاطون اپنے اُستاد سقراط کے طریقہ تعلیم اور اس کی عالمانہ گفتگو سے کافی متاثر تھا۔ اُس کے دل میں بڑے عرصے سے یہ خواہش کروٹیں لے رہی تھی کہ وہ بھی اپنے اُستاد سقراط کی طرح ایک بڑا فلسفی اور عالم بنے۔

افلاطون نے تمام علوم اپنے استاد کی شاگردی میں حاصل کئے۔ ابھی افلاطون ۲۸ سال کے قریب تھا کہ اس کے اُستاد سقراط کو ۳۹۹ ق م میں حکومت یونان نے باغی قرار دے کر موت کے دروازے تک پہنچا دیا۔ جس سے افلاطون کو ازحد افسوس ہوا۔ اور اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ استاد کے افکار کو عملی طور پر پوری دنیا میں پھیلانے کی کوشش کرے گا۔

دنیا کا عظیم فلاسفر " سیبائن " اپنی ایک تصنیف میں یوں رقمطراز ہے کہ " افلاطون اپنے اُستاد سقراط سے ازحد متاثر تھا۔ سقراط کی بے دردانہ موت نے افلاطون کے نظریات یکسر بدل دیئے کہ جس کے نتیجے میں افلاطون نے فلسفیانہ طرز زندگی اختیار کر لی۔ "

سقراط کی موت کے بعد افلاطون کے لئے ایتھنز میں رہنا محال تھا۔ کیونکہ افلاطون نے

اپنے استاد کو حکومت کے پنجے سے بچانے کی از حد کوشش کی تھی جو کہ رائیگاں گئی جس سے وہ حکومت یونان سے بددل ہو کر سچائی کی تلاش میں یونان سے باہر نکل پڑا۔

ایک روایت کے مطابق افلاطون نے کئی غیر ملکی ریاستوں کے سفر کیئے۔ خصوصاً سسلی کا تین مرتبہ سفر کیا اور اس دوران اٹلی، مصر اور ایران بھی گیا۔ آخر کار ۳۸۶ قبل از مسیح میں اپنے وطن ایتھنز میں واپس لوٹ آیا۔ اس کا دماغ دنیا کے تمام علوم و فنون سے مالا مال تھا۔ افلاطون نے جب اپنے وطن ایتھنز کی تعلیمی حالت پست دیکھی تو اس کے دل کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ بچوں کے لئے جدید طرز کی ایک تعلیمی درس گاہ بنائے گا۔ تاکہ اس کی ریاست ترقی کر سکے۔ اس سلسلہ میں افلاطون نے سب سے پہلے ۳۸۷ قبل مسیح میں اپنی مشہور اکادمی کی بنیاد ایتھنز میں رکھی۔ یہ درس گاہ "اکیڈیمس" نامی ایک شخص کے باغ میں قائم ہوتی اور اسی مناسبت سے اس درس گاہ کا نام "اکیڈمی" پڑا۔ افلاطون نے اپنی تمام تر زندگی سقراطی صداقت کی تبلیغ میں صرف کر دی۔ افلاطون طلبہ کو فلسفہ کی تعلیم حسابی طرز پر دیتا تھا۔ جس سے اس نے طلباء کو ہر قسمی تعلیم سے روشناس کرایا۔ خصوصاً ریاضی، سائنسی علوم، فلسفہ اور منطق پر بہت زیادہ زور دیا۔ افلاطون طلباء کو باقاعدہ لیکچرز کے ذریعے پڑھاتا تھا۔ اور مکالمات کی شکل میں وہ لکھ کر لاتا تھا۔ بدقسمتی سے افلاطون کے لیکچرز زمانہ کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اور ضائع ہو گئے۔ افلاطون نے اپنے آخری ایام میں مابعد الطبعیات پر تنقیدی مکالمات لکھے۔

**تصانیف :-** افلاطون اس دنیا میں اپنا سرمایہ حیات مختلف موضوعات پر مکالمات کی شکل میں لکھے ہوئے چھوڑ گیا، جن میں سے "الجمہوریہ" پوری دنیا میں ایک مکمل کتاب کی شکل میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اس بات کا اندازہ "ایمرسن" کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے۔ "کہ دنیا کی تمام کتابیں ایک طرف اور افلاطون کے مکالمے ایک طرف"

افلاطون نے کم و بیش تین درجن کے قریب مکالمات چھوڑے۔ جن کی روشنی میں ہم افلاطون کے تعلیمی نظریات کا بغور جائزہ لے سکتے ہیں۔ المختصر افلاطون کے درج ذیل مکالمات بہت زیادہ مشہور ہیں۔

۱:۔ "الجمہوریہ" The Republic

۲:۔ "سیاستدان" The States Men

۳:۔ "قوانین" The laws

آج بھی دنیا میں افلاطون کو ایک عظیم فلاسفر اور ماہر تعلیم گردانا جاتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے فلاسفر اس کی تعریف میں یوں رقمطراز ہیں۔

۱:۔ ایمرسن Emerson کہتا ہے کہ "دنیا کے تمام مفکرین افلاطون کے خوشہ چین ہیں۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ افلاطون نے تلاش عدل میں کہیں ایسے مضمون کو خالی نہیں چھوڑا جس کا واسطہ انسان سے نہ ہو" ایک اور مقام پر "ایمرسن" یوں بیان کرتا ہے کہ "افلاطون فلسفہ ہے اور فلسفہ افلاطون"

۲:۔ دنیا کا مشہور زمانہ شاعر کولرج Coleridge یوں رقمطراز ہے کہ "یا تو ہر شخص افلاطونی پیدا ہوتا ہے یا ارسطوئی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ افلاطون قدیم و جدید کے تمام فلاسفروں میں ایک بلند مقام رکھتا ہے"

۳:۔ سیبائن جیسا بڑا مفکر افلاطون کو علم کی دنیا میں اپنا اُستاد مانتا ہے۔

المختصر افلاطون دنیا کا ایک عظیم فلسفی، سیاستدان، ماہر تعلیم تھا۔ اس لئے افلاطون کے تعلیمی نظریات کو سمجھنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے اُس کے فلسفہ تصور اور فلسفہ انصاف کو سمجھنا پڑے گا۔

**وفات:۔** دنیا کا عظیم یونانی فلسفی و مفکر تعلیم ۳۴۷ قبل مسیح میں ایک شادی کی تقریب میں شرکت کرتے ہوئے ۸۰ رسال کی عمر میں اس جہان فانی سے رخصت ہوگیا۔ اس عظیم مفکر تعلیم کے جسد خاکی کو اُس کی قائم کردہ یونیورسٹی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

## افلاطون کا فلسفۂ حیات

افلاطون کے فلسفہ حیات کو "فلسفۂ تصور" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے "الجمہوریہ" میں نظریۂ حیات کی بنیاد تصور کے فلسفہ پر رکھی گئی ہے "تصور" دراصل ایک حقیقت کا

نام ہے۔ جسے ہم تصور کی مدد سے پہچان سکتے ہیں۔ کائنات کی ہر چیز اُس حقیقت کا عکس ہے اور عکس ہی دراصل حقیقت کا ترجمان ہوتا ہے۔ انسان حواس خمسہ سے مادی علوم کا علم تو حاصل کر سکتا ہے لیکن حقیقت تک رسائی ناممکن ہے۔ اس لئے مادی دنیا کا علم حقیقت نہیں بن سکتا۔ حقیقت کی پہچان اور اس کی رسائی صرف اور صرف چھٹی حس سے ہی ممکن ہے۔ عقل، فہم ادراک اور تجسس چھٹی حس کے ذرائع ہیں۔ جو انسان کو حقیقت کی پہچان اور اس کے حصول میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ جب انسان حقائق تک دسترس حاصل کر لیتا ہے تو علم کی دولت سے خود بخود بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ چھٹی حس قدرت کی طرف سے ایک عطیہ ہے۔ جن لوگوں کو یہ عطیہ عطا کیا ہے۔ ان لوگوں کو امام غزالی۔ ابن خلدون۔ سینا، رازی مصلح و پیغمبر کے زمرے میں شمار کرتے ہیں۔ افلاطون اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "الجمہوریہ" میں یوں رقمطراز ہے کہ انسان کو مادی علوم کے ساتھ ساتھ روحانی علوم کا جاننا نہایت ضروری ہے تاکہ سچائی کی راہ پر چل کر حقیقت کو پالے۔

یہ وہ اصول ہیں جو انسان کو ۱۔ فرد کو فرد کے ساتھ ۲۔ فرد کو معاشرے کے ساتھ ۳۔ معاشرے کو ریاست کے ساتھ، کے آپس کے اختلافات کو ختم کرا دیتے ہیں۔ معاشرہ کو برائیوں سے بچانے کے لئے سچائی کے علم کا حصول نہایت ضروری ہے لیکن یہ علم ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے افلاطون نے یہ نظریہ حیات پیش کیا کہ "ہر شخص کو اس کی قابلیت کے مطابق کام تفویض کیا جائے"

فرد اور معاشرہ دونوں کی بہبودی کا راز اسی میں مضمر ہے اور اس فلسفہ تصور کو افلاطون انصاف کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کے نزدیک جرم نادانی کا نتیجہ ہے اور اگر کوئی شخص جرم کرتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی تعلیم ناقص ہے، اور وہ شخص "قابل رحم" اور قابل معافی ہے سچائی کے ذریعے ہی جرائم کا سدباب کیا جا سکتا ہے۔ تعلیم ہی ایک ایسا عمل ہے جو فلسفہ تصور یعنی فلسفۂ حیات کے مقاصد کی تکمیل کرتا ہے۔ جو لوگوں میں مسرت، تندرستی، اطمینان اور فراغت کے اسباب پیدا کرتا ہے۔ اپنے ان نظریات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے افلاطون نے نظریہ انصاف کا تصور پیش کیا جو کہ معاشرے کی بقا کا ضامن سمجھا جاتا ہے

# افلاطون کا فلسفۂ انصاف

افلاطون نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "الجمہوریہ" میں "انصاف" کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ اس کے نزدیک انصاف اور صرف انصاف ہی کے ذریعہ اس کے محبوب وطن ایتھنز اور اس کے شہریوں کو زوال اور تباہی سے بچایا جا سکتا ہے کہ اگر انصاف ہو تو عوام میں خوشحالی پیدا ہوتی ہے اور جہاں پر فرد کی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس کی نشوونما کی جا سکتی ہے۔ اور انہیں ان کی قدرتی صلاحیتوں کے مطابق کام سونپا جا سکتا ہے۔ افلاطون نے اپنی مثالی مملکت کی بنیاد صرف اور صرف "انصاف" پر رکھی ہے۔ کیونکہ "عدل" یعنی انصاف ہی انسان کی سچی خوشی ہے اور بے انصافی سب سے بڑا ظلم اور دکھ ہے اور یہ انصاف صرف ایک منظم تعلیمیافتہ جماعت سے ہی ممکن ہے اور اس منظم جماعت کو معاشرہ کی فلاح کے لئے تین طبقات میں تقسیم کرتا ہے۔

۱۔ فلسفی ر حکمران

۲۔ سپاہی یا جنگجو جماعت

۳۔ اہل حرفہ یا اہل زراعت، مزدور

افلاطون نے مندرجہ بالا طبقات کی تقسیم ان کی قدرتی صلاحیتوں پر رکھی ہے نہ کہ پیدائش نسل اور دولت پر، اُس کے خیال میں انصاف ہر شخص کا بنیادی اور فطری حق ہے۔ انسان کے نظریات کو اس وقت تک درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جب تک اس میں صداقت اور انصاف کے عناصر موجود نہ ہوں۔ اس لئے انصاف ہر طبقہ کے فرد کے لئے لازم ہے اور ہر فرد کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اپنے لئے انصاف کے حصول کے لئے خود کوشاں رہیں اور یہ کوشش محض اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک تعلیم سے اپنے آپ کو آراستہ نہیں کر لیتا اور اپنے فن میں مکمل ماہر نہیں ہو جاتا۔

تصور عدل کی وضاحت کرتے ہوئے افلاطون نے ریاست کو ایک جسم قرار دیا ہے کہ اگر جسم کے کسی عضو کو کوئی معمولی سی تکلیف یا درد محسوس ہو تو پورا جسم اس درد میں برابر کا

شریک ہوتا ہے۔ ریاست بھی ایک جسم کی مانند ہے۔ افراد اس کے اعضاء ہیں۔ اگر معاشرہ کے کسی ایک فرد کو تکلیف ہو تو لازماً پورے معاشرے کو اس کا احساس ہو جانا چاہیئے اور اُس تکلیف کو دور کرنے کے لئے وسائل بروئے کار لانے چاہئیں اور انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جسم کو سکھ پہنچانے کے لئے اس کے تمام اعضاء کی نگہداشت کی جائے اور اس کو صحت مند رکھا جائے۔ انصاف یہ ہے کہ اپنے فرائض کی بجا آوری پر مکمل توجہ دی جائے اور دوسروں کے معاملات پر قطعی طور پر مداخلت نہ کی جائے۔ المختصر افلاطون کے نزدیک انصاف اور تعلیم ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے ہم فرد کی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کر سکتے ہیں۔

## افلاطون کا فلسفۂ نظامِ تعلیم

افلاطون نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف " الجمہوریہ "۔The Republic اور قوانین The Laws میں اپنے فلسفہ تعلیم اور اُس کے طریق کار پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اس سلسلے میں ایک مکمل اور جامع نوعیت کا نظام تعلیم پیش کیا ہے۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ افلاطون نے اپنے طریقہ تعلیم کا نظریہ دراصل ایتھنز اور سپارٹا کے طریق تعلیم سے متاثر ہو کر قائم کیا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں ان دونوں کے تعلیمی نظام میں بنیادی مقصد عام کردار کو بلند کرنا اور عوام میں تعلیمی رجحانات کو ترویج کرنا تھا۔ افلاطون ریاست میں انصاف کو فروغ دینے کے لئے صرف دو ادارے تجویز کرتا ہے۔

پہلا ادارہ " تعلیم " اور دوسرا " کمیونزم " ہے۔ اُسے سب سے زیادہ تعلیم پر اعتماد تھا۔ وہ ریاست کو سب سے بڑا تعلیمی ادارہ قرار دیتا ہے۔ ریاستی باشندوں کے کردار کو مضبوط بنانے کے لئے تعلیم کو نہایت ضروری قرار دیتا ہے۔

### تعلیم کا مفہوم و اہمیت :-

افلاطون اپنی تصنیف " الجمہوریہ " میں تعلیم کی یوں تعریف بیان کرتا ہے کہ " تعلیم دراصل ایک ایسی تربیت کا نام ہے جو بچے میں ایسی مناسب عادات پیدا کرے۔ جن کی بنیاد بچے ہی کی جبلتوں

اوران میں پوشیدہ اچھائیوں پر رکھی گئی ہو" دوسری جگہ قوانین The laws میں

رقمطراز ہے کہ "تعلیم بچوں کی رہنمائی اور پرورش کا وہ عمل ہے جو انہیں ایسے اصولوں سے باخبر رکھتا ہے جو قانونی طور پر درست قرار دیئے گئے ہوں اور معاشرے کے بزرگ افراد کے تجربات نے بھی اُن کے درست ہونے کی توثیق کی ہو"

افلاطون کے نزدیک تعلیم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے ناقص معاشرہ کو نئے سرے سے نئی بنیاد پر تعمیر کیا جاسکتا ہے اور افراد کی قدرتی صلاحیتوں کو معلوم کر کے ان کی نشوونما کی جاسکتی ہے تاکہ فرد کو اُس کی قدرتی صلاحیتوں کے مطابق کام سونپا جائے۔ جس سے وہ اس کام کو بطریق احسن پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ افلاطون کے نزدیک تعلیم انتہائی اہم تھی اس کے نزدیک ریاست کا سب سے اہم کام تعلیم ہے اور تعلیم کی نشوونما ریاست کا اہم ترین شعبہ ہے۔ جس سے پاکیزہ انسان بننے کے لئے فرد کے ذہن کی اصلاح ہو سکے۔ افلاطونی تعلیم کے دو پہلو نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

۱:۔ انفرادی پہلو

۲:۔ معاشرتی پہلو

**انفرادی پہلو:۔** فرد کو علم یا نیکی کا شعور حاصل کرنا سکھاتا ہے اور یہی پہلو فرد کو اپنی روحانی آنکھ سے داخلی حقیقت اور سچائی کی طرف پھیرنے کی دعوت دیتا ہے یہ ازلی و ابدی حقیقت ہے اور ادراک کا ذریعہ ہے

**معاشرتی پہلو:۔** افلاطون تعلیم کو معاشرتی عمل سمجھتا ہے اور اس کا مقصد ریاستی حصول کی معاشرتی شعور سے فطری روشناسی ہے۔

افلاطون تعلیم سے فرد میں ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا کرنا قرار دیتا ہے۔ جس سے ادائیگی فرض کا احساس پیدا ہو۔ اس طرح فرد معاشرہ کی بے لوث خدمت پر آمادہ ہو جاتا ہے جس سے ہر فرد تعلیم کی ضرورت و اہمیت کو شدت سے محسوس کرتا ہے۔

## افلاطونی تعلیم کے مقاصد!

افلاطون کے نزدیک تعلیم و تدریس کے مقاصد درج ذیل ہیں۔

۱!۔ روح انسانی کو ایسے ماحول سے روشناس کرایا جائے جس سے اُس کی نشوونما میں مدد ملے

۲!۔ معاشرہ میں یکساں انصاف اور نیکی پھیلانا ہے

۳!۔ حصولِ تعلیم کا مقصد ایک اعلیٰ سوسائٹی کا قیام اور ریاست کو مستحکم بنانا ہے۔

۴!۔ تعلیمی مقصد اندرونی (روحانی) آنکھ کو روشنی کی طرف پھیرنا ہے یعنی خود آگہی ہے۔

۵!۔ خوبصورت اشیاء کی طرف کشش کا مادہ پیدا کرنا ہے۔

۶!۔ انسانی شخصیت کے جملہ پہلوؤں کی نشوونما کرنا ہے (مذہبی، جسمانی، ذہنی، ادبی، فنی)

۷!۔ فرد میں احساس ذمہ داری کا شعور پیدا کرنا تاکہ وہ اپنے فرائضِ منصبی کو بانداز احسن سرانجام دے سکے۔

## افلاطونی نظریہ تعلیم کے چند بنیادی اصول!

افلاطون کے نزدیک تعلیم کے بنیادی اصول حسب ذیل سمجھے جاتے ہیں۔

۱!۔ تعلیم عام ہو اور مفت ہو

۲!۔ سب کے لئے یکساں تعلیمی نصاب ہو

۳!۔ انسانی وجود کا مناسب ترین استعمال ہو

۴!۔ تعلیمی نصاب انصاف پر مبنی ہو

۵!۔ ذہنی ترقی کے لئے جمناسٹک اور موسیقی کی تعلیم لازم ہو

۶!۔ تعلیمی نظام ریاست کے زیر انتظام ہو

۷!۔ جو ریاست کو مستحکم بنانے کا ضامن ٹھہرے۔

## افلاطونی نصاب تعلیم!

زندگی کے مختلف حصوں کے پیش نظر افلاطون نے نصاب تعلیم کچھ اس طرح ترتیب دیتا ہے۔ جس سے نہ صرف تمام افرادِ معاشرہ کو حصول علم کا موقع نصیب ہوتا ہے بلکہ ہر فرد معاشرہ اپنی استعداد کے بل بوتے اپنی موزوں ترین جگہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ بلکہ معاشرہ کی بھی اعلیٰ درجے کی

خدمت کرپاتا ہے۔ اس بنا پر افلاطون نصاب کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔
۱:۔ ابتدائی تعلیمی نصاب ۲:۔ اعلیٰ تعلیمی نصاب
پھر مزید ان کو مختلف درجات میں منقسم کرتا ہے۔
۱:۔ ابتدائی تعلیم کو تین درجات میں تقسیم کرتا ہے
i. درجہ اول میں موسیقی گیت، قصے کہانیاں، سچائی۔ نیکی، خوش کرداری
ii. درجہ دوئم ۔ اچھائی برائی کی تمیز، جسمانی تربیت، موسیقی، خطاطی، مجسمہ سازی، ادب شعر و شاعری طبعی سائنس
iii. درجہ سوئم میں خصوصاً فوجی تعلیم، جسمانی تربیت اور فلسفہ کی تعلیم پر زور دیا جاتا ہے کیونکہ فرد کے شعور میں پختگی پیدا ہو چکی ہوتی ہے تاکہ ہر قسم کی دوری کی جاسکے۔
۲:۔ اعلیٰ تعلیم کے نصاب کو مزید دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔
i:۔ جسمانی اعلیٰ تربیت ii. ذہنی اعلیٰ تربیت
جسمانی اعلیٰ تربیت کے لئے فوجی تعلیم اور اعلیٰ ملازمت کے لیے فلسفیانہ تعلیم پر زور دیتا ہے۔ جبکہ ذہنی اعلیٰ تربیت کیلئے دس سال تک فلسفہ کی تعلیم لازمی قرار دیتا ہے

## افلاطون کا طریقہ تدریس

افلاطون کا طریقہ تدریس واقعی قابل تحسین ہے کیونکہ اس کے مطابق ہر شخص کو اس کی ذہنی استعداد اور دلچسپیوں کی بنا پر تعلیم دی جائے۔ اس کے خیال میں آسان سے مشکل کی طرف چلا جائے۔ نہ کہ مشکل سے آسان کی طرف۔ افلاطون عمل کا قائل تھا اور اُس نے عملی تعلیم کو نہایت اہمیت دی ہے۔ تعلیم میں جسمانی تربیت کو لازمی قرار دیتا ہے۔ اپنی تصنیف "الجمہوریہ" میں یوں لکھتا ہے۔ کہ "تدریسی مواد بچوں کے ذہن میں زبردستی نہ ٹھونسا جائے۔ بلکہ بچوں کو اس قدر آمادہ کیا جائے کہ وہ خود بخود تعلیم حاصل کرنے میں اپنے شوق کا اظہار کریں۔ اُس کے نزدیک ایسا شوق سے حاصل کیا گیا علم پائیدار اور مستحکم ہوگا۔ طریقہ درس و تدریس ایسا ہو کہ بچے تعلیم کو بوجھ محسوس نہ کریں۔ بلکہ کھیل اور تفریح میں وہ سب کچھ سیکھ لیں"۔ اور جگہ اپنی کتاب قوانین میں بھی ان ہی

باتوں کو دھراتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ کھیل کھیل میں تعلیم دینا نہایت سہل اور اور پائیدار تعلیم ہوتی ہے۔ افلاطونی طریقہ تدریس، اعداد اور عددی تناسب کا بھی اظہار کرتا ہے۔ تعلیمی معاملات میں بچوں کے لئے نفسیاتی اصولوں کو پیش نظر رکھنے کا قائل ہے۔ اور

فطری میلانات، کو بھانپنے کے لئے معلم کا سمجھدار ہونا نہایت ضروری قرار دیتا ہے۔ آخر میں "بچہ کی فطرت"، کو طریقہ تعلیم میں سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔

**تعلیم نسواں:-** افلاطون پہلا یونانی فلسفی ہے جو عورتوں کی تعلیم کا سب سے بڑا حامی تصور کیا جاتا ہے۔ افلاطون تعلیم کے معاملہ میں عورتوں کو بھی مردوں کی صف میں شامل کرتا ہے۔ تاکہ وہ مثالی شہری بن سکیں وہ عورتوں اور مردوں کیلئے یکساں تعلیم تجویز کرتا ہے۔ وہ اپنی تصنیف "الجمہوریہ" میں یوں رقمطراز ہے۔

"کہ جب میں کہیں بھی تعلیم کا ذکر کرتا ہوں تو اس سے مراد مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ کیونکہ قدرت نے مرد اور عورت کو یکساں صفات عطا کی ہیں۔ جو کام مرد کر سکتے ہیں وہ عورتیں بھی کر سکتی ہیں"، وہ عورتوں کو بھی موسیقی اور جمناسٹک کی تعلیم دینے کا قائل ہے اور عورتوں کو میدان جنگ میں برابر کا حصہ دار قرار دیتا ہے۔ عورتوں کے لئے فوجی تربیت بھی لازمی قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ امور مملکت (نظم و نسق حکومت) عورتیں بھی سنبھال سکتی ہیں۔ شہری اگر عمدہ تربیت سے مالا مال ہوں گے تو ریاست بھی عمدہ طریقے سے چل سکے گی۔ لہٰذا عورتیں بھی ریاست کے شہری ہیں تو ان کی تعلیم مردوں کی تعلیم کی طرح ضروری ہے۔ افلاطون عورتوں کو تنہائی میں رہنا اور پردہ نشینی کی زندگی گزارنا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ عورتیں کیلئے مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کے حق میں ہے۔ عورت اور مرد میں بلحاظ انسان کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ اس لئے معاشرہ میں مرد اور عورت کو یکسانیت دی جانی چاہیئے۔ اور عورتوں کے حقوق کا بڑا علمبردار سمجھا جاتا ہے۔ وہ عورتوں کو گھر کی غلامی سے نکال کر ریاست کے وسیع تر مفاد میں لگانے کا قائل ہے المختصر وہ عورتوں کو باقاعدہ شادی اور بچوں کی مناسب پرورش و تربیت پر خصوصی زور دیتا ہے

## افلاطونی تعلیمی سکیم (تعلیمی مدارج)

افلاطونی تعلیمی سکیم سے مراد وہ تعلیمی مدارج ہیں جو کہ اُس نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف "الجمہوریہ" میں بیان کیئے ہیں۔ تعلیم کے حصول کے لئے افلاطون نے جو تعلیمی سکیم کا تصور پیش کیا ہے وہ عین فطرت کی عکاسی ہے۔ اس میں ترقی پسندانہ طریق کار کو اپنایا گیا ہے اور یہ باقاعدہ ایک نظام کے تحت مرتب کیا گیا ہے جو کہ ریاست کے ہر نظام میں ایک لازمی پرزے کی حیثیت رکھتا ہے جس سے نہ صرف تمام افراد معاشرہ کو حصول تعلیم کا موقع ملتا ہے بلکہ پورے معاشرہ میں بسنے والے افراد اپنی قابلیت کے مطابق اپنی موزوں ترین جگہ پر فائز ہو جاتے ہیں۔ افلاطون نے تعلیم کو پانچ مدارج میں تقسیم کیا ہے جو زندگی کے پہلے سال سے شروع ہو کر چالیس، پچاس سال کی عمر تک جاری رہتے ہیں، جو درج ذیل ہیں

۱:۔ پیدائش سے سات سال کی عمر تک ــــ گھریلو تعلیم

۲:۔ سات سال کی عمر سے اٹھارہ سال کی عمر تک ــــ مدارس میں تعلیم

۳:۔ اٹھارہ سال کی عمر سے بیس سال کی عمر تک ــــ عسکری تربیت

۴:۔ بیس سال کی عمر سے تیس سال کی عمر تک ــــ انتظامی امور کی اعلیٰ تعلیم

۵۔ تیس سال کی عمر سے پینتیس سال کی عمر تک ــــ فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم (نظام حکومت)

افلاطون کے نزدیک پینتیس سال کی عمر سے پچاس سال کی عمر تک فلسفہ کی تعلیم سے فارغ التحصیل طلبہ ہی عنان حکومت سنبھالیں گے۔

**۱:۔ گھریلو تعلیم** افلاطون پیدائش سے لے کر سات سال تک کی عمر کی تعلیم کو تعلیم کا پہلا دور قرار دیتا ہے۔ یہ تعلیم گھر پر دی جاتی ہے۔ ابتدائی گھریلو تعلیم میں کھیل کود اور ورزش کو ضروری قرار دیتا ہے اس کے ساتھ سبق آموز کہانیاں جو تصنع سے پاک ہوں وہ بچوں کو سنائی جائیں اور حقیقی واقعات سے روشناس کرایا جائے تاکہ بچوں کا ذہن حقائق سے آشنا رہے اور بھٹکنے نہ پائے۔ افلاطون گھریلو تعلیم کا مقصد بچوں کو بچپن سے ہی شجاع جواں مرد اور با اخلاق بنانا قرار دیتا ہے۔

۱۱۔ مدارس میں تعلیم:۔ افلاطون سات سال کی عمر کے بچے کیلئے مدارس میں باقاعدہ تعلیم کے آغاز پہ زور دیتا ہے۔ اُس کے نزدیک یہ تعلیم اٹھارہ سال تک جاری رہنی چاہیئے۔ ان مدارس میں بچوں کے لئے دو قسم کی تعلیم نہایت ضروری سمجھتا ہے۔

۱۔ جسمانی ورزش ۲:۔ موسیقی

افلاطون جسمانی ورزش اس لئے ضروری سمجھتا ہے کہ اس عمر میں بچے کی جسمانی نشوونما بھی ہونی چاہیئے۔ تاکہ اس کے قویٰ (اعضاء) مضبوط ہوں وہ کہتا ہے کہ اگر صحت مند جسم ہوگا تو خود بخود دماغ بھی طاقتور ہوگا۔

افلاطون موسیقی کا تعلق براہ راست جذبات و احساسات سے تعبیر کرتا ہے اور موسیقی کو "روح کی غذا" قرار دیتا ہے۔ کیونکہ کوئی بھی عظیم کارنامہ بغیر پختہ و زندہ جذبات کے پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتے۔ اس دور کی تعلیم میں افلاطون طبعی سائنس و پیشہ ورانہ شعبوں کے انتخاب میں بچوں کے فطری رجحانات اور نفسیاتی تقاضوں کی تکمیل پر زور دیتا ہے اس دور میں طلباء کو فنون لطیفہ، مجسمہ سازی اور ادب کے فنون سے بھی روشناس کرایا جائے۔ تاکہ طلباء میں اعلیٰ ظرف پیدا ہو سکے۔

۱۳۔ عسکری تربیت:۔ افلاطون اٹھارہ سال کی عمر میں طلباء کے لئے ایک امتحان تجویز کرتا ہے تاکہ ہر طالب علم کے ظرف، صلاحیت اور ذہنی استعداد کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکیں۔ جو بچے اس امتحان میں پورے اُتریں انہیں اعلیٰ تعلیم سے روشناس کرایا جائے۔ ساتھ ہی انہیں دو سال کے لئے یعنی بیس سال کی عمر تک لازمی فوجی تعلیم دی جائے۔ تاکہ وہ اپنا اور اپنے ملک کا دفاع کر سکیں اور حکومت و معاشرے کو نظم و ضبط برقرار رکھنے میں مدد دیں۔ جو طلباء امتحان میں کامیاب نہ ہو سکیں انہیں مختلف پیشوں، فنی پیشے، کاشت کاری، تجارت وغیرہ سے وابستہ کر دیا جائے۔ جو دو سال کی فوجی تربیت حاصل کرلیں۔ بیس سال کی عمر میں ان کا ایک بار پھر امتحان لیا جائے جو اس امتحان میں کامیاب ہو جائیں۔ انہیں فوج سے منسلک کر دیا جائے اور جو جسمانی اعتبار

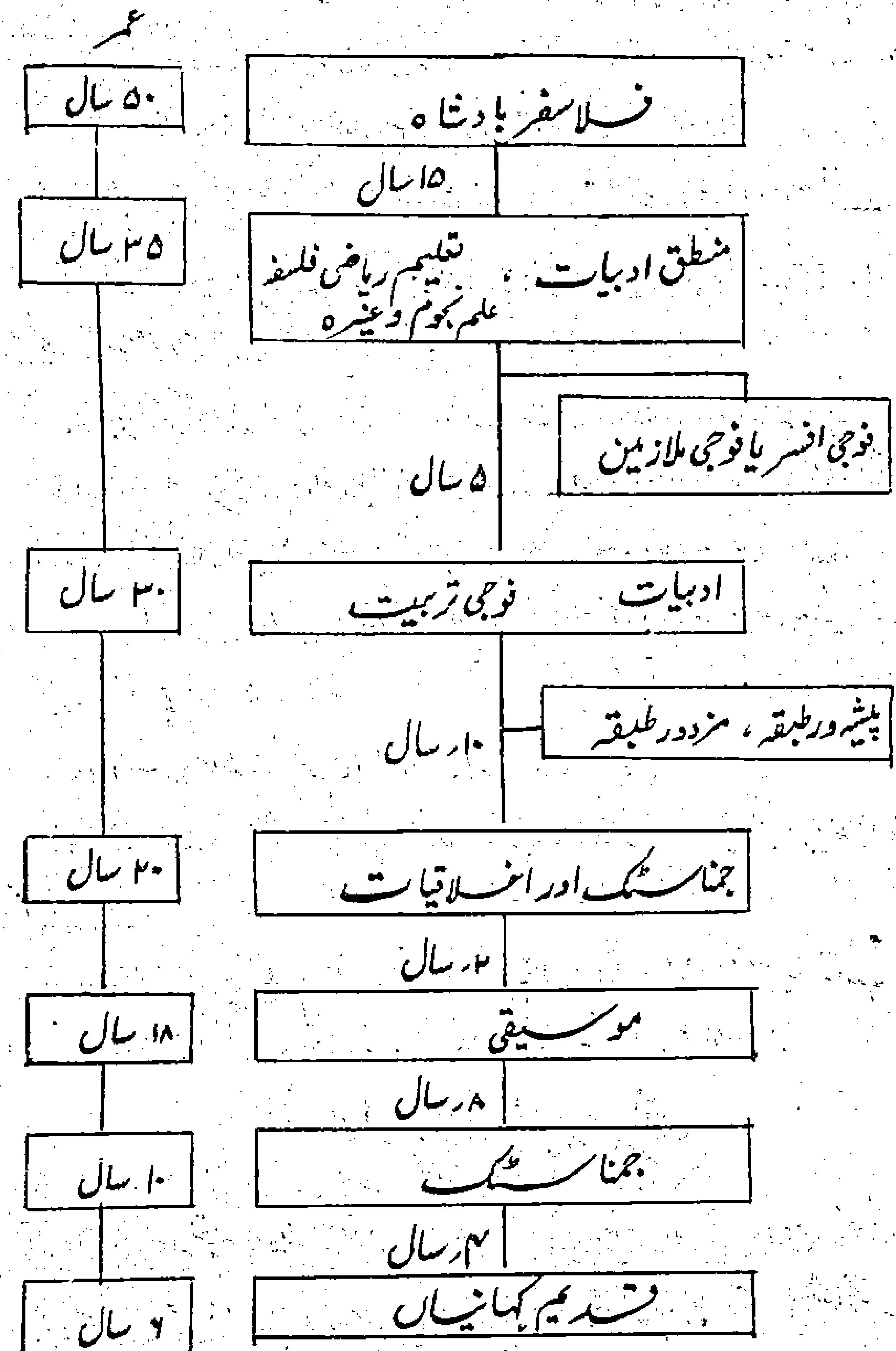
اس امتحان میں پورے نہ اُتریں۔ انہیں اعلیٰ تعلیم دی جائے جو کم از کم دس سال اور زیادہ سے زیادہ ۱۵ سال کے لئے ہو۔

**۴:۔ انتظامی امور کی اعلیٰ تعلیم :۔** افلاطون بیس سال سے لیکر تیس سال یا پنیتیس سال کی عمر تک کی تعلیم کو اعلیٰ انتظامی امور کی تعلیم بیان کرتا ہے اس عمر میں سراسر اخلاقی تعلیم سے بہرہ ور کیا جائے۔ تاکہ فرد اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح نباہ سکے اور عملی زندگی میں نمایاں کردار ادا کر سکے۔ تاہم اس کے ساتھ ہی فلسفہ، سائنس علم اعداد، علم النجوم اور موسیقی کی تعلیم دی جائے گی۔ جب طالب علم اس معیار پر پورے اُتر جائیں تو ان میں سے ذہین طالب علموں کو اعلیٰ فلسفہ کی تعلیم کے مواقع فراہم کیے جائیں، یہ تعلیم فلسفہ ۵ سال کے لئے ہوگی۔ اول الذکر طالب علموں کو ریاست کے نظم و نسق میں شامل کر لیا جائے اور مختلف عہدے دے دیئے جائیں۔

**۵:۔ عنان حکومت کی عملی تربیت :۔** افلاطون کے نزدیک یہ دور پنتیس سال سے پچاس سال تک کی عمر کا زمانہ شمار کیا جاتا ہے اس دوران اعلیٰ تعلیم سے فارغ التحصیل طلبہ کو فلسفے کی اعلیٰ تعلیم دی جائے تاکہ وہ کائنات کے اسرار و رموز سے واقف ہو سکیں اور معاشرہ کے تمام افراد کے ذہن کی الجھنوں کو سلجھا سکیں۔ یہی فلسفی حضرات ہی عنان حکومت بہتر طور پر سنبھال سکیں اس طبقہ کے لوگوں کا ایک کڑا امتحان مقرر تھا جو اس امتحان میں کامیاب ہو جاتے انہیں حکمرانوں یعنی (گورنروں، وزیروں) وغیرہ کے عہدوں تک متمکن کر دیا جاتا۔ ان عہدوں پر فائز ہونے کے بعد اس طبقہ کے افراد "مدبرین ملک" قرار دیئے جاتے اور ان ہی میں سے ایک شخص مقتدر اعلیٰ بھی چن لیا جاتا۔ ذیل میں افلاطون کے نظام تعلیم کی پوری عکاسی نقشے کے ذریعے پیش کی جاتی ہے، جس سے اس کے نظریہ تعلیم کا پورا ڈھانچہ سامنے آجاتا ہے۔

نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

یہ نقشہ مفکرین ازمنہ Sages of the ages کے مؤلفین نے اپنی حالیہ تالیف میں پیش کیا ہے ۔



## افلاطونی تعلیم کی خصوصیات

افلاطونی نظریہ تعلیم اور مدارج تعلیم کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد یہ ضروری ہے کہ اُس کی تعلیمی خصوصیات کو بیان کیا جائے۔

۱:- افلاطون اپنے تعلیمی منصوبہ میں ریاست کے تحت ہر فرد کیلئے لازمی تعلیم کا نظام تجویز کرتا ہے۔

۲:- ریاست کے افراد کے کردار کو یکساں انصاف کے نئے سانچے میں ڈھالتا ہے۔

۳:- افلاطونی تعلیم بے لوث خدمت اور بے غرض جذبہ کا بیج بوتی ہے جو کہ ریاست کی یکجہتی کی ضامن ہے۔

۴:- ہر فرد کو آزادی اور قدرتی استعداد کے مطابق زندگی گزارنے کا درس دیتی ہے۔

۵:- یہ تعلیم ہر فرد کی ذہنی اور جسمانی نشو و نما کے پروان چڑھانے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے

۶:- سائنسی اور نفسیاتی تقاضوں کی تکمیل میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

۷:- مرد اور عورت کی تعلیم میں کوئی تفریق نظر نہیں آتی بلکہ عورت کے لئے تعلیم کو ضروری گردانا جاتا ہے۔

۸:- افلاطون کا طریقہ تعلیم مثالی اور فلسفیانہ منصوبہ ہے۔

۹:- افلاطون کا طریقہ تعلیم فلسفی عالموں اور فوجیوں کے مزدور طبقہ کو بھی تعلیمی سہولتیں فراہم کرتا ہے۔

۱۰:- افلاطونی طریقہ تعلیم انسانی روح کی تمام خواہشات کی تکمیل کا سامان مہیا کرتا ہے۔

## افلاطونی تعلیم پر تنقیدی جائزہ

افلاطون کے فلسفہ تعلیم اور طریقہ تعلیم پر بہت سے ماہرین تعلیم اور دیگر ناقدین نے کافی اختلافی بحث کی ہے۔ سب سے پہلے "سیبائن" اپنی مشہور تصنیف ہسٹری آف پولیٹیکل تھیوری) میں یوں رقمطراز ہے "کہ افلاطون کی تصنیف "الجمہوریہ" میں جو سب سے اہم بات ہمیں

ملتی ہے وہ اس کا نظریہ تعلیم ہے اور اعلیٰ تعلیم کا نظریہ بالخصوص بالکل انوکھا اور اچھوتا ہے" حکومت تو فلسفیوں کے لئے مخصوص کر دی ہے۔ مگر دوسرے طبقہ کے لوگوں کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ اور خصوصاً آخری طبقہ (مزدور پیشہ) کے لوگوں کو خاصی حد تک تعلیم سے محروم کر دیتا ہے۔ افلاطون حکمران اور فلسفی طبقہ کے مقابلے نچلا طبقہ جو کہ اکثریت میں ہے نفرت کے جذبات رکھتا ہے۔

افلاطون کے سارے تعلیمی نظام کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ افلاطون نے انسان پر مختلف اوقات میں مختلف پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ خصوصاً عمروں کی حد بندیاں افرادِ معاشرہ کیلئے مایوس کن ہے اور ان کی آزادی کو سلب کرنے کے مترادف ہے

افلاطون نے اپنے مجوزہ تعلیمی سکیم میں مالیات، قانون اور فوجی حربوں کی تربیت کی کہیں پہ کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ صرف فلسفہ، علم النجوم، ریاضی وغیرہ پر زور دیا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ مستقبل میں عنان حکومت سنبھالنے والے صرف علم کے بل بوتے پر اچھے منتظم اور سیاس بن جائیں۔ حالانکہ تاریخ کے مطالعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں ایسے حکمران ہو گزرے ہیں۔ جو نہ تو خود تعلیم یافتہ تھے اور نہ ہی کسی اچھے اور اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

افلاطون کی اس شرط کو کہ بادشاہ کا فلسفہ دان ہونا نہایت ضروری ہے اسے مستقل قانون بننے سے باز رکھا ہے۔ افلاطون کا یہ نظریہ ہے کہ ہر فرد قابل اصلاح ہے اور اس کی اصلاح التفات کلی سے کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ فرد ترقی کی منازل طے نہ کرے لیکن یہ لازم نہیں کہ ہر فرد ہی تعلیم حاصل کرے بلکہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ شروع میں طلبا ریاض سے بھاگ جاتے ہیں۔

افلاطون عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے لیکن اس نے یہ نہ سوچا کہ عورت کا حسن اور اس کی نسوانیت اور مادری جذبات دھنس کے رہ جائیں گے اور اس کے بچے بھی پرورش سے محروم ہو جائیں گے۔

افلاطونی طریقۂ تعلیم ادب کے اثرات کو کم کر دیتا ہے جبکہ انسانی ذہن کے لئے ریاضی کی اہمیت پہ زور دیتا ہے۔ جس سے اس نے ادب کے ساتھ ناانصافی کی ہے اس کے علاوہ آرٹ اور شاعری کے فن پاروں پر حکومت کی طرف سے پابندی عائد کرنا بھی قابل اعتراض ہے۔ جس سے آرٹ اور ادبی ترقی مشکل ہو جاتی ہے۔

افلاطون کا اعلیٰ تعلیم کا حصول ۳۵ سال کی عمر تک رہنا بہت گراں ہے اور اس عمر تک پہنچتے پہنچتے جذبہ شوق کی شدت بھی کم ہو جاتی ہے۔

ماہرین تعلیم "بھنڈاری" اور "سیٹھی" کے مطابق افلاطون کے نظریۂ تعلیم میں نظریۂ عمل اور نظریۂ استغراق میں تضاد ہے کہ کبھی منزل مقصود تصور چھاتی ہے اور کبھی معاشرتی خدمت ایک جگہ تعلیم کا مقصد کامل خود شناسی کہتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف معاشرتی تصرف کا منشاء کارفرما نظر آتا ہے۔

افلاطون کا نظریہ تعلیم موسیقی پر بہت زیادہ زور دیتا ہے۔ جبکہ مذہب کے بارے بالکل ناآشنا نظر آتا ہے۔ موسیقی کی غیر معمولی تعلیم اور جذبہ پر مکمل کنٹرول پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ مگر بیک وقت ان دو چیزوں کی موجودگی صرف تضاد ہی نظر آتی ہے۔

المختصر افلاطون کے تعلیمی نظام کی جامعیت سے بھی ہرگز انکار نہیں ہے کیونکہ موجودہ اعلیٰ عہدوں کے لئے نظام امتحان افلاطون کے مجوزہ نظام تعلیم کی ہی غمازی کرتا ہے۔ نیز آج عورت بھی مرد کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہے۔ اور یہ بھی افلاطونی نظریہ تعلیم کی عکاسی ہے۔

افلاطون کی شاہکار زمانہ تصنیف مندرجہ بالا خامیوں کے باوجود ہر زمانہ میں مستقل طور پہ انسانوں کی رہنمائی کا باعث رہی ہے۔ ایمرسن کا یہ قول پوری دنیا میں کون نظر انداز کر سکتا ہے۔ جب وہ کہتا ہے کہ "پوری دنیا کے کتب خانوں کو جلا دو کیونکہ ان کے اندر جتنی کام کی باتیں ہیں۔ وہ سب کی سب ایک ہی کتاب "الجمہوریہ" میں موجود ہیں۔

پانچواں باب

# ارسطو

Aristotle

سنہ ۳۸۴ ق م — سنہ ۳۲۲ ق م

**سوانح حیات:۔** ارسطو شمالی یونان کی ریاست مقدونیہ کے ساحلی قصبے سٹیگرا Stagira میں ۳۸۴ قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ اس کے والد کا نام نیکوماس تھا، جو سکندر اعظم کے باپ فلپ کا فزیشن تھا۔ ارسطو کا والد شاہی طبیب ہونے کی وجہ سے معاشرے کے اعلیٰ طبقے میں شمار کیا جاتا تھا۔ ارسطو کا بچپن شاہی دربار میں گذرا۔ اس کے والد نے اسے تعلیم کی خاطر عالم فاضل اساتذہ کے سپرد کیا۔ مروجہ علوم کے علاوہ ارسطو نے علم جراحی کی طرف خصوصی توجہ دی۔ سترہ سال کی عمر میں اس کے والد نے افلاطون کی مشہور اکیڈیمی میں داخل کرا دیا۔ ارسطو ۲۰ سال تک متواتر اپنے استاد افلاطون کے ہاں پڑھتا اور پڑھاتا رہا۔ ارسطو اور افلاطون آپس میں اس حد تک قریب ہو گئے کہ افلاطون اپنے تمام شاگردوں پر ارسطو کو ترجیح دیتا تھا۔ اور اس سے بے حد پیار کرتا تھا۔ افلاطون اکثر یہ کہا کرتا تھا کہ میری درس گاہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔ اس کا ایک حصہ (جسم) سب طلبا کے حصے میں آیا ہے اور دوسرا حصہ (دماغ) صرف ارسطو کے حصے میں آیا ہے۔

افلاطون کی موت کے وقت ارسطو کی عمر تقریباً ۳۷ سال تھی۔ ارسطو کا تعلق افلاطون کے خاندان سے نہ تھا۔ اسی لئے اسے افلاطون کی جانشینی سے محروم ہونا پڑا اس صورت حال سے دل برداشتہ ہو کر وہ ایتھنز سے واپس مقدونیہ چلا گیا۔ ۳۴۳ قبل مسیح میں سکندر اعظم کے باپ نے اسے سکندر اعظم کا اتالیق مقرر کیا۔ اس وقت

سکندر اعظم کی عمر بارہ سال تھی۔ چند سالوں بعد سکندر کے باپ نے ایتھنز فتح کر لیا ارسطو نے ایتھنز میں ۳۳۵ قبل مسیح میں اپنے ایک سکول Lyceam کی بنیاد رکھی اس سکول کی فضا سائنٹیفک بھی تھی اور اس میں فلاسفی کا بھی اثر پایا جاتا تھا۔ لعد میں یہی سکول Hellenics کا مرکز بنا۔ یہاں پر ارسطو نے تقریباً ۱۲ سال تک مختلف موضوعات پر لیکچر دیئے۔ اور لاتعداد سیاسیات کے موضوع پر کتب تصنیف کیں۔

**تصانیف:۔** ارسطو نے اپنی باسٹھ سالہ زندگی میں یونانی شہری ریاستوں کے کئی عروج و زوال دیکھے۔ ارسطو نے ہمیشہ قوت مشاہدہ کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اور ہمیشہ اس نے حقائق سے پردہ اٹھایا۔ اس وجہ سے ارسطو تمام علوم کا باپ قرار دیا جاتا ہے۔ ارسطو نے بے شمار تصانیف مرتب کیں۔ لیکن بدقسمتی سے وہ استداد زمانہ اور رومنوں کے حملوں سے ضائع ہو گیئں۔ صرف چند ایک ان کی دستبرد سے بچ سکیں اور وہ بھی نامکمل حالت میں ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ منطق و خطابت ۲۔ علوم طبیعی ۳۔ جمالیات

۴۔ اخلاقیات ۵۔ سیاسیات ۶۔ آئین

ارسطو کے تعلیمی افکار تفصیلاً اس کی دو مشہور زمانہ کتب اخلاقیات اور سیاسیات میں ملتے ہیں۔ جن کی بدولت اس کی شہرت مسلم اور غیر فانی ہے۔

ا۔ ڈاکٹر ذیلرانؔ کتب کی تعریف میں یوں رقم طراز ہے کہ "یہ وہ بیش قیمت خزانہ ہیں جو زمانہ قدیم سے ہم تک پہنچے ہیں۔ اور سیاسی فلسفہ میں عظیم ترین اضافہ ہیں"

۲۔ پروفیسر باؤل کے نزدیک

"ارسطو کی تصنیف "سیاسیات" سب سے زیادہ با اثر اور گہری علمی کتب ہے۔ جو دیگر تمام کتب سے پہلے ذہن نشین کرنی چاہیئے"

ارسطو نے تقریباً علم کی ہر شاخ میں اپنی ذہانت وفطانت کے جوہر دکھائے ہیں۔ کسی بھی مضمون کو لے لیجئے۔ اس کا نقطۂ آغاز ارسطو ہی سے ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی بیشتر تحقیقات آج کل کی جدید تحقیقات کے مطابق نہیں ہے لیکن اس نے علم کی جو بنیادیں رکھی تھیں انہی پر آج کے سائنس دانوں نے ترقی کی فلک شگاف عمارتیں کھڑی کی ہیں۔

المختصر ہم ارسطو کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ نوآموزی کا زمانہ ——— جو ارسطو نے ایتھنز میں ۲۶ سال تک گذارا۔

۲۔ مسافری کا زمانہ ——— جب ارسطو ایک مسافر کی طرح جا بجا پھرتا رہا یہ زمانہ ۱۲ سال تک طویل تھا۔

۳۔ تعلیم و تدریس کا زمانہ ——— جب ارسطو استاد کامل بن چکا تھا اور اپنی اکادمی میں درس دیتا تھا۔ یہ دور ۳۳۵ قبل مسیح سے ۳۲۲ قبل مسیح تک ہے۔

## وفات :-

سکندر اعظم کی موت کے بعد ریاست مقدونیہ میں حکومت مقدونیہ کے خلاف جنگ چھڑ گئی۔ ارسطو کو سکندر اعظم کا ہمنوا سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے ارسطو اپنی جان بچانے کے لئے Chalcis بھاگ گیا۔ اس عظیم نامور مفکر کا ۶۲ سال کی عمر میں ۳۲۲ قبل مسیح میں انتقال ہوا۔

## ارسطو کا فلسفہ حیات

ارسطو کے فلسفہ حیات کو مفکرین تعلیم اور ماہرین سیاسیات ارسطو کے "نظریہ ریاست" کے نام سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

ارسطو کی شہرۂ آفاق تصنیف "سیاسیات" میں اس کے فلسفہ حیات کی بنیاد "مثالی مملکت" کے تصور پر رکھی گئی ہے۔ جسے ہم نظریہ ریاست یا مثالی مملکت بھی کہہ سکتے ہیں۔

اس کا یہ مشہور قول ہے۔ A man is a Social Animal

کہ انسان فطری طور پر معاشرتی (ریاستی) حیوان ہے۔ ارسطو کے نزدیک ریاست افراد کے فطری اجتماع اور اس اجتماع کے بتدریج ارتقا کا

نام ہے۔ وہ انسانی زندگی کی ابتداء فردِ واحد کے ایک خاندان سے کرتا ہے کیونکہ فطری طور پر انسان تنہا نہیں رہ سکتا۔

اسے معاشرے اور ریاست کی ہر قدم پر ضرورت ہے۔ ارسطو ریاست کو ایک قدرتی ادارہ تسلیم کرتا ہے۔ کیونکہ انسان فطرت کے ہاتھوں مجبور ہے۔ اس کی اپنی اقتصادی ضروریات اور اس کے نسلی مفادات اس بات میں وابستہ ہیں۔ اور ان خواہشات کی تکمیل میں مرد اور عورت، آقا و غلام وغیرہ سبھی لوگوں کو ایک دوسرے کے نہایت قریب آنا پڑتا ہے۔ اور اس قربت کے تعلقات کو مستقل طور پر استوار رکھنے کے لئے انسان کو لازماً تعلیم کی ضرورت ہے جس سے وہ آپس کے ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کو پہچان سکیں۔

ان حقائق کو پیش کر کے ارسطو نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ریاست ایک فطری تخلیق ہے۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ بغیر خاندان یا بغیر ریاست کے زندگی گذار سکتا ہے تو اس کی دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

۱۔ یہ کہ وہ مافوق الفطرت عناصر سے براہِ راست متعلق ہے۔

۲۔ یہ کہ وہ فرد انسانیت کی سطح سے یا تو بہت بلند ہے یا بہت پست ہے۔ یا وہ بالکل (۱)، بے قوم (۲)، بے قانون (۳)، بے گھر ہے۔

اور یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ اس دنیا میں اس کا کوئی اور ہم جنس موجود نہ ہو۔

ارسطو یہ بھی کہتا ہے کہ صرف افراد کا آپس میں مل کر بیٹھنا ہی کافی نہیں بلکہ معاشرہ کو کامیاب ترین بنانا۔ پر امن رہنا۔ ترقی کی منازل طے کرنا۔ اور خوشحالی کا ہونا لازمی ہے اور یہ صرف اور صرف اچھی اور معیاری تعلیم سے ہی ممکن ہے

ارسطو اپنے فلسفہ حیات میں زیادہ تر ان تین عنوانات پر تفصیل سے گفتگو کرتا ہے۔

۱۔ ذاتِ خداوندی ۲۔ انسان ۳۔ ریاست

وہ اپنے فلسفہ حیات کو مزید دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

۱۔ علوم ذات خداوندی ۲۔ علوم کائنات

علوم ذات خداوندی میں وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی و صفاتی امور پر دلائل سے بحث کرتا ہے جب کہ علوم کائنات میں وہ کائنات کے بارے میں جدید تحقیق کی روشنی میں بحث کرتا ہے۔

ارسطو۔ انسان کو صفات کے لحاظ سے ریاست کے صفات سے مشابہ قرار دیتا ہے اور فرد کی آزادی کے تحفظ کا زیادہ قائل ہے۔ ارسطو ریاست میں بسنے والے افراد کو مختلف طبقوں میں تقسیم کرتا ہے۔ لیکن یہ طبقات افلاطون کی طبقاتی تقسیم سے مختلف نظر آتے ہیں۔ اس کے نزدیک افراد معاشرہ مختلف صفات کے مالک ہوتے ہیں۔ بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے روشن دماغ۔ عالی خیال اور صحیح الفکر ہوتے ہیں۔ بعض اپنے فنون کے نشہ میں مگن رہتے ہیں۔ بعض کو اپنی جسمانی توانائی پر بڑا ناز ہوتا ہے۔ بعض عقل سے بھی عاری ہوتے ہیں۔ لیکن جسم سے بھاری ہوتے ہیں یعنی مشقت برداشت کرنے والے افراد ہوتے ہیں۔ اور ان کی اس وجہ سے انہیں غلام بنایا جا سکتا ہے۔ ارسطو پہلا مفکر ہے جس نے سیاسی نکتہ نظر سے اور معاشی طرز فکر کی بنیاد پر افراد کو غلام بنانے کی وجہ کا جواز تلاش کر لیا ہے اور غلامی کو جائز قرار دیا ہے۔

المختصر۔ ارسطو پہلا مفکر ہے جس نے ریاست کے انتظام کو چلانے، معاشرتی توازن کو برقرار رکھنے کے لئے اقتصادی اعتدال کا نظریہ پیش کیا۔ اور اس کے لئے تعلیم اور ریاستی اختیارات کی تقسیم پر زور دیا۔ جس سے پوری انسانی سوسائٹی خوش و خرم کی زندگی بسر کر سکے گی۔ ارسطو کے خیال میں فرد اور معاشرہ کا تعلق باہمی مفادات پر تو مبنی ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی فرد کے لئے ایک بنیادی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ فرد کی معاشرہ کے بغیر شناخت ممکن ہی نہیں۔ ارسطو اچھے کردار اور اعلیٰ اخلاق کو معاشرہ کے بنیادی اوصاف قرار دیتا ہے تاکہ آئندہ نسلوں کی تربیت آسانی سے ہو سکے۔ اور معاشرہ کی وسعت اور ترقی میں اضافہ ہوتا رہے۔

# ارسطو کا فلسفۂ تعلیم

ارسطو کا فلسفۂ تعلیم اور اس کے تعلیمی نظریات اس کی مشہور زمانہ تصانیف "سیاسیات" Politics اور اخلاقیات Eudemain Ethics میں نہایت تفصیل سے نظر آتے ہیں۔ جس میں ارسطو نے انسانی کردار کے مختلف پہلوؤں اور ان کے نفسیاتی اصولوں کو سمجھنے پر نہایت وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔ ارسطو کے نزدیک تعلیم ہی ایک ایسا مؤثر اور کارگر عمل ہے جس سے کسی بھی ریاست کی فلاح و بہبود ہو سکتی ہے۔ اور تعلیمی ترقی و تحقیق کے ذریعے ہی دنیا میں سبقت لی جا سکتی ہے۔ اور کسی ریاست کی عظمت کا راز اس کے وسعت پذیر ہونے میں نہیں بلکہ حقیقت میں ریاست کی تعلیم کے عروج تک پہنچنے پر ہی ہے۔ اور اس طرح پوری دنیا میں وہ ریاست ممتاز ترین ریاست بن سکتی ہے۔ بظاہر ارسطو کے تعلیمی افکار پر افلاطون کے خیالات کی جھلک نظر آتی ہے۔ لیکن جب غور سے دیکھا جائے تو وہ یکسر واضح نظر آتے ہیں۔ ارسطو کا نظریہ تعلیم اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ تعلیم ہی سے دانشورانہ اخلاقی اور جسمانی صلاحیتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اور تعلیم ہی کی وجہ سے شہری اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کر سکتے ہیں۔ اور ان کی بجا آوری کر سکتے ہیں۔

ارسطو تعلیم میں روایت کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔ اور فرد کو ایک ایسی اکائی سمجھتا ہے جو معاشرہ میں شمولیت کے بغیر اپنی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ المختصر اس کے افکار میں افراد کی تربیت اور معاشرہ کی بہتری کے متعلق امور پر زیادہ تفصیلی معلومات ملتی ہیں۔

ارسطو اپنے تعلیمی نظریات کو اپنی ان دو تصانیف "سیاسیات" اور "اخلاقیات" میں بڑی وضاحت سے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ انسان دو چیزوں کا مرکب ہے۔

۱۔ جسم

۲۔ روح

ارسطو روح کو انسانی عقل سے مشابہہ قرار دیتا ہے۔ اور مزید یہ لکھتا ہے کہ انسانی روح (عقل) بھی دو حصوں میں قدرت کی طرف سے تقسیم شدہ ہے

۱۔ عقلِ فعال

۲۔ عقلِ انفعال

ارسطو روح (عقل) کی دونوں اقسام کی نشوونما و تربیت کو لازمی قرار دیتا ہے۔ اور اس کے نزدیک عقل ایک فطری چیز ہے۔ اور انسانی جسم میں عقل کی کمی یا بہتات کا ہونا ایک فطری نوعیت کا فعل ہے۔ اس لئے عقل کا تعین کرنا انسان کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ تاہم جس قدر بھی عقل کی مقدار کسی فرد کے دماغ میں موجود ہو اس کو مذکورہ بالا دو حصوں میں تقسیم کر کے اسی مناسبت سے مناسب تربیت دی جائے۔

ارسطو کے نزدیک اعلیٰ اور بہترین تربیت و تعلیم وہ ہے جس سے روح اور جسم دونوں کو تقویت حاصل ہو۔ چنانچہ ان دونوں کی تربیت کے لئے ورزش، ادب کا مطالعہ اور موسیقی کو جزو لاینفک قرار دیتا ہے۔

ارسطو کے نزدیک انسانی روح (عقلِ فعال و انفعال) کی تربیت کے لئے وہ تمام طریقے اختیار کر لئے جائیں جن سے عقل و دانش، فہم و فراست میں اضافہ ہو اور فرد علم کے ذریعے نیکی و بدی کی پہچان کر سکے اور نہ صرف خود بلکہ معاشرہ کے دوسرے افراد کو بھی سیدھے راستے کی تلاش میں مدد دے سکے۔

ارسطو کے خیال میں تعلیم ہی ایک ایسی مؤثر چیز ہے جس سے کسی ریاست

کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ اور کوئی بھی ریاست اپنا مقام و مرتبہ صرف تعلیمی ترقی اور تحقیق کے ذریعے بلند کرسکتی ہے۔

ارسطو کے نزدیک کسی بھی ریاست کی عظمت کا راز اس کے وسعت پذیر ہونے میں نہیں۔ بلکہ حقیقت میں اس ریاست کی تعلیمی عروج میں ہے۔ لوگوں کے کردار کا انحصار ان کی تعلیم پر ہے۔ ریاست کو تعلیم پر خصوصی دھیان دینا چاہیئے۔ ریاست کا غرض ہے کہ وہ فرد کی اخلاقی ذہنی اور جسمانی نشوونما پر خصوصی توجہ دے۔ اور اس سے افراد اپنے شہری فرائض بخوبی سرانجام دے سکیں گے۔ ارسطو کے مطابق مثالی ریاست کے لئے یکساں، لازمی اور قومی تعلیم کا ہونا چاہیئے۔

ارسطو کے تعلیمی نظریات سے پتہ چلتا ہے کہ انسان مسرت کی تلاش میں سرگرداں ہے اور حصول مسرت کو بہترین زندگی کے نام سے تعبیر کرتا ہے اس کے نزدیک مسرت صرف اور صرف علم و حکمت اور دانش کی تلاش میں مصروف رہنے سے ہی ممکن ہے۔

ارسطو بچے کے تعلیمی عمل کو ایک (بیج) سے مشابہ قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس طرح ایک بیج میں بہت بڑا درخت بننے کی استعداد، اور صلاحیت ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک بچے میں بھی علم حاصل کرنے کی استعداد اور صلاحیت موجود ہوتی ہے۔

اس کے نزدیک تعلیم بچے کی استعداد اور صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے۔ اور اس کی تربیت کرتی ہے۔ تاکہ وہ ایک اچھا، مفید اور لائق شہری کی حیثیت سے پروان چڑھ سکے۔

ارسطو آزاد شہریوں کو تعلیم دینے کے حق میں نظر آتا ہے۔ وہ تعلیم میں مساوات کا قائل نظر نہیں آتا۔ بلکہ وہ غلاموں کے لئے دست کاری زراعت کے پیشے تجویز کرتا ہے۔ اور اس کے نزدیک اعلیٰ تعلیم صرف آزاد شہریوں

کو ہی دی جائے اور یہ تعلیم پیشہ ورانہ تعلیم سے بالکل بے نیاز اور غیر متعلق ہو۔

ارسطو مرد اور عورت کے لئے علیحدہ علیحدہ نظام تعلیم تجویز کرتا ہے۔ وہ مرد اور عورت کی مساوات کے نظریے سے بھی متفق نظر نہیں آتا۔ کیونکہ وہ عورتوں کو ذہنی اور جسمانی قوا کے لحاظ سے مردوں کے مقابلے میں کمزور خیال کرتا ہے۔ اور انہیں مردوں جیسی تعلیم دینے کے لئے نااہل قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک، عورت کا اصل اور صحیح مقام اس کا اپنا گھر ہے۔ جہاں وہ شوہر کی خدمت اور فرماں برداری کرے اور بچوں کی پیدائش اور تربیت کرے۔

ارسطو کے افکار میں انسانی صحت اور معاشرہ سے اس کے تعلق کے بارے میں بھی واضح نکات ملتے ہیں۔ وہ فرد کو ایک ایسی اکائی سمجھتا ہے جو معاشرہ میں شرکت کے بغیر اپنی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ارسطو کے تعلیمی افکار میں افراد کی تربیت اور معاشرہ کی بہتری کے متعلق امور پر زیادہ تفصیلی معلومات ملتی ہیں۔

## تعلیم کا مفہوم اور اس کی اہمیت :۔

ارسطو اپنی تصنیف "سیاسیات" میں تعلیم کی تعریف میں یوں رقمطراز ہے "کہ تعلیم ایک ایسا عمل ہے جو انسان کو دوسروں پر فضیلت عطا کرتا ہے اور دوسرے انسانوں سے برتر اور بہتر بناتا ہے"۔ ارسطو نے علم سے مراد اخلاق جرأت اور عدل وانصاف جیسی عادات لی ہیں۔ اور یہ اوصاف مطالعہ یا اسباق کے یاد کر لینے سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ ان کے حصول کے لئے ایک مسلسل عمل درکار ہوتا ہے۔ اور اسی عمل ہی کے نتیجے میں یہ اوصاف عادات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ارسطو اس بات کی تائید کرتا ہے کہ تعلیم اخلاق کی تمیز کا نام ہے جس کے لئے استدلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ عادات پختہ ہو جائیں۔ ارسطو تعلیم کو معاشرہ کی تاریخی واخلاقی ذمہ داری قرار دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ انسان میں بعض عناصر عقلی اور بعض مہذب ہوتے ہیں اور بعض وحشی قسم کے، تعلیم ہی

ان میں اعتدال، ہم آہنگی، اور مطابقت پیدا کرتی ہے۔

خوشحال زندگی اور مسرت صرف علم کے حصول سے ہی ممکن ہے۔ وہ تعلیم کو زندگی کے اہم ترین فنون میں شمار کرتا ہے۔

ارسطو کا یہ مشہور و معروف مقولہ آج بھی قوی ہے کہ صحت مند ذہن کے لئے صحت مند جسم ضروری ہے۔

Healthy body healthy mind

ارسطو تعلیم کے عمل کو بچے کی پیدائش سے ہی شروع ہونا تصور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بچے کو پیدائش ہی سے صحت مند اور جسمانی نقائص سے پاک ہونا چاہیئے۔ ارسطو اپنے زمانے کے رواج کے مطابق اس بات کا قائل تھا کہ معذور بچوں کو زندہ نہ رہنے دیا جائے۔

چنانچہ بچپن ہی سے ایسی تربیت کی ضرورت ہے کہ جس سے ہم خوشی و غمی کو صحیح طور پر محسوس کر سکیں۔ اور یہ صرف حقیقی تربیت یعنی انسانی روح کی تربیت سے ہی ممکن ہے۔ جسے وہ اعلیٰ تعلیم کے نام سے گردانتا ہے۔ ارسطو تعلیم کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے اسے تاریخی وا خلاقی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔

**مقاصدِ تعلیم:-** ارسطو کے نزدیک درج ذیل تعلیمی مقاصد نہایت اہم تصور کئے جاتے ہیں۔

۱۔ ارسطو انسانی جسم و روح کی صحیح خطوط پر تربیت اور متوازن نشو و نما کو اولین مقصد تعلیم قرار دیتا ہے۔

۲۔ فرد کی بہترین اخلاقی تربیت کرتا ہے تاکہ وہ سوسائٹی کا ایک بہتر ممبر ثابت ہو سکے۔

۳۔ ارسطو سائنسی معلومات کے اضافہ کو بھی تعلیم کا نہایت اہم مقصد سمجھتا ہے۔

۴۔ تعلیم کا مقصد امن و عامہ کے برقرار رکھنے میں ایک فعال کردار ادا

کرنا بھی سمجھتا ہے۔

۵۔ ارسطو کے نزدیک تعلیم کا ایک اور اہم مقصد فرد کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ فرصت کے لمحات کو بہترین طریقے سے گذار سکے۔

۶۔ فرد میں احساس ذمہ داری کو پہچاننے کا مادہ پیدا کرنا۔

۷۔ فرد اور معاشرہ میں ہم آہنگی پیدا کرنا اور دوست و دشمن کی پہچان کرانا۔

۸۔ روحانی اقدار کا تحفظ اور افراد کی روحانی ترقی بھی تعلیم کے اہم مقاصد ہیں۔

۹۔ فرد کی فطری صلاحیتوں کی نشو و نما کرنا اور انہیں اجاگر کرنا۔

۱۰۔ ارسطو تعلیم کا مقصد فرد کو اچھا اور اعتدال پسند شہری بنانا گردانتا ہے۔

**ارسطو کے نزدیک تعلیم کے چند بنیادی اصول:۔** ارسطو تعلیم کے حسب ذیل بنیادی اصول طے کرتا ہے۔

۱۔ سب کے لئے یکساں، لازمی اور قومی تعلیم کا انتظام ہو۔

۲۔ تعلیم لوگوں کے کردار کے انحصار پر مبنی ہو۔

۳۔ رسمی تعلیم کی بجائے استدلالی طریقہ تدریس اپنایا جائے۔

۴۔ علم کے حصول کے لئے منطقی دلائل سے استفادہ کیا جائے۔

۵۔ ریاست کا فرض ہے کہ وہ خصوصی طور پر فرد کی اخلاقی، ذہنی اور جسمانی نشو و نما پر توجہ دے۔

**طریقہ تدریس:۔** ارسطو کا طریقہ تدریس افلاطون کے طریقہ تدریس سے کوئی اتنا مختلف نظر نہیں آتا۔ البتہ ارسطو نے اپنے طریقہ تدریس میں استقرائی طریقہ تدریس کو اپنا کر خاصی شہرت حاصل پائی اور جس کی بنا پر اس کا طریقہ تدریس کامیاب طریقہ تدریس سمجھا جاتا ہے کیونکہ ارسطو نے تعلیم میں روایت کو اتنی اہمیت نہیں دی جتنی کہ افلاطون نے دی

تھی۔ کیونکہ وہ روایت کی بجائے درایت کا رواج ڈالتا ہے۔ منقولات کی بجائے معقولات کو فوقیت دیتا ہے۔ اور تقلید کی بجائے اجتہاد پہ زور دیتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ مشاہدات کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ افلاطون اس بات کو بخوبی سمجھتا ہے کہ ہم مشاہدات کے ذریعہ ہی روایات اور منقولات کو بہتر اور فعال ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ارسطو اس طریقہ تدریس کو مؤثر بنانے پر زور دیتا ہے۔ ارسطو کے اس طریقہ تدریس کے مطابق طلبا کو جو تعلیم دی جائے گی وہ مسلسل مشق اور تجربہ کے باعث عادت یا مہارت کا درجہ حاصل کرے گی۔

ارسطو یہ بھی بتاتا ہے کہ تعلیم کا یہ عمل اس وقت ممکن ہے جب تعلیم رٹنے یا دہرانے کا عمل نہ ہو بلکہ استدلال کا ذریعہ ہو۔

ارسطو تعلیم کے لئے جدوجہد تحقیق وجستجو اور استدلال کو طریقہ تدریس میں لازم قرار دیتا ہے۔

ارسطو کے نزدیک طلبا کے لئے بیک وقت ذہنی وجسمانی ورزش میں مشغول ہونا انتہائی طور پر نقصان دہ ہے۔ ارسطو عقل کو جذبات پر ترجیح دیتا ہے۔ اور اساتذہ کو ہدایت کرتا ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت اس طرح کی جائے کہ وہ جذبات کو عقل پر غالب نہ آنے دیں۔ اور اپنی عقل سے استفادہ کریں۔ اس لئے آج بھی ارسطو کا فلسفہ اور اس کا طریقہ تدریس بعض عالموں کے نزدیک حقیقت فلسفہ اور حقیقی طریقہ تدریس تسلیم کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے مفکر اور فلاسفر ارسطو کو آج بھی "عالموں کا عالم" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

**نصاب تعلیم:۔** ارسطو انسانی زندگی کے مختلف ادوار کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی تصنیف "اخلاقیات" میں کچھ اس طرح نصاب تعلیم کے بارے میں بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بچوں کے

لئے اس قسم کا نصاب ترتیب دیا جائے جس سے ان کی جسمانی ذہنی و روحانی تربیت نشو و نما پا سکے۔ اس کے خیال میں بچوں کے لئے اس قسم کا نصاب مدون کیا جائے۔ جو فطرت اور بالیدگی کے اصولوں کے مطابق ہو۔ وہ شروع ہی سے بچوں کو صحت مند و توانا بنانے کے لئے ورزش کو لازمی قرار دیتا ہے۔ اور ساتھ ہی ان کی ذہنی بالیدگی کے لئے ادب، آرٹ اور موسیقی کو نصاب میں لازم قرار دیتا ہے تاکہ ان کے ذہنوں کو رفعت بخشی جا سکے۔

ارسطو بھی افلاطون کی طرح نصاب کو مختلف تین درجات میں منقسم کرتا ہے۔ جو افلاطون کی طرح طبعی ادوار پر تو مشتمل نہیں لیکن کافی حد تک اس سے ملتا جلتا ہے۔

۱۔ ابتدائی تعلیمی نصاب (بچپن)،
۲۔ ثانوی تعلیمی نصاب (بلوغت)،
۳۔ اعلیٰ تعلیمی نصاب (جوانی)،

۱۔ ابتدائی عمر کے تعلیمی نصاب میں کھیل کود۔ جسمانی ورزش۔ اخلاقی کہانیاں اور گیت موسیقی تجویز کرتا ہے۔

ارسطو کے نزدیک اس عمر میں بچوں کو ذہنی تعلیم بالکل نہیں دینی چاہیئے کیونکہ اس عمر میں بچہ بالکل معصوم اور ناسمجھ ہوتا ہے۔ اور اس کا ذہن ناپختہ ہوتا ہے۔ اور اس میں اتنی عقل و تمیز نہیں ہوتی۔ جس میں بچے کے فطری رجحانات کا پتہ چلایا جا سکے۔ ہاں البتہ درج ذیل تین رجحانات سے ان کی دلچسپیوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ شرم و حیا
۲۔ نقل
۳۔ خواہشات

ایسے تعلیمی نصاب کو ارسطو ’’جمنی کی تعلیم‘‘ کے نام سے بھی منسوب کرتا ہے۔

ثانوی تعلیمی نصاب کو ارسطو سنِ بلوغت کا نصاب قرار دیتا ہے۔ اور اس عمر کے بچوں کے لئے نصاب میں ڈرائینگ۔ ریاضی۔ علم ہندسہ۔ مذہبی گیت۔ اخلاقی تعلیم۔ فن تقریر۔ ادب اور جمناسٹک کو شامل کرتا ہے تاکہ کردار و عمل کے ذریعے بچوں کو اچھے اخلاق کی تربیت دی جا سکے۔ اور جس سے نفسیاتی خواہشات کا سدباب ہوتا رہے۔

اعلیٰ تعلیمی نصاب کو بعد از عہد بلوغت کا اعلیٰ تعلیمی نصاب شمار کرتا ہے۔ اس عمر کے طالب علموں کے لئے اعلیٰ ریاضی۔ جغرافیہ۔ موسیقی۔ اعلیٰ اخلاقی تعلیم۔ فن خطابت۔ فلسفہ۔ منطق۔ فزکس کو شامل نصاب تجویز کرتا ہے۔ اس عمر کے بچوں کے لئے تعلیم کا استقرائی طریقہ تدریس تجویز کرتا ہے تاکہ فرد کی عقل و دانش فہم و فراست میں اضافہ ہو۔ جس سے وہ نیکی و بدی میں تشخیص کر سکیں۔ اور نہ صرف خود بلکہ معاشرہ کے دوسرے افراد کو بھی سیدھے راستے کی تلاش میں مدد دے سکیں۔

ارسطو کے نزدیک

اعلیٰ تعلیم صرف آزاد شہریوں کو دی جائے اور یہ تعلیم پیشہ ورانہ تعلیم سے بالکل بے نیاز اور غیر متعلق ہو۔ آزاد شہریوں کے بچوں کے نصاب سے تمام مکینکل اور روزی کمانے والے پیشے نکال دیئے جائیں۔ کیونکہ وہ ذہن کو پست کر دیتے ہیں۔ عورتوں کے لئے وہ کوئی علیحدہ نصاب تجویز نہیں کرتا۔ بلکہ ابتدائی عمر میں یکساں نصاب کا حامی نظر آتا ہے۔ لیکن سن شعور کو پہنچنے پر وہ گھریلو کام کاج پر زور دیتا ہے۔

ارسطو کے تعلیمی افکار سے یہ بات واضح نظر آتی ہے۔

**تعلیم لنسواں :-** کہ وہ عورتوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کے حق میں نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی تصانیف میں عورت کو اعلیٰ تعلیم سے باز رکھنے کے شواہد نظر

آتے ہیں۔ اس کے خیال میں عورت کو اعلیٰ تعلیم اس لئے نہیں ملنی چاہیئے۔ کیونکہ وہ مرد کے مقابلے میں جسمانی، ذہنی اور عقلی طور پر فطرتاً کمزور اور کمتر ہے۔ اس کے اخلاق کو درست رکھنے کے لئے اور زندگی کی رعنائیوں میں اضافہ کرنے کے لئے اگر درجہ اول (ابتدائی تعلیم، درجہ دوئم (ثانوی تعلیم) یعنی بچپن کے ۱۳ سال اور ۱۳ سال سے ۲۰ سال کی عمر تک تعلیم دلائی جائے تو کوئی ہرج نہیں۔ اس سے زیادہ تعلیم حاصل کرنے کی نہ تو عورت اہل ہے اور نہ ہی وہ سودمند ثابت ہوسکتی ہے۔ اول تو عورت کو تیرہ سال تک تعلیم دلا کر گھریلو استعمال کے لئے رکھ لینا چاہیئے۔ تاکہ اس کا ذہن صرف اخلاقی کہانیوں کی بنیاد پر کوئی دوسری بات سوچ ہی نہ سکے اور جسمانی طور پر بھی وہ درست رہے۔ جہاں وہ شوہر کی خدمت اور فرمانبرداری کرے اور بچوں کی پیدائش اور تربیت کی ذمہ دار ہو۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو جسمانی لحاظ سے صحت مند رکھے۔ اور مرد کے آرام و تسکین کا باعث بنے۔ اگر گھریلو ماحول کو زیادہ خوشگوار اور بارونق بنانا مقصود ہو تو اسے موسیقی کی تعلیم پر زیادہ وقت صرف کرا کے اعلیٰ سے اعلیٰ دھنوں کی تربیت دلا کر روحانی و ذہنی آرام و سکون میں مزید اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

## ارسطو کی قائم کردہ تعلیمی درسگاہ:۔

ارسطو نے بھی اپنے استاد افلاطون کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک تعلیمی درسگاہ کی بنیاد رکھی۔ جسے اس نے **LYCEAM** کا نام دیا۔ ارسطو نے اس تعلیمی درس گاہ کی بنیاد خوبصورت باغ میں رکھی۔ جہاں پہ وہ فطرت کے اصولوں کے مطابق طلباء کو ذہنی و روحانی اور جمالیاتی حس کے مطابق تعلیم دیتا تھا۔

ارسطو کے اس تعلیمی ادارہ میں امیر و غریب کے بچوں کو داخلہ پہ کوئی

پابندی نہ تھی۔ سب کو یکساں طور پر تعلیم دی جاتی تھی۔ ارسطو نے یہاں پر ایک بہت بڑی لائبریری قائم کی۔ جس میں فلسفہ۔ منطق۔ ریاضی۔ فزکس۔ نجوم۔ ادب وغیرہ کی بیش بہا کتب موجود تھیں اور ہر طالب علم کو اس کی پسند کے مطابق کتب جاری کی جاتی تھیں۔ جس سے طلباء کی ذہنی و روحانی اخلاقی پہلوؤں کی نشوونما کی جاتی تھی۔ اس بنا پر یونان میں افلاطون کی اکیڈمی کے بعد دوسری بڑی تعلیمی درس گاہ کے نام سے یاد کیا جاتا۔

## ارسطو کی مجوزہ تعلیمی سکیم

ارسطو کی مجوزہ تعلیمی سکیم سے مراد وہ تعلیمی سکیم ہے جو کہ اس کی مشہور زمانہ تصنیف "اخلاقیات" اور "سیاسیات" میں درج ہے۔ حصول تعلیم کے لئے ارسطو نے جو تعلیمی سکیم کا تصور اور خاکہ پیش کیا ہے وہ ہر زمانے میں قابل عمل اور کامیاب ترین طریقہ کار تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ تعلیم میں ایک ترقی پسندانہ اور مشاہراتی طریقہ کار کو اپنایا گیا ہے۔ اس تعلیمی سکیم کو باقاعدہ بچوں کی طبعی عمروں کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے۔ جو کہ ریاست کے ڈھانچہ میں ایک اہم کیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس سے نہ صرف ریاست کے تمام افراد کو تعلیمی مواقع میسر آتے ہیں بلکہ معاشرہ کے ہر طبقہ کے افراد کو اس کی جسمانی و ذہنی صلاحیتوں کے مطابق تعلیمی تشنگی کی پیاس کو ٹھنڈا کرنے کا پورا پورا موقع ملتا ہے۔ بلکہ ان کی پسند اور ناپسند کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

ارسطو نے تعلیمی سکیم کو تین ادوار میں یعنی درج ذیل تین مدارج میں منقسم کیا ہے۔

پہلا تعلیمی مرحلہ (بچپن سے تیرہ سال تک)

دوسرا تعلیمی مرحلہ (تیرہ سال سے اکیس سال تک)

تیسرا تعلیمی مرحلہ (اکیس سال سے باقی زندگی تک)
اب ہم مندرجہ بالا تینوں تعلیمی درجات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

## پہلا تعلیمی مرحلہ:۔ (بچپن سے تیرہ سال تک)

ارسطو اس عمر کے بچوں کے لئے اپنی تعلیمی سکیم میں یوں رقمطراز ہے کہ اس عمر کے بچوں کو صرف اخلاقی کہانیاں اور روایتی تذکرے جو کہ حقیقت سے متعلق ہوں وہ بتائے جائیں تاکہ بچے اخلاقی لحاظ سے اچھے فرد ثابت ہو سکیں۔ جن کو اپنے اسلاف کے کارہائے نمایاں سے واقفیت حاصل ہو۔ اور ان کی اخلاقی تعلیم دی جائے۔ اس مرحلہ میں بچوں کو خوب خوراک دی جائے۔

تعمیر اور خصوصاً اس عمر کے بچوں کو موسیقی اور گیت مالا سے بھی روشناس کرایا جائے۔ تاکہ ان میں شخصیت کی تعمیر ہو اعلیٰ ذہنی و روحانی اور جمالیاتی پہلوؤں کو تسکین ملے۔ کیونکہ یونانی فلسفہ حیات کے مطابق موسیقی روح کی حقیقی غذا ہے۔ اور اس کا جاننا ہر کس و ناکس کے لئے اتنا ضروری ہے جس قدر نشو و نما کے لئے مادی خوراک۔ موسیقی سے دماغ کی بہت سی الجھنیں دور ہو جاتی ہیں۔ اور اس سے دماغ انسانی پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس دور میں تعلیم گھر پر ہونی چاہیئے۔ بچوں کو ایسی باتوں سے بچایا جائے۔ جن سے وہ اخلاقی بے راہ روی کا شکار نہ ہو جائیں۔ اور خصوصاً بچوں کو اپنی خواہشات کا غلام بننے سے بچایا جائے۔ بچوں کو ورزش کی طرف توجہ دلائی جائے تاکہ ان کا جسم تن و مند اور توانا ہو جس سے وہ اپنی مدافعت کر سکے۔ کھیل کود اور ورزش کے اچھے اچھے اور آسان طریقوں سے انہیں آگاہ کیا جائے۔ اور انہیں اچھے قسم کا کھلاڑی بنایا جائے۔ ارسطو اس عمر کے بچوں

کے لئے نفسیاتی طریقہ تدریس کو اختیار کرنا بتاتا ہے۔ اور نصاب میں ریاضی کہانیاں۔ موسیقی اور ورزش کو لازم قرار دیتا ہے۔

## ۲۔ دوسرا تعلیمی مرحلہ :۔ (تیرہ سال سے اکیس سال تک)

ارسطو اس عمر کے بچوں کو ثانوی درجہ میں شمار کرتا ہے۔ اس کے نزدیک عمر کا یہ حصہ آغاز شباب اور عروج شباب کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں ہر فرد کا ذہن تعمیری خیالات سے بھر پور دل اور جذبات مستقبل سازی کی تمناؤں سے لبریز ہوتے ہیں۔ ارسطو کے نزدیک وہ کہتا ہے کہ عمر کے اس حصہ میں جو تعلیم دی جائے گی یا جو تعلیم بچے حاصل کر پائیں گے وہ زندگی پر گہرے نقوش چھوڑ جائے گی۔ کیونکہ یہی وہ عمر کا قیمتی حصہ ہوتا ہے کہ جس میں ہر انسان پرکھ کر اور جانچ کر تعلیم حاصل کرتا ہے۔ اور اس عمر میں پسند و ناپسند کو بڑا عمل دخل حاصل ہوتا ہے۔ ارسطو کے نزدیک یہ زمانہ ذہنی تربیت کا زمانہ تصور کیا جاتا ہے اور اسی عمر کے حصہ میں ابتدائی اعلیٰ تعلیم کا حصول بھی لازم گردانتا ہے۔ اس عمر کے بچوں کے لئے نصاب میں علم ہندسہ، ریاضی، ادب، اعلیٰ اخلاقی تعلیم، فن تقریر، فن مصوری، علم سیاست اور علم نفسیات اور علم مابعد الطبیعات کو شامل کرتا ہے۔ اور جمناسٹک کی تربیت پر خصوصی توجہ کو ضروری خیال کرتا ہے

ارسطو کے نزدیک انسان میں مکمل اعتماد پیدا کرنے کے لئے مندرجہ بالا علوم کی تعلیم از حد ضروری ہے۔ تاکہ فرد کی متوازن شخصیت کی تعمیر ہو اور وہ سوسائٹی کے لئے ایک بہتر اور کامیاب شہری بن سکے۔

## ۳۔ تیسرا تعلیمی مرحلہ :۔ (اکیس سال سے باقی زندگی تک کا زمانہ)

ارسطو کے نزدیک اس کے بعد زندگی کا وہ زمانہ آتا شروع ہوجاتا ہے

جب انسان جوانی سے بعد از عہد شباب میں ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے اور آخر کار بڑھاپے کی غیر یقینی حدود میں داخل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے نزدیک اس عمر کے حصے کے ابتدائی سال بڑے قیمتی ہوتے ہیں۔ اس عمر کے لوگوں کے لئے ارسطو یہ تجویز کرتا ہے کہ جب نوجوان اس عمر کو پہنچ جائیں۔ تو اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ کون سے افراد اس بات کے خاص اہل ہیں کہ وہ اعلیٰ تعلیمی صلاحیتیں رکھتے ہیں اور مزید آگے اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ اس قسم کے طلباء کے لئے ارسطو صرف فلسفہ، منطق، طبیعات، طب اور دیگر سائنسی علوم کی تحصیل کے لئے تلقین کرتا ہے۔ تاکہ وہ قانون فطرت کا مطالعہ اور مشاہدہ کر کے حقیقت کو دریافت کرنے کے قابل ہو سکیں۔

ارسطو کہتا ہے کہ یہ انسانی زندگی کا وہ زمانہ ہوتا ہے کہ وہ زندگی کی تکالیف اور مسائل سے بخوبی واقف ہو چکا ہوتا ہے۔ اور ان مسائل کو اپنے وسائل سے بخوبی حل کرنا جان چکا ہوتا ہے۔ مزید وہ آگے لکھتا ہے کہ اس عمر کے نوجوانوں میں کسی بھی سطح پر اس طبقے کے طلباء میں سے ایسے افراد کو چنا جا سکتا ہے۔ جو حکمران طبقے سے وابستہ ہو جائیں۔ کیونکہ ارسطو اس طبقے کے اعلیٰ ترین فرد یعنی بلند مرتبہ فلاسفر کو "فلاسفر بادشاہ" بنانا چاہتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک تعلیمی نکتہ نظر سے وہی فرد حکومت کرنے کا حق دار اور لائق ہے۔ جو سب سے زیادہ قابل، محنتی اور فلاسفر ہے۔

ارسطو افلاطون کی مثالی ریاست اور اس کے تعلیمی نظام سے متفق نہیں ہے۔ اس کے نزدیک افلاطون کے تعلیمی نظام میں انسانی حوصلہ افزائی کم ہے اور مایوسی زیادہ ہے۔

ارسطو اپنے تعلیمی افکار اور تعلیمی سکیم کی درجہ بندی کے بارے میں یوں رقمطراز ہے کہ پہلے درجہ سے ناکام ہونے والے طلبہ کو دست کار بنا دیا جائے تاکہ وہ دوسرے درجے میں پہنچ کر دوسرے لوگوں کے لئے مسئلہ نہ

بن جائے۔ اس سے کانٹ چھانٹ کے اصول کی باگ ڈور ڈالتا ہے۔ تاکہ ساتھ ساتھ افراد معاشرہ کی اصلاح اور ضرورت کی تکمیل ہوتی رہے۔ پہلے درجے سے تعلیم سے نااہل قرار دیئے جانے والے طلبہ کو کاشت کار دستکار اور مزدوروں کے طبقہ میں دھکیل دیئے جانا ضروری خیال کرتا ہے۔

اور اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جو لوگ دوسرے درجے کی تعلیمات میں کامیاب ہو کر تیسرے اعلیٰ درجے کی تعلیم کے حصول کی استطاعت نہیں رکھتے تو ان کے لئے حکمرانی طبقے کے تحت ریاستی مناصب پر تعیناتی کیے جانے کی تلقین کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک یہ لوگ کسی حد تک ضرور تعلیم یافتہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور مسائل معاشرہ کو حتمی طور پر سمجھنے اور ان پر فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ارسطو کے تعلیمی نظریات کے اثرات دو ہزار سال تک دنیائے علم پر چھائے رہے۔ اور ارسطو کے ارشادات کو سند کا درجہ حاصل رہا۔

ارسطو کے تعلیمی، تحقیقی اور مشاہداتی مرتبے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ساری دنیا آج بھی اسے "عالموں کے عالم" کے نام سے پکارتی ہے۔ اور ارسطو کا یہ نام ضرب المثل کے طور پر پوری دنیا میں مشہور ہے۔

## ارسطو کے فلسفہ تعلیم پر ایک جائزہ

ارسطو کے فلسفہ تعلیم اور اس کی تعلیمی سکیم پر اور طریقہ تدریس پر کئی ماہرین تعلیم نے مختلف انداز میں مختلف آراء پیش کی ہیں۔ ڈاکٹر سیبائن کے نزدیک "ارسطو ہی وہ پہلا شخص ہے جو علم الاخلاق کا باپ مانا جاتا ہے"۔ (ہسٹری آف پولیٹیکل تھیوری)

۔ ارسطو کے تعلیمی نظریات اس کے دو کتابوں اخلاقیات Ethics اور "سیاسیات" Politics سے ملتے ہیں۔ جن سے یہ بات نمایاں طور پر واضح نظر آتی ہے کہ اس کے نزدیک بچوں کی ابتدائی تعلیم کی ذمہ داری ان کے والدین پر عائد ہوتی چاہیئے کہ وہ اپنے بچوں کی ہر قسم کی ضروریات کا خاص خیال رکھیں۔ ارسطو نے متعدد کتب لکھیں اور اس نے ان کتب میں حقیقت کے فلسفہ کے علاوہ مختلف موضوعات پر بحث کی ہے مثلاً حیاتیات، طبیعات، منطق، مابعدالطبیعات نفسیات سیاسیات، اخلاقیات، ادبیات، فلسفہ اور تعلیم وغیرہ

**خصوصیات :۔** ارسطو کے نزدیک

۱۔ بچہ کو نفسیاتی اصولوں کے مطابق تعلیم دی جائے۔

۲۔ عقل وادراک اور حواس خمسہ کو حصول علم میں بروئے کار لایا جائے

۳۔ سائنسی علوم کے حصول پر پُرزور سفارش کی ہے۔

۴۔ تعلیمی میدان میں بچہ کو مرکزی حیثیت قرار دیتا ہے۔

۵۔ ارسطو مذہبی تعلیم کے حصول پر زور دیتا اور اس کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتا ہے۔

۶۔ تحقیق اور مشاہدہ کو علم کا مرکز ومحور قرار دیتا ہے کہ اس کے بغیر علم کا حصول ناقص اور ناپید ہے۔

۷۔ ارسطو نے اخلاقی تعلیم کو خاص اہمیت دی ہے۔ اور اس پہ عمل پیرا ہونا ہر فرد کے لئے لازم قرار دیا ہے۔

۸۔ ارسطو نے طریقہ تدریس میں استقرائی طریقہ تدریس کو اپنا کر ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔

**خامیاں :۔** ناقدین کے نزدیک ارسطو کے طریقہ تدریس پر درج ذیل وجوہات کی بنا پر تنقید کی جاتی ہے۔ بعض کے نزدیک

۱۔ ارسطو نے تعلیم کے موضوع پر نامکمل بحث کی ہے اور اس نے تعلیمی موضوع کو ادھورا چھوڑا ہے۔

۲۔ ارسطو نے موسیقی کو غیر ضروری اہمیت قرار دی ہے۔ اور اس طرح تعلیم کے صرف ایک ہی پہلو پر زور دیا ہے۔

۳۔ آزاد اور غلام شہریوں کے لئے علیحدہ علیحدہ نصاب تعلیم تجویز کیا ہے۔

۴۔ ارسطو کو "خدا کا خالق کائنات" نہ ہونے کا نظریہ پر کبھی حکماء نے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

۵۔ تعلیم نسواں کو اعلیٰ تعلیم کے حصول پر پابندی عاید کی ہے۔

۶۔ ادب اور فنون لطیفہ کو بالکل معمولی اہمیت دی ہے۔

۷۔ ارسطو نے قومی، لازمی اور یکساں تعلیم کو صرف شہریوں تک محدود کیا ہے۔ اس نے شہریوں اور غیر شہریوں میں ایک دیوار امتیاز کھڑی کی ہے۔ اور افتراق کی جڑ بوئی ہے۔

۸۔ خالق کائنات اور تخلیق کائنات کے بارے میں غلط قسم کے نظریات پیش کئے ہیں۔ جو حقیقت سے سراسر مختلف ہیں۔

المختصر۔ ارسطو نے اپنے فلسفہ تعلیم کو اس طرح پیش کیا کہ آج بھی بڑے بڑے سکالر اس کے تعلیمی نظریات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی تعلیمی افکار متعین کرتے ہیں۔ اور ارسطو کے تعلیمی افکار سے ہی راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

ارسطو کے تعلیمی نظریات آج بھی اسی طرح مقبول ہیں جس طرح اس کے زندہ ہوتے ہوئے یونان میں مقبول ہوئے تھے۔ تعلیمی خامیوں کے باوجود سائنس، نفسیات اور فلسفہ کے علوم کی بنیاد ارسطو کے نظریات سے اخذ کی جاتی ہیں۔ دور جدید کے تمام فلاسفر اور ماہرین تعلیم اس کے فلسفہ تعلیم کے پیروکار نظر آتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ارسطو کو "عالموں کا عالم" مانا جاتا ہے۔

# افلاطون اور ارسطو کے تعلیمی نظریات کا موازنہ

افلاطون اور ارسطو کے تعلیمی نظریات اور فلسفہ حیات کا موازنہ کرنے سے پہلے ہمیں دونوں فلسفیوں کے نظریات کا بغور جائزہ لینا ہوگا کہ آیا ارسطو کے نزدیک فرد کے لئے تعلیم کا حصول کس قدر ممکن ہے؟ یا افلاطون کے نزدیک فرد کے لئے تعلیم کی کس قدر ضرورت و اہمیت ہے۔

دونوں مفکرین تعلیم کی تصانیف کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو دونوں فلاسفروں کے تعلیمی نظریات، سیاسی نظریات وغیرہ واضح طور پر ایک دوسرے سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ لیکن جہاں تک ارسطو کے نظریات کا تعلق ہے تو ارسطو کے نظریات پر افلاطون کی سوچ و فکر کی چھاپ نظر آتی ہے کیونکہ ارسطو نے ابتدائی تعلیم اپنے استاد افلاطون سے حاصل کی تھی۔ اور اس کی تمام تصانیف کا اس نے مطالعہ کیا تھا جس پر اس کے ذہن و دماغ میں اس کی فلسفیانہ گفتگو کا اثر ارسطو کے نظریات اور فلسفہ حیات سے واضح طور پر جھلکتا نظر آتا ہے۔ کیونکہ افلاطون نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف "الجمہوریہ" میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ "میرے تمام طلباء میں سے ارسطو ہی ایک ایسا واحد ذہین طالب علم ہے جو دوسرے فلسفیوں کے نظریات کے علاوہ اپنے اساتذہ کے نظریات پر بھی کڑی نگاہ رکھتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مسائل معاشرہ کو حتمی طور پر سمجھنے اور مسائل کے حل کے فیصلہ کی صلاحیت رکھتا ہے"۔

اسی بنا پر ارسطو نے اپنے استاد افلاطون کے فلسفہ تعلیم اور اس کے فلسفہ حیات پر تنقید بھی کی اور ساتھ ساتھ اصلاح کی تجاویز بھی پیش کیں۔ مثلاً

افلاطون مظاہرِ فطرت کے مشاہدات پر کسی نظریہ یا اصول کا خالق نظر نہیں آتا بلکہ منقولات پر چلتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور روایات کو ترجیح دیتا

ہے۔ بلکہ حواس خمسہ سے حاصل شدہ علوم کو ناقص قرار دیتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ روایتاً چھٹی حس (الہام، وحی) کو حقیقی علم قرار دیتا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس ارسطو منقولات کی بجائے معقولات کو ترجیح دیتا ہے روایت کی بجائے درایت کو فوقیت دیتا ہے۔ اور تقلید کی بجائے اجتہاد پر زور دیتا ہے۔ یعنی عقل اور فہم و فراست کو مسائل کے حل کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ افلاطون اپنے فلسفہ حیات میں ان نظریات کا حامل نظر آتا ہے کہ فرد کے لئے نیک بننا اور نیکی کا علم حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ معاشرہ میں اخلاقی قدریں پامال نہ ہوں۔ لیکن اس کے برعکس ارسطو کے نزدیک نیک بننا اور نیکی کا علم جاننے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل پیرا ہونا بھی لازمی قرار دیتا ہے۔ اور "عمل" کو فلسفہ حیات کا مصدر قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک ہر وہ عمل نیک عمل ہے جو معاشرہ کے افراد کے لئے سود مند ثابت ہو۔

ارسطو کے نظریہ تعلیم پر اس قدر تنقید نہیں ہوئی جس قدر افلاطون کے نظریہ تعلیم پر ہوئی۔

افلاطون اور ارسطو کے فلسفہ حیات یا تعلیمی نظریات میں جو اقدار مشترک ہیں ان پر وہی تنقید جو افلاطون پر کی گئی ہے۔ دونوں مفکرین پر یکجا طور پر کی جا سکتی ہے۔

لیکن جہاں تک اکیلے ارسطو کے تعلیمی نظریات کا تعلق ہے تو یہ بات کہنے میں ناقدین حق بجانب ہیں کہ ارسطو نے حصول تعلیم کے لئے جو تفریق پیدا کی ہے۔ وہ سراسر ناجائز ہے۔ کیونکہ معاشرہ کی تقریباً نصف آبادی عورتوں پر مشتمل ہوتی ہے اور عورتوں کو اعلیٰ تعلیم کے حصول سے یکسر محروم کر دیا ہے۔ اور یہ تفریق سخت بے انصافی کے مترادف ہے۔ کیونکہ عورت ہونا یا غلام ہونا کسی فرد کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو ایک فطری عمل اور فطری تخلیق ہے۔ جس میں معاشرہ کا کوئی فرد تبدیلی نہیں لا سکتا۔ تاہم ارسطو کے نظریہ تعلیم کو بہت سراہا گیا ہے۔ اور اس کی تعلیمی سکیم کی تعریف کی گئی ہے جس میں اس کی معقولیت پسندی نمایاں نظر آتی ہے

# افلاطون اور ارسطو کے نظریات میں مماثلت:

بعض تعلیمی مفکرین کا خیال ہے کہ افلاطون اور ارسطو دو مختلف مکاتیب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ارسطو افلاطون کے ساتھ مماثلت کی نسبت غیر مماثلت کا زیادہ احساس رکھتا ہے۔ ارسطو نے اپنے استاد کے افکار سے خاطر خواہ اثر قبول کیا۔

"رنا سٹر" کے قول کے مطابق افلاطون کے ساتھ طویل رفاقت ایک ایسا عنصر ہے جس نے ارسطو کے سیاسی اور دیگر افکار کو مخصوص شکل بخشی۔ افلاطون اور ارسطو کے مابین بہت سی مماثلت کی باتیں ملتی ہیں۔

۱۔ دونوں مفکرین تعلیم نے یونان کی معاشرتی زندگی کا بغور مطالعہ کیا۔ اور فکر مندی سے جائزہ لیا۔ یونانی زندگی میں رچ بس جانے والی اخلاقی ابتری کا بغور مشاہدہ کیا۔

۲۔ افلاطون اور ارسطو کا اس بات پر مکمل یقین تھا کہ یونان کی معاشرتی برائیوں کا مکمل علاج اور بہتر طریقہ زندگی گذارنے کے اصول صرف اور صرف مناسب و موزوں حصول تعلیم میں ہی پوشیدہ ہے۔

۳۔ دونوں فلسفیوں کا اس بات پر مکمل یقین تھا کہ خوشحال زندگی بسر کرنے کا راز صرف اعلیٰ تعلیم میں ہے۔ اور وہی معاشرہ بہتر زندگی بسر کر سکتا ہے جو وسیع ذرائع علم رکھتے ہیں۔

۴۔ دونوں کے نزدیک ریاست میں اخلاقیات اور سیاسیات لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۵۔ دونوں فلسفیوں کے افکار وعقائد کردار کے لحاظ سے اخلاقی ہیں

۶۔ شہری ریاستوں کا جائزہ دونوں تعلیمی، اخلاقی نقطہ نظر سے لیتے ہیں۔

۷۔ دونوں مفکرین تعلیم حکمرانوں کو اعلیٰ تعلیم سے بہرہ ور ہونا لازم سمجھتے ہیں۔

۸۔ دونوں مفکرین تعلیم جمہوریت کو ناپسند کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک جمہوری نظام کوئی مثالی نظام نہیں ہے۔

۹۔ دونوں فلسفی اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ محنت و مشقت کا کام مزدوروں اور غلاموں سے کرایا جائے۔

۱۰۔ ارسطو کی مائیہ ناز تصنیف "سیاسیات"، اور افلاطون کی شہرۂ آفاق تصانیف "الجمہوریہ" اور "قوانین" اہل علم کے لئے کامل عملی کتب کا درجہ رکھتی ہیں۔ المختصر۔ ارسطو نے اپنے افکار کی تعمیر افلاطون کے ساتھ بیس سالہ طویل رفاقت میں کی۔ اس کے تمام تعلیمی اور سیاسی نظریات افلاطون کی کتب سے منتخب شدہ ہیں۔ ارسطو نے ان نظریات کو زیادہ واضح اور اپنی پسند کے مطابق اخذ کیا۔

ارسطو نے اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف "سیاسیات" کا لب لباب افلاطون کی کتاب "قوانین" سے مواد اخذ کیا ہے۔ اس لئے دونوں کتابوں کے پڑھنے والوں کو باخبر رہنا چاہیئے۔

افلاطون اور ارسطو کے تعلیمی افکار کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ دونوں مفکرین تعلیم کا دلی منشا ہے کہ معاشرہ میں اچھے اور اعلیٰ اخلاقی تعلیم کو پروان چڑھایا جائے اور اسی بات پر ارسطو اور افلاطون دونوں ڈٹے رہے۔

ارسطو کا نظریہ تعلیم مدارج کے لحاظ سے افلاطون سے کچھ ملتا جلتا ہے لیکن اس کے فلسفہ حیات اور فلسفہ تعلیم میں کافی فرق نظر آتا ہے۔

| افلاطون کا نظریہ تعلیم | ارسطو کا نظریہ تعلیم |
| --- | --- |
| ۱۔ تعلیمی درجات زیادہ کٹھن ہیں۔ | ۱۔ تعلیمی سکیم مختصر آسان اور سہل ہیں۔ |
| ۲۔ طریقہ تدریس مشکل نظر آتا ہے۔ | ۲۔ طریقہ تعلیم تدریس اور آسان اور قابل فہم ہے۔ |
| ۳۔ حصول تعلیم میں معاشرتی طبقہ بندی کی گئی ہے۔ | ۳۔ حصول تعلیم میں کوئی معاشرتی طبقہ بندی نہیں۔ |
| ۴۔ طبقہ بندی کے لحاظ سے نصاب تعلیم متعین کیا گیا ہے۔ | ۴۔ حصول تعلیم کے لئے جسمانی صلاحیتوں اور ذہنی استعداد کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ |
| ۵۔ عورتوں کو حصول علم کی اجازت ہے۔ | ۵۔ عورتوں کو محدود تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہے۔ جو نہ ہونے کے برابر ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول پر پابندی لگائی گئی ہے۔ |
| ۶۔ غلاموں کو تعلیم حاصل کرنے کی مکمل اجازت ہے۔ | ۶۔ غلاموں کو یکسر تعلیم سے محروم رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ |
| ۷۔ غلاموں کو تعلیم کے نزدیک بھٹکنے کی اجازت نہیں۔ | ۷۔ غلاموں میں سے اچھے ازمان کی حوصلہ افزائی کی ہدایت کی گئی ہے۔ |
| ۸۔ فنی تعلیم کا کوئی واضح تصور نہیں۔ | ۸۔ پیشہ ورانہ تعلیم کو باقاعدہ اپنانے پر زور دیا گیا ہے۔ |
| ۹۔ افلاطون کا نظریہ تعلیم تصوراتی نظر آتا ہے۔ | ۹۔ ارسطو کا نظریہ تعلیم عملی نظر آتا ہے۔ |

۱۰۔ افلاطون کا نظریہ تعلیم محض مثالی مملکت میں ایک خیال بن کر سامنے نظر آتا ہے۔

۱۰۔ ارسطو باقاعدہ قابل عمل نظریہ تعلیم پیش کرتا ہے جس کا زیادہ تر تعلق عمل سے ہے نہ کہ محض خیالات و تصورات سے۔

۱۱۔ ابتدائی تعلیم میں بچوں کے لئے جذباتی کہانیوں کے سنانے پر پابندی عائد کی گئی ہے۔

۱۱۔ بچوں کے لئے جذباتی قصے کہانیاں سنانا ضروری سمجھا گیا ہے کیونکہ دکھ اور غم دنیا کی حقیقت ہیں۔

۱۲۔ افلاطون کا نظریہ تعلیم منقولات، روایت اور تقلید پر مبنی ہے۔

۱۲۔ ارسطو کا نظریہ تعلیم معقولات درایت اور اجتہاد پر مبنی ہے۔

مندرجہ بالا حقائق سے روشناس ہونے کے بعد یہ کہنا مبالغہ آرائی نہ ہوگی کہ ارسطو کے تعلیمی افکار وہی تھے جو اس نے ایتھنز میں افلاطون کے ساتھ ۲۰ سالہ دورِ رفاقت میں متعین کئے تھے۔

چھٹا باب

# رومی تعلیم

Roman Education

تاریخ انسانی اس بات کی شاہد ہے کہ سب سے پہلے تہذیب و تمدن کا سورج مصر، بابل، ایران ہند اور چین میں طلوع ہوا۔ اس طرح آہستہ آہستہ اس کی کرنیں چہار دانگ عالم میں پھیل گئیں چھٹی صدی قبل مسیح میں اگر یورپ کی تاریخ کا بغور جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے پورا یورپ تاریکی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ انسانیت نام کی کوئی چیز وہاں موجود نہ تھی بلکہ تہذیب و تمدن کا تصور کرنا ہی محال تھا۔ اہل فارس کی بدولت یورپ میں سب سے پہلے یونان کے اندر علم کی شمع روشن ہوئی لیکن وہ بھی زیادہ دیر نہ جل سکی۔ کیونکہ اس وقت یونان کی دونوں ریاستیں ایتھنز اور سپارٹا ہر وقت ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار رہتی تھیں اس کے نتیجے میں تہذیب و تمدن اور تعلیم و تعلم کے اصل مقاصد پس پشت ڈال دیئے گئے اور اپنی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی منشاء اور خواہشات کے مطابق تہذیب و تمدن اور تعلیم و تعلم کے مقاصد متعین کر لئے گئے۔

جہاں تک یونان کی علمی سرگرمیوں کا تعلق ہے تو علم کی شمع یونانیوں کے ہاتھوں روم تک پہنچی۔ اہل روم کی کاوشوں سے رومی سلطنت کی وسعت مغربی اور مشرقی یورپ تک پھیلی جس سے یورپ کے مغربی ممالک بھی علم کی روشنی سے بہرہ ور اور لطف اندوز ہوئے اس طرح علم کی شمع رفتہ رفتہ مغربی یورپ میں اور پھر یورپین اقوام کے ذریعے امریکہ میں پھیل گئی۔ آفتاب عالم جو کبھی مشرق میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتا تھا اب وہ مغربی ممالک میں اس سے بھی زیادہ شان و شوکت کے ساتھ چمک دمک رہا ہے۔

روما کی عظیم الشان سلطنت کا آغاز اٹلی کے شہر روم سے ہوتا ہے۔ سلطنت روم کی داستانیں دراصل اہل روم کی داستانیں ہیں زمانہ قدیم میں تمام انسان قبائلی زندگی بسر کرتے تھے جو خود مختار، آزاد بہادر، جفاکش، جنگجو اور اپنے تمام معاملات میں خود کفیل ہوتے تھے۔ مندرجہ بالا قبائلی صفات اہل روم میں اتم مقدار میں پائی جاتی تھیں۔ والدین اپنے بچوں کو خود گھر پر تعلیم دیتے تھے بچپن ہی میں مذہبی احکامات کی اطاعت اور نیکی کا جذبہ ان کے دلوں میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے مذہبی دیوتاؤں

کا احترام ملکی قوانین کی پاسداری اور والدین سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ اہل روم اپنے بچوں کی اس طور پر تعلیم و تربیت کرتے تھے تاکہ ان کے بچے بوقت امن اور جنگ اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا سکیں۔ روم کا تعلیمی نظام یونانی طرز کا تھا۔ ابتدائی گھریلو تعلیم کے بعد بچوں کو گرائمر طرز کے سکولوں میں یعنی ثانوی مدارس میں داخل کروا دیا جاتا تھا۔ ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہیں اعلیٰ تعلیم فلسفہ، منطق اور اعلیٰ ریاضی پڑھنے کی خاطر یونان بھیج دیا جاتا تھا۔ جو بچے اعلیٰ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اپنے وطن کو واپس لوٹتے انہیں حکومتی کاروبار میں شامل کر لیا جاتا تھا۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ رومن شہنشاؤں نے اپنی بساط کے مطابق علم کی توسیع اور اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان میں شہنشاہ "جولیئس سیزر" اور "آگسٹ" کے نام قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے غیر ملکی اساتذہ اور ماہرین تعلیم کو سلطنت روم میں آباد ہونے کی خاطر بڑی بڑی مراعات دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ طلباء کو بھی اعلیٰ کارکردگی پر وافر مقدار میں وظائف سے نوازا۔ شہنشاہ کانسٹنٹائن نے عیسائی ہونے کے ناطے سے عیسائی معلّمین کی ہر اعتبار سے حوصلہ افزائی کی۔ جس کے نتیجے میں روم کا سرکاری مذہب بھی عیسائی ٹھہرا۔ اس وقت سے روم میں رفتہ رفتہ مذہب کا تعلیم پر اثر پڑھنا شروع ہو گیا۔ اور آخر کار آٹھویں صدی عیسوی میں تعلیم مکمل طور پر گرجا گھروں کے تصرّف میں آگئی مگر اس کے ساتھ ساتھ روم میں غیر مذہبی قسم کے آزاد فکر کے حامل تعلیمی ادارے بھی موجود رہے۔ ہاں البتہ عیسائی دینی تعلیمی ادارے اس حد تک پھیلے کہ گاؤں گاؤں میں دینی درس گاہیں قائم ہو گئیں۔ جہاں سے مذہبی پادری بننا شروع ہو گئے۔ تاکہ وہ مذہب کی اشاعت کا کام سنبھال سکیں اور حکومت وقت کی منشاء کے مطابق اس کی حمایت میں مذہبی شریعت کی آڑ لے کر فتوے جاری کر سکیں اس کے ساتھ ساتھ روم میں اسی دور میں خانقاہوں کے بننے کا رواج بھی شروع ہو گیا جس سے دنیاوی زندگی سے متنفر لوگوں کی تعداد کو راہبانہ زندگی گزارنے کا تصوّر ملا۔ اور یہ لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں (خانقاہوں) پر بیٹھ کر مختلف قسم کے عجیب و غریب اعتقادات و نظریات کو پروان چڑھانے میں معروف ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ ٹھکانے خانقاہوں کا درجہ اختیار کر گئے۔ جہاں پر پادری لوگ راہبانہ زندگی بسر کرتے اور لوگوں کو اپنے نظریات و خیالات کی تعلیم دیتے۔ جس سے یہ چھوٹی چھوٹی خانقاہیں بھی تعلیمی مدارس کا کام دینے لگیں۔ حتیٰ کہ روم میں مکمل طور پر مذہبی پیشواؤں کی اجارہ داری قائم ہو گئی۔ آج بھی روم کے تعلیمی مدارس کا جائزہ لیا جائے تو مذہبی، دینی تعلیم کے اثرات نمایاں طور پر محسوس کئے جا سکتے ہیں۔

# رومی تعلیم کی خصوصیات

## Characteristics of Roman Education

رومن تعلیم اور اس کی خصوصیات کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو خود بخود ہماری نظریں اہل روم کی رسومات و روایات عقائد و نظریات اور تہذیب و ثقافت کی طرف مائل ہو جاتی ہیں۔ تاریخِ روم اس بات کی شاہد ہے کہ اہلِ روم "علم و عمل" کو برابر کی حیثیت و اہمیت دیتے تھے۔ اور ہر مقام پر فکر و عمل کو ساتھ ساتھ رکھتے تھے اہلِ روم کا اس بات پر مکمل ایمان تھا کہ ایک عالم کو علم کی پہچان کے ساتھ ساتھ اس علم کے مطابق مکمل طور پر عامل بھی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ان کا یہ یقین تھا جب تک وہ کامل عامل نہیں ہو گا اس وقت تک وہ علم کے اعلیٰ درجے کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی وہ اعلیٰ درجے کا عالم بن سکتا ہے۔ لہٰذا اہل روم نے اپنے تعلیمی اداروں کے اندر بچوں کو شروع ہی سے نظم و ضبط پر سختی سے کاربند رہنے کا عادی کر لیا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی بچہ نظم و ضبط کی پابندی کا خاص خیال نہ رکھتا تو وہ انہیں جسمانی سزا دینے سے بھی دریغ نہ کرتے بچوں کو تعلیمی اداروں میں خاص قسم کے مقفعیٰ و مسجعیٰ الفاظ روزمرہ کی گفتگو میں استعمال ہونے والے مہذبانہ جملے زبانی یاد کرائے جاتے تھے اس کے ساتھ ساتھ بچوں کو ابتدا ہی سے خوشخط تحریریں لکھنے میں ماہر بنا دیا جاتا تھا۔ گنتی انگلیوں پر یا پتھر کے ٹکڑوں کی مدد سے گننا سکھائی جاتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ بچوں کو سبق آموز کہانیاں بھی یاد کرائی جاتی تھیں تاکہ بچے عملی طور پر معاشرے کے ہر میدان میں اپنی کامیابیوں کا لوہا منوا سکیں۔ غرضیکہ رومن ایجوکیشن کو حسب ذیل تین خصوصیات کی بنا پر دوسرے تمام تعلیمی افکار میں خاص مقام حاصل ہے

**(i) حافظہ۔ (ii) تنظیم۔**

**(iii) مشق۔ (iv) موسیقی۔ (v) جمناسٹک**

اہل روم نے اپنی تعلیمی فکر میں مندرجہ بالا خصوصیات کو اصولِ تعلیم گردانا اور انہی اصولوں کے مطابق اپنی نوجوان نسل کی تربیت کی جس کے نتیجے میں بچوں نے والدین کی عملی زندگی سے کفایت شعاری بہادری، جستجو، عمل اور نیکی کا درس حاصل کیا۔ جس کے نتیجے میں بچوں کے دلوں میں اپنے والدین سے محبت، ملکی قانون کا احترام پیدا ہو جاتا اور اس کے ساتھ بچوں کے دلوں میں امن و جنگ کے حالات سے گزرنے کا حوصلہ بھی بڑھ جاتا۔ اس کے علاوہ حسب ذیل عنوانات کی روشنی میں رومن تعلیم کی خصوصیات مزید واضح اور اجاگر ہوتی ہیں۔

# ریاست اور تعلیم

State and Education

تاریخ روم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی قبل مسیح میں سب سے پہلے روم میں یونانی طرز کے تعلیمی ادارے قائم ہوئے۔ بعد میں یہ مدارس رسمی سکولوں کی حیثیت اختیار کر گئے ان مدارس میں مختلف قسم کے علوم طلباء کو پڑھائے جاتے تھے۔ یہ مدارس نجی طرز کے تھے اور ان میں مملکت کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر تھا۔ ان تعلیمی اداروں میں عوام کے مختلف طبقوں کے بچوں کے ساتھ ساتھ غلاموں کے بچوں کو بھی مذہبی تعلیم، فوجی اور پیشہ وارانہ قسم کی تعلیم بھی دی جاتی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات واضح رہے کہ اہل روم ابتدائی تعلیم اپنے بچوں کو گھر پر ہی دیا کرتے تھے۔

رومن شہنشاہوں نے اپنی حکومتوں کی بقا کی خاطر اور کاروبار حکومت چلانے کی خاطر افرادی قوت کی تعلیم و تربیت کے لئے مختلف قسم کے تعلیمی پروگرام اور تعلیمی اداروں میں دلچسپی لینا شروع کر دی بلکہ بعض شہنشاہوں نے اپنی حکومت کی جانب سے مختلف طرز کے پبلک سکول قائم کئے جہاں پر مختلف علوم سے بچوں کو روشناس کرایا جاتا تھا۔ رومن شہنشاہوں نے علم کی توسیع و اشاعت کی خاطر اپنی اپنی دلچسپیوں اور وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تاریخ روم میں شہنشاہ "جولیس سیزر" اور "آگسٹس" کے نام قابل ذکر ہیں جنہیں علم پرور بادشاہوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ رومن شہنشاہوں نے مختلف ادوار میں اعلیٰ التعلیم یافتہ غیر ملکی اساتذہ کو روم میں پڑھانے کے لئے مدعو کیا اور انہیں ہر قسم کی مراعات سے نوازنے کے ساتھ ساتھ مستقل طور پر تعلیمی اداروں میں ملازمت دی۔ اس کے ساتھ ساتھ ذہین و فطین طلباء کو ان کی اعلیٰ تعلیمی کارکردگی کے نتیجے میں وظائف سے بھی نوازا حتیٰ کہ عیسائی معلمین کی بھی حوصلہ افزائی کی اور انہیں ہر گاؤں میں دینی مشنری تعلیمی ادارے قائم کرنے کے لئے فنڈز مہیا کئے۔ مذہبی تعلیمی اداروں کے اساتذہ کو باقاعدہ تنخواہ دی جاتی تھی اور عیسائی پادریوں کو حکومت کی طرف سے باقاعدہ ماہانہ معقول معاوضہ دیا جاتا تھا۔ روم میں مختلف علوم پر مشتمل بڑے بڑے کتب خانے (لائبریریاں) تعمیر کی گئیں جہاں پر طلباء اور عوام کو بغیر چندہ کے مطالعے کی خاطر کتابیں مہیا کی جاتی تھیں شہنشاہ تھیوڈوسس کے دور میں خاص قسم کے مذہبی، تعلیمی، تربیتی ادارے بنائے گئے۔ جہاں پر

مخصوص انداز میں عیسائی معلمین اور پادریوں کی تربیت کی جاتی تھی۔ اسی دور میں تعلیم کے غلط مفہوم کی اشاعت کی وجہ سے نجی اور پبلک سکولوں پر پابندی لگائی گئی اور دوسرے قسم کے آزاد تعلیمی اداروں کو حکومت کی اجازت کے بغیر تعلیم دینے سے روک دیا گیا تاکہ پورے روم میں حکومت کی طرف سے منظور شدہ سلیبس کے مطابق لوگوں کو تعلیم دی جا سکے۔ اس قسم کی تعلیم کا مقصد صرف اور صرف حقیقی اور وفادار شہری بنانا مطلوب تھا۔ سلطنت روم کی شاندار کامیابی اور ترقی میں فوج کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا۔ جس کا راز اہل روم کی خصوصی فوجی تعلیم و تربیت میں پنہاں تھا۔ اس زمانے میں زیادہ تر اعلیٰ طبقے کے نوجوانوں کو فوجی تعلیم دی جاتی تھی۔ جو شہسواری اور جنگی شکار کرنے اور دشمن کو دھوکہ دینے میں طاق ہوتے تھے۔ درمیانے درجے کے لوگوں کے لئے تجارت، دستکاری اور دیگر پیشے مخصوص تھے ریاستی تعلیمی اداروں میں نوجوانوں کی دلچسپیوں کے مطابق مختلف قسم کے ہنر سیکھنے کا کوئی خاص انتظام نہ تھا ہاں البتہ وہ اپنے شوق کی بنا پر مختلف کاریگروں سے مختلف فنون پر عبور حاصل کر لیتے تھے۔

المختصر ریاست روم کا تعلیمی نظام مکمل طور پر حکمران طبقہ کے کنٹرول میں ہوتا تھا اور حکمران ہمیشہ ہی تعلیمی اداروں کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اپنی مرضی کے مطابق تعلیمی پالیسیاں وضع کر کے چلایا کرتے تھے جس کے نتیجے میں ان کی حکومتوں کو دوام ملتا اور وہ اپنی منشا اور مطلوبہ مقاصد کو احسن طور پر حاصل کر لیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل روم نے اپنی تعلیمی کاوشوں کے بل بوتے پر رومن قوم کی پہنچان دنیا کے اندر ایک مہذب قوم کی حیثیت سے کرائی۔

## ابتدائی تعلیم (گھریلو تعلیم)

Elementry Education

تیسری صدی قبل مسیح کے بعد روم میں یونانی طرز کے ابتدائی ثانوی و اعلیٰ ثانوی تعلیمی ادارے بننا شروع ہوئے اور آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تعلیمی ادارے رسمی سکولوں کی حیثیت اختیار کر گئے۔ اہل روم ابتدائی تعلیمی اداروں کو "لوڈس" LODAS کے نام سے پکارتے تھے۔ اہل روم کے نزدیک ابتدائی تعلیم سے مراد بچپن کے زمانہ کی وہ گھریلو اور پرائمری تعلیم ہے جہاں پر بچوں

کو تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک یہ تعلیمی عرصہ بچے کی پیدائش سے لیکر سات سال کے عرصے تک شمار کیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں یہ دستور تھا کہ بچوں کو ابتدائی تعلیم ہمیشہ گھر پر ہی دی جاتی تھی ان کے نزدیک والدین کا تعلیم یافتہ ہونا از حد ضروری تھا کیونکہ بچے اپنے والدین کی آواز اور لب و لہجے کے اتار چڑھاؤ و تلفظ کی ادائیگی کا ڈھنگ اپنے والدین سے ہی سیکھتے ہیں۔ اہل روم اپنے بچوں کو جب کبھی کوئی غلط قسم کے الفاظ دہراتے دیکھتے تو انہیں فوراً موقع پر ہی ٹوک دیتے تھے۔ اور ان کی اصلاح بھی کرتے تھے۔ روم میں یہ رواج تھا کہ ابتدائی گھریلو تعلیم کے بعد بچوں کو تعلیمی اداروں میں ضرور داخل کرایا جاتا تھا۔ جہاں پر ان ابتدائی مدارس میں بچے کو لکھنے پڑھنے کے ساتھ ساتھ بولنے پر بھی مہارت حاصل کرائی جاتی تھی۔ بچوں کو مخصوص قسم کے الفاظ اور جملے یاد کرائے جاتے تھے تاکہ بوقت ضرورت احسن طور پر روزمرہ کی گفتگو میں استعمال کر سکیں۔ ان تعلیمی اداروں میں فقرہ بندی کے ساتھ ساتھ لفظوں کی ادائیگی کے لئے بھی باقاعدہ مشق کروائی جاتی تھی چھوٹے بچوں کو مختلف حروف ملا ملا کر الفاظ بنانا فقرے بنانا سکھائے جاتے تھے۔ اور لکھنے کی مشق کے لئے پہلے سے تحریر شدہ لفظوں کی نقل کروائی جاتی تھی بلکہ کھدے ہوئے نقش شدہ لفظوں پر قلم پھیر پھیر کر لفظ لکھنا سکھایا جاتا تھا۔ ابتدائی تعلیم میں بچوں کو سخت قسم کے مشکل کام نہ کرائے جاتے تھے۔ کیونکہ بچے کہیں گھبرا کر تعلیم سے اکتا نہ جائیں۔ ابتداء میں بچوں کو "ہومر" کی مشہور نظم "اوڈیسی" اور "ورجل" کی نظم "ایلیڈ" پڑھائی و یاد کرائی جاتی تھی تاکہ بچوں کی قوت یادداشت پختہ ہو اس کے علاوہ بچوں کو کہاوتیں اور پند و نصائح بھی رٹائے جاتے تھے۔ انگلیوں کے "پوروں" پر یا پتھروں کی ٹکڑوں کی مدد سے گنتی کرنا سکھایا جاتا تھا۔ شروع سے ہی بچوں کے دلوں میں والدین سے محبت ملکی قوانین کے احترام کا جذبہ پیدا کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ان کے دل و دماغ میں یہ بات کوٹ کوٹ کر بھر دی جاتی تھی کہ وہ اپنے والدین کی عملی زندگی سے کفایت شعاری، شجاعت اور نیکی کا سبق حاصل کریں۔ ابتدائی تعلیم میں بچوں کے لئے نصاب کافی مختصر تھا تاکہ بچے آسانی سے اس کو سمجھ سکیں اور اپنے آپ پر کسی قسم کا ذہنی و جسمانی بوجھ نہ سمجھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بچوں کو موسیقی اور ناچ گانے کی پریکٹس بھی کروائی جاتی تھی تاکہ بچے اچھی آواز اور نازک اداؤں سے لوگوں کو مسحور کر سکیں۔ بچوں کو جمناسٹک کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔

لڑکیاں ابتدائی تعلیم کے زمرے میں گھروں پر ہی اپنی والدہ سے امور خانہ داری سیکھتی تھیں۔

المختصر بچوں کو شروع ہی سے جنگ اور امن کے زمانے میں کامیابی سے زندگی گزارنے کا اہم فن سکھایا جاتا تھا تاکہ زندگی کے کسی موڑ پر کسی قسم کی پریشانی سے دوچار نہ ہونا پڑے اس اعتبار سے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ روم کی ابتدائی تعلیم اپنے زمانے میں خاص اہمیت کی حامل تھی اور یہ صرف اور صرف اہل روم کی تعلیم ہی کا کمال تھا کہ یونانیوں جیسے مہذب لوگوں کو بھی اپنا ہمنوا اور گرویدہ بنا لیا۔

## "گرائمر سکول"

The Grammer School

تیسری صدی قبل مسیح کے بعد روم میں عام گرائمر سکول ایجوکیشن کا رواج بڑھا جبکہ اس سے پہلے روم میں کسی قسم کے گرائمر سکول کا تصوّر موجود نہ تھا۔ ہاں البتہ یونانیوں کے ہاں اس قسم کے کئی تعلیمی ادارے یعنی گرائمر سکول موجود تھے۔ گرائمر سکول کی تعلیم سات سال کے بعد کے عمر کے بچوں کو دی جاتی تھی جہاں پر باقاعدہ طور پر بچے کمرہ جماعت میں مل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ اور اس قسم کی تعلیم دوسرے درجے کی تعلیم کہلواتی تھی۔ جبکہ اس کے برعکس روم کے شرفاء اپنے بچوں کو گھروں پر علیحدہ تعلیم دلوانے کے قائل تھے اور عام پبلک سکولوں میں یا رسمی سکولوں میں اپنے بچوں کو دوسرے طبقہ کے بچوں اور عام غرباء کے بچوں کے ساتھ مل کر پڑھانے میں اپنی ہتک سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان کا یہ خیال تھا کہ دوسرے طبقہ کے بچوں کے ملاپ سے ان کے بچوں کے اخلاق پر برا اثر پڑے گا۔ غرباء کے بچوں کی گندی عادتوں کی وجہ سے انہیں یہ خوف تھا کہ شاید ان کے بچے بھی گندی عادتوں کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس بناء پر وہ اپنے بچوں کے لئے علیحدہ گھروں پر ہی اتالیق رکھ لیا کرتے تھے جو کہ ان کے بچوں کو گھروں پر علیحدہ تعلیم دیتے تھے۔

جیسا کہ آج کل پاکستان کے بڑے بڑے بڑے شہروں میں امراء کے بچوں کے لئے انگلش میڈیم طرز کے سکول بنائے جا رہے ہیں جہاں پر صرف اور صرف امراء طبقہ کے بچے ہی داخلہ لے سکتے ہیں کیونکہ غرباء کے بچے اس قسم کے تعلیمی اداروں کے واجبات ادا کرنے کے اہل نہیں ہوتے۔ لہٰذا وہ ایسی تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ان تعلیمی اداروں میں امراء کے بچوں کو غریبوں پر ظلم و ستم کرنے لوٹ مار

کرتے اور انہیں ذہنی طور پر پریشان کرنے اور دبانے کا درس دیا جاتا ہے اور مختلف قسم کے گر لوگوں کو ورغلانے کے سکھائے جاتے ہیں جبکہ اس کے برعکس روم میں گرائمر ایجوکیشن کا مقصد طلباء میں خود اعتمادی پیدا کرنا تھا اور لوگوں کے ساتھ گھلنا ملنا سکھایا جاتا تھا اور آپس کی نفرتوں کو ختم کرنے کا درس دیا جاتا تھا اور معاشرتی طبقہ بندی کے خلاف ان کے دلوں میں جذبہ حریت پیدا کرنا تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ گرائمر ایجوکیشن میں اخلاقی تربیت اور ذہنی تربیت کو پروان چڑھانے کا خاص خیال رکھا جاتا تھا طلباء کو گرائمر سکولوں میں آسانی کے ساتھ گرائمر کے اصولوں سے واقفیت کرانا اور ان میں لفظوں کی پہچان کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا مقصد خاص تھا تاکہ وہ اپنی تحریر و تقریر میں گرائمر کی غلطیوں سے باز رہیں اور طلباء احسن انداز میں روانی کے ساتھ گفتگو کرنے میں اور ادبی تحریریں لکھنے کے ماہر ہوں۔ روم کے گرائمر سکولوں میں طلباء کو زبان وادب قواعد کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ، موسیقی، کھیل کود، جمناسٹک، علم ہندسہ، علم فلکیات منطق اور فلسفہ کی بھی ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی۔ المختصر اہل روم کے گرائمر سکولوں کا یہ کمال تھا کہ انہوں نے محدود وقت میں محدود افراد کی تربیت کر کے معاشرتی طبقہ بندی کے خلاف ایسا نعرہ لگایا کہ جس سے رومی مصنوعی شرفاء اور امراء اور شہنشاہوں کے محلات لرز اٹھے آخر کار یہ درمیانہ طبقہ انسانیت کے اس مقام کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا جو انسانیت کا فطری حق تھا

## فصاحت و بلاغت کے سکول (تربیت مقررین کے سکول)

The School of Rhetoric

تیسری صدی قبل مسیح کے بعد روم میں فصاحت و بلاغت کے سکول معرض وجود میں آئے یہاں پر طلباء کو فن تقریر کی خصوصی تعلیم دی جاتی تھی۔ اہل روم اپنے بچوں کو گرائمر سکول کی تعلیم سے فراغت کے بعد فن تقریر کی خصوصی تعلیم سے بہرہ ور کرتے تھے شروع شروع میں جہاں پر طلباء کو ان کی پسند کے مطابق مختلف موضوعات پر باقاعدہ تیاری کے ساتھ گفتگو کرنے کے آداب سکھائے جاتے تھے تاکہ طلباء کامیاب مقرر کی حیثیت سے اپنے خیالات کا اظہار جامع اور مرصع جملوں میں کر سکیں۔ ان کے نزدیک کامیاب مقرر کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ فن تقریر سے

واقف ہو اور وہ اپنے دل کی بات لوگوں کے سامنے بیان کرنے کا ڈھنگ جانتا ہو لوگوں کو ہنسانا اور رلانا اور فکر میں ڈالنے کا اسے فن آتا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اس قسم کے تعلیمی اداروں میں طلباء کو مختلف موضوعات کے موقع محل کی مناسبت سے مختلف اشعار بھی یاد کرائے جاتے تھے تاکہ دوران تقریر اشعار کو استعمال کر سکیں جس سے ہر ایک مقرر کو سینکڑوں اشعار یاد کرنے ہوتے تھے۔ تربیت مقررین کے مدارس کے طلباء کے لئے ضروری تھا کہ وہ تمام مضامین پر عبور رکھتا ہو تاکہ ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ دوران گفتگو ان کے پسندیدہ مضامین اور پسندیدہ عنوانات پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔ فصاحت و بلاغت کے سکولوں کی تعلیم کا مقصد اچھا مقرر بنانے کے ساتھ ساتھ مہذب اور با اخلاق بنانا بھی تھا تاکہ وہ معاشرہ میں حسن اخلاق کا درس بھی دے سکے کیونکہ اہل روم کے نزدیک تعلیم کا مقصد روزی کمانا ہی نہیں ہونا چاہیئے بلکہ بچے کو ایک مفید شہری، با کمال مقرر اور اخلاقی خوبیوں کا حامل بھی ہونا چاہیئے۔

اہل روم کے نزدیک کامیاب مقرر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سیاسی تہذیبی اور ثقافتی مسائل سے باخبر ہو اور انہیں احسن انداز میں حل کرنے کی بصیرت رکھتا ہو۔ رومن ایجوکیشن میں یعنی فصاحت و بلاغت کے سکولوں میں تربیت مقررین کی خاطر تقریر کی باقاعدہ مشق کرائی جاتی تھی۔ تاکہ طلباء اس کے اسرار و رموز سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ انہیں اعلیٰ نظم و نسق کا مطالعہ بھی کرایا جاتا ہے۔ دوران تربیت ان کے تلفظ کی اصلاح ادائیگی حرکات و سکنات اور چہرے کے اتار چڑھاؤ پر بھی نظر رکھنا سکھایا جاتا ہے تاکہ صاف پاٹ دار آواز کے ساتھ بولیں اور انہیں ہر قسم کی معلومات فراہم کی جاتی تھیں جنہیں وہ اپنی تقریر میں دہرائیں ان میں باقاعدہ تنظیم ہو اور لفظوں کو بار بار دہرائیں تاکہ وہ الفاظ ان کی نوک بر زبان ہو جائیں۔ اہل روم کا یہ یقین تھا کہ لوگوں کو صرف زبان کی لفاظی اور تیز طراری سے ہی مطمئن اور قائل کیا جا سکتا ہے جس کی بنا پر شرفاء اپنے بچوں کو لوگوں کی قسمتیں بدلنے اور اپنا ہم نوا گرویدہ غلام بنانے کے لئے فن تقریر کی تربیت دلواتے تھے۔ مقررین کے لئے یونانی، لاطینی زبان پر عبور رکھنا از حد ضروری تھا اور جو طلباء ان دونوں فنون پر عبور رکھتے تھے ان کا معاشرہ میں بہت بڑا مقام سمجھا جاتا تھا۔ جب کبھی اس قسم کی ادبی محفلیں یا معاشرتی فلاح کے لئے مذہبی و سیاسی گفتگو ہوتی تو یونانی و لاطینی زبان بولنے والے حضرات دوسرے

لوگوں پر غالب آجاتے ۔

معذرت کے ساتھ جیسا کہ آجکل ہمارے ہاں پاکستان میں عربی، انگریزی، فارسی زبان بولنے والوں کو یہ مقام حاصل ہے جو بے تکے الفاظ گرامر کے اصولوں سے مختلف ہٹ کر لوگوں کے سامنے اپنی اہمیت جتلانے کے لئے اور برتری ثابت کرنے کے لئے دوران گفتگو انگریزی، عربی یا فارسی زبان کے الٹے سیدھے فقرے بول جاتے ہیں جس سے دوسرے لوگ ناواقفیت کی وجہ سے اور کم علمی کی بناء پر اُن سے متاثر ہو کر ان کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ یہ کوئی قابلیت یا ذہانت یا حقیقت نہیں ہوتی ۔ اسی طرح اس زمانے میں بھی روم کے لوگوں کا یہی طریقہ کار تھا۔

المختصر روم میں تربیت مقررین کے اداروں کے وجود میں آنے کا اہل روم کو یہ فائدہ ہوا کہ لوگوں کے ساتھ گفتگو کرنے کا اسلوب آگیا۔ ہر طرف پیار بھرے انداز میں لوگ ایک دوسرے سے گفتگو کرنے لگے اور ہر ایک شخص کے دل میں دوسرے کی عزت و احترام کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ اس کے علاوہ روم کے مذہبی اجارہ داروں اور حکمرانوں نے بھی اس طریق کار کو اپنانے پر بھی مجبور ہو گئے۔ آج بھی پوری دنیا میں رومیوں کے توسط سے یہ سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔ لہذا میرے خیال میں جن احباب نے لوگوں پر غلبہ حاصل کرنا ہو وہ لوگوں سے گفتگو کے ڈھنگ سیکھ لیں یہ ان کی کامیابی کی عظیم دلیل ہے چہ جائیکہ !۔

"آنا جانا کچھ نہ ہو اور عمل سے کورے ہوں"..... ! ---- ؟

مندرجہ بالا خصوصیات کی بناء پر رومی تعلیم کو پوری دنیا میں ایک خاص مقام حاصل ہے انہی اصولوں کی روشنی میں اور بے شمار خصوصیات کی بناء پر پوری دنیا کے اندر جدید نظامہائے تعلیم کا تعین کیا جا رہا ہے اور ایک مرتبہ پھر دنیا والوں کو زبان کی تیز طراری سے ورغلانے کا انسانیت سوز کھیل کھیلے جانے کا بندوبست کیا جا رہا ہے لہذا عقلمند و دانا لوگوں کے لئے صرف اور صرف اشارہ ہی کافی ہے کہ !۔

"عمل ہی فرد کی حقیقت کی کسوٹی ہے"۔!

ساتواں باب

# کوئن ٹیلین

Quintilian;

## ۳۵ء تا ۹۵ء

**سوانح حیات** روم کا عظیم فلاسفر اور مفکر تعلیم کوئن ٹیلین ۳۵ء عیسوی میں سپین میں پیدا ہوا۔ اُس کے والد کا نام ایلبین تھا۔ جو کلیسا، روم کا سرکاری خطیب اور مشہور عالم دین تھا۔ کوئن ٹیلین نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے گھر پر ہی حاصل کی۔ بچپن میں ہی اپنے والد سے فنِ خطابت کے گر سیکھ لئے۔

کوئن ٹیلین نے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مقامی یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے داخلہ لے لیا۔ ۵۴ء میں گریجوایشن کی اور ۵۷ء میں اسی یونیورسٹی سے گریجوایشن کی ڈگری حاصل کر لی۔ اِسی دوران کوئن ٹیلین کو اپنے والد کے ہمراہ مختلف سالانہ مذہبی اجتماعات میں شرکت کے مواقع ملے۔ جہاں پر اُسے کئی بزرگ پادریوں حکماء اور علماء سے بالمشافہ ملاقات کرنے کا شرف بھی ملا۔ کوئن ٹیلین نوجوانی میں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وکالت کے پیشہ سے منسلک ہو گیا۔ دس سال تک خوب پریکٹس کی اور کافی دولت و نام کمایا۔ لیکن جلد ہی ملکی تعلیمی پستی دیکھ کر تعلیم و تدریس کے شعبہ میں مصروف ہو گیا۔ جہاں پر کوئن ٹیلین نے مختلف تعلیمی اداروں کے معائنے کے بعد تعلیمی پستی کو دور کرنے کے لئے اور جدید فلسفۂ تعلیم کو رائج کرنے کے لئے کوئن ٹیلین نے ۶۷ء میں اٹلی میں ایک سکول کی بنیاد رکھی۔ اس سکول میں بچوں کو جدید طرز کی تعلیم دی جاتی تھی اور ساتھ ہی انہیں تقریر اور فنِ خطابت کے گر بتائے جاتے تھے۔

کوئن ٹیلین کے فارغ التحصیل طلبا مختلف مذہبی اجتماعات میں جدید تصورِ حیات اور فلسفہ تعلیم اور مختلف مذہبی مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے اور انعامات سے نوازے جاتے جس سے کوئن ٹیلین کی تعلیمی درسگاہ کی شہرت پورے یورپ میں پھیل گئی۔ کوئن ٹیلین جدید فلسفۂ تعلیم اور

فن خطابت کے بانی کی حیثیت سے مشہور ہو گیا۔

روم کے شہنشاہ Domitain نے کوئن ٹیلین کی شہرت کا چرچا سن کر اُسے اپنے پاس روم میں بلایا اور ایک سرکاری سکول کا سربراہ بنا دیا جو کہ کوئن ٹیلین کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔

کوئن ٹیلین نے جلد ہی ادارہ کے سربراہ اور فن خطابت کے استاد کی حیثیت سے عوام میں اپنی لیاقت کا لوہا منوا لیا۔ چنانچہ تعلیمی شہرت کے پیش نظر شہنشاہ روم نے کوئن ٹیلین کو اپنے دو پوتوں کا اتالیق مقرر کر دیا، کوئن ٹیلین نے نہایت محنت اور لگن سے خوب ان بچوں کی تعلیم و تربیت کی۔ جس کے صلے میں شہنشاہ نے کوئن ٹیلین کو اپنا مشیر خاص رکھ لیا اور ساتھ ہی سینٹ کی رکنیت بھی عطا کی۔ کوئن ٹیلین نے تقریباً بیس سال تک نہایت جانفشانی سے اپنی ذمہ داریاں سرانجام دیں

**تصانیف**

کوئن ٹیلین نے ۸۸ء میں اپنی تمام سیاسی و معاشرتی مصروفیات ترک کر کے اپنے آپ کو تعلیمی تحقیق و تدقیق کے لئے وقف کر دیا۔ کوئن ٹیلین نے تعلیمی پسماندگی سیاسی و معاشرتی مسائل کے حل کے لئے مختلف عنوانات پر کئی رسالے و مقالات تصنیف کیے جو کہ حسب ذیل ہیں

1. The Education of an orator
2. The training of an orator
3. The institute of an oratory.

مندرجہ بالا تصانیف علمی اعتبار سے کوئن ٹیلین کی شخصیت اُس کا فلسفہ حیات، فلسفہ تعلیم فلسفہ سیاست و ریاست و حکومت کی ترجمانی کرتی نظر آتی ہے۔

**وفات**

کوئن ٹیلین نے اپنی زندگی میں ہی بطور قانون دان ماہر تعلیم، مقرر، مفکر اور مصنف کی حیثیت سے پوری دنیا میں کافی شہرت حاصل کی اور بڑی دولت کمائی۔ اور آخری ایام تک اپنی قائم کردہ اکیڈمی میں تعلیمی خدمات سرانجام دیتا رہا۔ مگر ۹۵ء میں بوجہ بیماری جہاں اس جہان فانی سے رخصت ہوا۔ اور اسے سرکاری اعزاز و اکرام کے ساتھ اس کے سکول میں ہی دفن کر دیا گیا۔

# فلسفۂ حیات

کوئن ٹیلیئن کے فلسفۂ حیات یا نظریہ حیات کے بارے میں اُس کے افکار و نظریات اُس کی مشہورِ زمانہ تصانیف The institute of an oratory میں وضاحت سے ملتے ہیں۔ کوئن ٹیلیئن کے نظریات روم کے مشہور فلسفی ڈومینیس الیفر اور عظیم مفکر، فلسفی، سیاستدان سسرو (CICERO) کے نظریات سے ملتے جلتے ہیں اور ان کے نظریات سے کافی متاثر نظر آتا ہے جبکہ جابجا اپنی تصانیف میں ان کے افکار و عقائد و نظریات کی تقلید و ترویج میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ کوئن ٹیلیئن کا فلسفہ حیات کسی جدید فلسفۂ حیات کا تصور پیش نہیں کرتا بلکہ وہ قدیم مذہبی رسوم و روایات پر عمل کامیابی کا زینہ قرار دیتا ہے۔ کیونکہ ابتدائی تعلیم اُس نے اپنے والد سے گھر پر ہی حاصل کی اور یہ یاد رہے کہ اس کا والد شہنشاہ روم کی طرف سے کلیسا روم کا سرکاری خطیب اور مشہور عالم دین تھا جس کی بنا پر مذہبی تعلیم کا اس پر گہرا اثر تھا ہاں البتہ کوئن ٹیلیئن اپنے فلسفۂ حیات میں (رواقی) فلسفہ کو ترویج دی کیونکہ "رواقی" فلسفہ سراپا۔ اخلاقیات کا داعی ہے جو کہ دنیا کو عالمگیر برادری کا درس دینے میں اپنے آپ کو علمبردار گردانتا ہے۔ کوئن ٹیلیئن نے اسی "فلسفہ رواقی" کے زیر اثر اپنے افکار نظریات کو مدون کیا اور اخلاقی اصولوں کو اپنے جسم خاکی پر رائج کر کے اپنے آپ کو بطور عملی نمونہ پیش کیا اور جس کے نتیجے میں عظیم قانون دان مفکر تعلیم، فلسفی، سیاستدان اور مصنف کی حیثیت سے روم میں مختصر وقت میں ابھرا اور وہ دولت و شہرت کمائی کہ اس کے نام کو چار چاند لگ گئے رواقی فلسفہ کے کچھ نظریات مثلاً عالمی ریاست، قدرتی انصاف اور عالمی شہریت وغیرہ جیسے نظریات خاصے مقبول تھے اور ان نظریات میں اخلاقی حیثیت نمایاں تھی۔ بلکہ یہ نظریات "ایپی کیورین" کے فلسفہ فطرت" کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔ جو کہ سراپا انسانی (انفرادی اور اجتماعی) مفاد پر مبنی ہیں۔ کوئن ٹیلیئن کا فلسفہ حیات اس امر کی ترجمانی کرتا ہے کہ

"ساری دنیا ایک خدا کی تخلیق ہے حکومت اور عوام اس کی رعایا ہیں جس کا

تعلق انسانی برادری سے ہے۔ اسے ہم باپ اور بچوں کے رشتہ کا نام دے سکتے ہیں سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ بنی نوعِ انسان ایک کنبہ ہے اور اس کی پہچان کے لئے رنگ اور زبان کا فرق رکھ دیا ہے یا رسم ورواج الگ الگ ہیں''۔

لہٰذا تمام انسانوں پر اخلاقی ضابطوں اور قدرتی انصاف کی مساویانہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ہر اچھے آدمی پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی انداز میں معاشرے اور ریاست کی خدمات سرانجام دے۔ اور یہی انسانی معراج ہے۔ کوئن ٹیلیئن ایک اور مقام پر عیسائی فلسفہ حیات کی ترجمانی کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ

"جسم روح کی تاریکی ہے اور روح کو پابہ زنجیر رکھتا ہے لہٰذا روح پر لازم ہے کہ وہ گوشت پوست کے خلاف تسلسل کے ساتھ اپنی جدوجہد آزادی جاری رکھے"

کوئن ٹیلیئن اپنے فلسفہ حیات کے ذریعے انسانیت کو برادری اور بھائی چارے کا درس دیتا ہے اور (حقیقی) زندگی کی تلاش میں جستجو کو انسانیت کی معراج تصور کرتا ہے اس کے نزدیک ہمدردی، خیرات، خدمتِ خلق، خود ضبطی (صبر، محبت رحم وکرم انسانی زندگی کے اوّلین محاسن پہلو ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس۔ ظلم، نفرت، غصہ، تلخی اور اپنے سے کمتر کسی کو سمجھنا یا کمتر لوگوں پر ظلم و تشدد کرنا انسانیت کے اندوہناک اور تاریک پہلو ہیں۔ جنہیں دیکھ کر انسانیت شرسار ہوجاتی ہے۔ کوئن ٹیلیئن اپنے فلسفہ حیات کے توسط سے انسانیت کو پیار و محبت۔ نیکی۔ صلح جوئی۔ ہمدردی۔ عورتوں۔ بچوں۔ غلاموں سے نیک سلوک اور بے یار و مددگار لوگوں کی امداد اور مجرموں سے انسانی سلوک روا رکھنے کا درس دیتا ہے۔ فطرتِ انسانی میں پاکیزگی اور معصوم درد کی سی صفات کا تقاضا کرتا ہے۔

کوئن ٹیلیئن کے نزدیک۔ بچہ فطرتاً خدا کی طرف سے نیک پیدا ہوتا ہے۔ اور خدا نے انسان میں ضمیر اور اس کی آواز کو سننے کی صلاحیت بخشی ہوتی ہے اور ساتھ ہی اخلاقی اس میں بچپن ہی سے موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا معاشرتی اداروں کا فرض ہے کہ اخلاقی اور مذہبی تعلیم کے توسط سے بچے کو فطری اصولوں کے مطابق نیک بننے میں مدد دے۔

المختصر۔ کوئن ٹیلیئن اندھی فطرت اور تاریک راہوں میں بچے کو چھوڑنے کی بجائے آزادانہ فطری ماحول میں رہنے کیلئے ذاتی فلسفہ حیات کا تصور پیش کرتا ہے۔

# کوئن ٹیلیئن کا فلسفۂ تعلیم

کوئن ٹیلیئن کا فلسفۂ تعلیم یا تعلیمی نظریات سے مراد اس کے وہ تعلیمی افکار و خیالات ہیں جن کے تحت وہ بچے کی تعلیمی نشوونما اور تعلیم و تربیت کرنا چاہتا ہے کوئن ٹیلیئن اپنی مشہور زمانہ تصنیف The education of an orator میں اپنے فلسفۂ تعلیم یا نظام تعلیم کے بارے میں وضاحت سے بیان کرتا ہے اور اسی سلسلہ میں وہ اپنی اسی تصنیف میں یوں رقمطراز ہے کہ

"تعلیم سے مراد ایسا علم و ہنر ہے جو بچے میں اخلاقی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں ممد و معاون ہو"

اسی تصنیف میں دوسری جگہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ

"تعلیم سے مراد ایسا فن ہے جو خیالات و ضروریات کے اظہار میں جرأت و حوصلہ بخشے اور اس بیان کے اظہار کا ڈھنگ سکھاتے"

کوئن ٹیلیئن کا طریقۂ تعلیم روایتی اور قدیمی فلسفۂ تعلیم کی ترجمانی کرنے کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ جدید تصورِ تعلیم سے آگاہی دلاتا ہے اور جس میں وہ اپنے افکار و نظریات کی اشاعت کرنے کا موقع ہاتھ سے خالی نہیں جانے دیتا۔

کوئن ٹیلیئن کا فلسفۂ تعلیم انسانی فکر و سوچ، گفتگو اور اندازِ بیان کے گرد گھومتا نظر آتا ہے۔ وہ فن خطابت کو اعلیٰ فن قرار دیتا ہے اور اپنے فلسفۂ تعلیم میں ہر ایک کو اس فن میں ماہر ہونے کے لئے ضروری تعلیم و تربیت قرار دیتا ہے۔

کوئن ٹیلیئن ہر شخص کے لئے تعلیم کا حصول لازمی گردانتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسان کی کامیابی کا دارومدار اس کی طرزِ گفتگو اور سلیقے کو قرار دیتا ہے کیونکہ اس کی اکیڈمی کی شہرت کی ایک وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ وہ

اپنے طلباء کو فن خطابت میں سب سے پہلے طاق کرتا تھا۔ اور اس کی قائم کردہ اکیڈمی کا اولین مقصد ہی طلباء میں حق بات کے اظہار کی جرأت پیدا کرنا تھا۔ اور مختلف موضوعات پر اپنے خیالات کا تسلسل کے ساتھ اظہار کرنا سکھانا تھا۔

کوئن ٹیلیئن کا فلسفہ تعلیم قدیم یونانی اور رومی مفکرین اور ماہرین تعلیم کے نظریات کی خصوصی ترجمانی کرتا ہے۔ مگر اس نے تعلیم کے عمل کا تجزیہ کیا نیز روم و یونان کے سکولوں میں مروجہ طریقہ ہائے تدریس، نصاب تعلیم اور مقاصد تعلیم کا جائزہ لیا۔ اور طریقہ ہائے تدریس کی اصلاح کے لئے گراں قدر سفارشات بھی پیش کیں۔ جو کہ جدید فلسفۂ تعلیم کی کافی حد تک عکاسی کرتی ہیں۔

کوئن ٹیلیئن پہلا مفکرِ تعلیم ہے کہ جس نے اپنے فلسفۂ تعلیم میں جماعتی تعلیم کے تصور کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا۔ تاکہ قدیم روایتی طریقۂ تعلیم سے ہٹ کر طلباء کو اپنے ہم عمروں میں مل بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنے کے مواقع میسر آ سکیں۔

## تعلیم کی تعریف و اہمیت

کوئن ٹیلیئن نے اپنی مشہور تصنیف The Training of an oritary میں تعلیم کی تعریف و اہمیت اور اس کے مقاصد و طریقہ ہائے تدریس پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

اس کے نزدیک

۱۔ "تعلیم وہ عمل ہے جو انسان کو انسان بناتا ہے"

۲۔ تعلیم ہی انسان کو معاشرت کا درس دیتی ہے تاکہ انسان میں تمام اخلاقی خوبیاں پروان چڑھیں جو کامیابی کے زینہ کی طرف پیش قدمی کی ضامن ہوں۔

۳۔ تعلیم سے مراد فن تقریر کی وہ نظری تعلیم ہے جو انسان کو اس کی خفیہ صلاحیتوں اور نفاستوں سے آگاہ کرتی ہے۔

کوئن ٹیلیئن اپنے فلسفہ تعلیم میں مزید وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ تعلیم کا مقصد صرف دولت و شہرت کمانا نہ ہو بلکہ باکمال مقرر دیانت دار

اخلاقی خوبیوں اور اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کے مالک افراد پیدا کرنا ہے تاکہ وہ اچھے شہری کی حیثیت سے زندگی گذار سکیں۔

کوئن ٹیلیئن کے نزدیک نہ صرف "فلسفی" ہی معاشرہ کا اچھا اور دیانتدار فرد ہوتا ہے بلکہ ہر وہ اچھا شہری جو ریاستی قوانین کی پابندی کرتا ہے اچھا مقرر ہے اور اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا مالک بھی معاشرہ کا ایک اچھا فرد ہوتا ہے

کوئن ٹیلیئن کے نزدیک کتابی علم کا حاصل کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ جب تک ان حاصل شدہ معلومات پر عمل نہ کیا جائے اس وقت تک وہ علم کوئی حقیقت یا اہمیت نہیں رکھتا۔

لہٰذا تمام علوم اور حقائق تک رسائی ہی کافی نہیں بلکہ منطقی دلائل کی عادت پیدا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور اسی میں ہی انسان کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں تعلیم اور اس کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے لہٰذا ہر فرد کے لئے تعلیم کا حصول نہایت ضروری ہے۔

**مقاصدِ تعلیم**

کوئن ٹیلیئن کے نزدیک درج ذیل مقاصدِ تعلیم نہایت اہمیت کے حامل ہیں جو کہ وہ اپنی مشہور زمانہ تصنیف Education of an orator میں بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہے۔

۱۔ "کہ تعلیم کا مقصد طلباء کو اچھے مقرر بنانا اور ان میں اچھے مقرر کی سی خوبیاں پیدا کرنا ہے۔ تاکہ ان میں اخلاق، خوداعتمادی، دیانتداری، اور اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں جیسی خوبیاں پیدا ہوں۔ اور معاشرہ کی فلاح و بہبود کے کام آسکیں"۔

۲۔ کوئن ٹیلیئن کے نزدیک تعلیم کا ایک مقصد بچے میں اطاعت کے جذبے کو راسخ کرنا ہے۔ اس اطاعت سے مراد قدرتی قوانین کی اطاعت

ہے۔ یعنی مذہبی رسومات عقائد و عبادات کی پابندی کرنا ہے۔ قدرت کی طرف سے مقرر کردہ احکامات کی بلا چوں چراں پیروی کرنا ہے۔

۳۔ کوئن ٹیلیئن کے نزدیک تعلیم کا سب سے اہم مقصد محبت کی زندگی کو پروان چڑھانا ہے۔ تاکہ بچے کو شروع ہی سے خاندان، والدین، اساتذہ اور دوست احباب سے بھرپور محبت ملے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ محبت کی کمی کی وجہ سے بچے کی شخصیت نامکمل رہ جائے۔

۴۔ کوئن ٹیلیئن کے نزدیک تعلیم کا ایک خاص مقصد بچے کو مہذب، اور تعلیم یافتہ بنانا ہے۔ تاکہ وہ مہذبانہ انداز میں ہر ایک دکھی انسان کی بے لوث خدمت کر سکے۔

۵۔ کوئن ٹیلیئن کے نزدیک اس کے فلسفہ تعلیم کا مقصد بچے میں زبان دانی انداز گفتگو کا سلیقہ اور اعلیٰ جمالیاتی صلاحیتیں پیدا کرنا ہے۔

**نصاب تعلیم**

کوئن ٹیلیئن اپنے تعلیمی افکار میں کسی خاص نصاب کی نشاندہی نہیں کرتا بلکہ وہ روائتی نصاب کو جدید فلسفہ تعلیم اور جدید تصور نصاب کی بنیادی حیثیت قرار دیتا ہے اس کے نزدیک نصاب ہی دراصل وہ اہم ذریعہ تعلیم ہے جو کہ بچے کے تعلیمی معیار کو بلند و پست کرتا ہے۔ اگر نصاب میں وقت اور حالات کے مطابق تبدیل ہونے کی لچک ہے۔ اور معاشرتی ضروریات کو احسن طور پر نبھانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تو وہ نصاب ایک بہترین نصاب کہلوانے کا مستحق ہے بحرحال کوئن ٹیلیئن کے نزدیک تعلیمی درس گاہوں میں۔ بچوں کے لیے ہلکا پھلکا نصاب ہونا چاہیئے۔ جو کہ وہ اپنے لیے کسی قسم کا کوئی خوف اور بوجھ محسوس نہ کریں بلکہ خوشی خوشی اس نصاب کے مطابق تعلیم حاصل کریں۔

کوئن ٹیلیئن کے نزدیک موسیقی (ترنم کے ساتھ، جمناسٹک، ادب فلسفہ سائنس، علوم ریاضی، فنون لطیفہ، رقص، قانون اور طب کی تعلیمات

اوزاروں کے استعمال کے علاوہ فن تحریر و تقریر بچے کے نصاب میں شامل ہونے چاہیئں تاکہ بچے کی ہر قسمی معلومات میں اضافہ ہو۔ جدید ماہرین تعلیم کے نزدیک نصاب میں تمام مضامین کو آپس میں مربوط کر کے ہی بچوں کو پڑھایا جائے

**تعلیم نسواں** کوئن ٹیلین اپنے فلسفہ تعلیم میں عورتوں کی تعلیم کے بارے میں کوئی واضح تصورِ تعلیم پیش نہیں کرتا بلکہ خاموش نظر آتا ہے۔ سوائے اس بات کے کہ والدین کو تعلیم یافتہ اور مہذب ہونا چاہیئے۔ لیکن اس بات سے صرف سرسری سا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کی تعلیم کے بارے میں ان کو تعلیم دینے کا خواہش مند ضرور ہے مگر وہ لڑکیوں کو مقرر بنانے کا کہیں کوئی نظریہ پیش نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک لڑکیوں کو تعلیم و تربیت مقرر، مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس بات کا حامی نظر آتا ہے کہ لڑکیاں سنِ بلوغت کو پہنچتے ہی شادی شدہ ہو جاتی ہیں۔ جن سے ان کا تعلیم کو جاری رکھنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ابتدائی گھریلو تعلیم ہی ان کے لیے کافی خیال کرتا ہے۔

کوئن ٹیلین نے عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کا کہیں بھی کوئی تصور پیش نہیں کیا۔ اور نہ ہی ان کے کہیں علیحدہ سکول بنانے کی تجاویز پیش کی ہیں۔ ہاں البتہ وہ عورتوں کی مخصوص تعلیم کے حق میں تھا جنہیں ایسی تعلیم کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔

**طریقہ ہائے تدریس** کوئن ٹیلین روم کا پہلا ماہر تعلیم ہے کہ جس نے جدید تصور تعلیم کے تحت اپنے فلسفۂ تعلیم کو پیش کیا۔ اس کے نزدیک تعلیم میں سب سے اہم عمل تدریسی طریقہ کار ہوتا ہے کہ جس کے تحت معلم حالات کی مناسبت کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اپنے تجربات کی روشنی میں طلباء کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے طریقہ تدریس اختیار کرتا ہے کوئن ٹیلین کے نزدیک وہ طریقہ تدریس کامیاب کہلاتا ہے جو طلباء کے ذہنی معیار

اور ان کی طبع و میلان کے مطابق ہو۔

کوئنٹیلین اپنی مشہور زمانہ تصنیف "تربیتِ مقررین" میں حسب ذیل طریقہ تدریس کو اپنانے کی سفارشات پیش کرتا ہے۔

۱۔ بچوں کو ان کی انفرادی دلچسپیوں کے مطابق مضامین کے انتخاب کی اجازت دی جائے۔

۲۔ معلم ایسا طریقہ تدریس اختیار کرے جو طلباء کے میلان و مزاج کے مطابق ہو

۳۔ کھیل کود اور دوسرے مشغلوں میں مصروف کرکے بچوں کی تعلیم میں دلچسپی پیدا کی جائے۔

۴۔ بچوں کو الفاظ زبانی یاد کرائے جائیں خود الفاظ ادا کرکے مشق کرائی جائے۔

۵۔ مختلف حروف کا پڑھنا لکھنا لفظ بنانا وغیرہ بتدریج سکھائے جائیں۔

۶۔ سبق کے مختلف حصے بنا دیئے جائیں۔ پہلے آسان حصہ، پھر ذرا مشکل حصہ اور پھر زیادہ مشکل حصہ، تاکہ سمجھنے اور یاد کرنے میں آسانی رہے۔

۷۔ دورانِ تدریس مادری زبان کا خاص خیال رکھا جائے۔ بہتر ہوگا اگر یونانی اور لاطینی زبانیں تعلیم کی بنیاد بنائی جائیں۔

۸۔ بچوں کی نفسیات کے مطابق ان پر نظم و ضبط کیا جائے۔

۹۔ دورانِ تدریس جسمانی سزا کے دینے سے خاص طور پر پرہیز کیا جائے۔

۱۰۔ معلم کا اندازِ بیان، گفتگو کا سلیقہ، ادائیگی تلفظ، دھیمی اور پروقار ہو۔

۱۱۔ دورانِ تدریس بچوں کی اخلاقی تربیت کا خاص خیال رکھا جائے۔

۱۲۔ طلباء کے تعلیمی کام کی رفتار کو باقاعدہ چیک کیا جائے۔

۱۳۔ بچوں کو سوالات پوچھنے کی اجازت دی جائے۔

۱۴۔ سوالات کرنے کی افادیت بتائی جائے اور پڑھائی کے ساتھ ساتھ جائزہ بھی لیا جائے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ بچہ کتنا آگے پڑھ چکا ہے اس سے درج ذیل فائدے ہوں گے۔

۱۔ طلباء کی ترقی کی رفتار بڑھ سکے گی۔
۲۔ جذبہ جستجو بڑھے گا۔
۳۔ تحقیق کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

۱۵۔ ابتدائی تعلیم بچوں کو کھیل کھیل میں ہی دی جائے۔ غیر رسمی تعلیم کے ساتھ ساتھ دوسری سرگرمیوں (موسیقی، رقص) میں بھی حصہ لینے دیا جائے۔

۱۶۔ بچے پر ناجائز سختی نہ کی جائے اور نہ ہی ناجائز پابندیاں لگائی جائیں اور انہیں ان کے فطری ماحول میں پڑھنے دیا جائے۔ اس طرح وہ بہتر انداز میں کام کر سکیں گے۔

۱۷۔ احسن طور پر کام کرنے والے طلبہ کی حوصلہ افزائی کی جائے انہیں شاباش وغیرہ دی جائے۔

کوئن ٹیلیئن کے مندرجہ بالا اصولِ تدریس اپنا کر تعلیم کو سہل بنا دیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں کوئن ٹیلیئن کے تجویز کردہ طریقۂ تدریس اور تعلیمی نصاب کو احیائے علوم کے دور کے بہت سے سکولوں میں مقبولیت حاصل ہوئی۔

## فرائض اساتذہ

کوئن ٹیلیئن کے نزدیک استاد کا مقام نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔ وہ اپنے تعلیمی نظریات میں استاد کو عزت کی نگاہ سے پیش کرتا ہے۔

کوئن ٹیلیئن کے نزدیک معلم کے لئے حسب ذیل امور کا دوران تدریس ہونا نہایت ضروری ہے۔

۱۔ معلم کو اپنے پیشہ سے حقیقی دلچسپی ہو۔ اور اپنے آپ کو اعلیٰ اخلاقی معیار کا ثابت کرے۔

۲۔ معلم کی شخصیت باکردار ہو اور لوگوں کے لئے بطور نمونہ ہو۔

۳۔ اساتذہ کا یہ فرض ہے کہ وہ طلباء کے ساتھ والدین کی طرح مہربان اور شفیق ہو۔

۴۔ دورانِ تدریس طلباء کی نفسیات اور مزاج کا خاص خیال رکھے۔

۵۔ معلم کا فرض ہے کہ اپنے اندازِ بیان میں الفاظ کی ادائیگی میں تلفظ کا خاص خیال رکھے۔

۶۔ اساتذہ کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ صرف ذہین اور محنتی بچوں کی طرف توجہ نہ دے بلکہ دوسرے بچوں کی طرف بھی خصوصی توجہ دے۔

۷۔ معلم بہت جلد غصے میں نہ آئے بلکہ اصلاح طلب خرابیوں سے چشم پوشی نہ کرے۔

۸۔ استاد کو ہر قسم کے تصنع سے پاک اور مستقل مزاج ہونا چاہیئے۔

۹۔ بچوں کے سوالات کے جوابات نہایت سوچ سمجھ کر خوش دلی سے دے۔

۱۰۔ سوالات نہ کرنے والے بچوں میں سوالات کرنے کی صلاحیت کو بیدار کرے۔

## جدید جماعتی تصورِ تعلیم

کوئن ٹیلین کا جدید جماعتی تصورِ تعلیم سے مراد سکول کی تعلیم ہے۔ جہاں پر معاشرہ کے تمام طبقوں کے بچے سکول میں آکر سب بچوں کے ساتھ مل کر تعلیم حاصل کریں۔ تاریخ روم اس بات کی شاہد ہے کہ ان دنوں سکولوں میں تعلیم دی جاتی تھی مگر امراء طبقہ کے لوگ اپنے بچوں کو دوسرے غریب لوگوں کے بچوں کے ساتھ پڑھانا پسند نہ کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک بچوں کو بری عادات اور خراب ماحول سے بچانے کے لئے سکول نہیں بھیجنا چاہیئے۔ ان امراء کا یہ خیال تھا کہ بچوں کو گھر میں اچھا ماحول مل سکتا ہے۔ اگر استاد گھر پر ہی آکر بچوں کو تعلیم دے تو بچے تعلیم کے ساتھ اعلیٰ تربیت حاصل کر سکتے ہیں۔ ان والدین کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں اسکول میں دوسرے بچوں کے ساتھ مل کر ان کے بچے (جن کا تعلق اعلیٰ طبقہ سے ہو)، بری عادتیں سیکھ لیں گے۔ اور معاشرے کی تمام برائیاں ان کے بچوں میں نظر آنے لگیں گی۔

کوئن ٹیلیئن کا جدید جماعتی تصورِ تعلیم قدیم رومن فلسفہ تعلیم کی مخالفت کرتا ہے۔ اور جدید فلسفہ تعلیم سے آگہی بخشتا ہے۔ اس کے نزدیک جماعتی نظام تعلیم سے بڑھ کر کوئی اور بہتر نظامِ تعلیم نہیں جہاں پر بچوں کی ذہنی جسمانی اور روحانی صلاحیتیں متوازن نشوونما پاتی ہیں۔

کوئن ٹیلیئن کچھ عرصہ روم کے شہنشاہ Domitian کے دو پوتوں کو گھر پر جاکر پڑھاتا رہا ہے۔ جہاں پر اسے ان دو بچوں کا اتالیق رہنے کی وجہ سے کئی تجربات ہوئے۔ انفرادی طور پر تعلیم پانے والے بچوں کو قریب سے دیکھنے اور جانچنے کا موقع ملا۔ اس نے ان بچوں میں اخلاقی اور معاشرتی برائیاں گھر پر ہی پیدا ہونے میں محسوس کیں۔ گھر پر بچہ والدین کے لاڈ پیار کی وجہ سے مختلف بری عادتوں کا شکار ہوجاتا ہے۔ کوئن ٹیلیئن نے ان خراب عادتوں کو انفرادی طور پر ختم کرنے کی کوشش بھی کی لیکن کوئی خاص کامیابی نہ ہوسکی۔ بالآخر اس نے اس بات کو تسلیم کیا کہ گھر کا ماحول بچے کو خراب کرنے میں زیادہ ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ اخلاقی اور معاشرتی برائیاں بہت جلد گھر میں ہی بچے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔

کوئن ٹیلیئن ذاتی طور پر اس طرح کی تعلیم کے حق میں نہ تھا۔ وہ "پبلک سکول ایجوکیشن" (جماعتی تعلیم) کی حمایت کرتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کو بخوشی قبول کرتا ہے کہ بے شک سکول کے جماعتی نظام تعلیم میں بہت سی خامیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ مگر سکول کی نسبت بچے گھر پر ہی جلدی غیر اخلاقی باتیں سیکھ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ انفرادی تعلیم دینے سے بچے میں جھجک، عدم تحفظ اور خود فریبی جیسی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اور بچہ حقیقی مسرت سے لطف اندوز ہونے سے محروم رہ جاتا ہے۔

کوئن ٹیلیئن اس بات کو فراخ دلی سے تسلیم کرتا ہے کہ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ والدین اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ان کے بچے سکول میں اپنی کلاسوں کے

اندر ناپسندیدہ لڑکوں سے مل کر بیٹھیں اور بری عادتیں سیکھیں۔ جس کی بنا پر والدین گھر پر ہی بچوں کی تربیت کے لئے اتالیق رکھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

مگر کوئن ٹیلیئن انفرادی تعلیم کی بجائے جماعتی تعلیم کو پسند کرتا ہے اور بچوں کو جماعتی صورت میں تعلیم دینے کی سفارش کرتا ہے۔ کیونکہ جماعتی تعلیم سے بچوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور بچوں میں زیادہ سے زیادہ کام کرنے کی لگن پیدا ہوتی ہے۔ طلبار کے آپس کے ملاپ سے ایک دوسرے کو جاننے، سمجھنے، اور جانچنے کے مواقع ملتے ہیں۔ اور آپس میں پیار و محبت کے جذبات ابھرتے ہیں۔ اور دوستی کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جماعتی تعلیم کی صورت میں بچوں میں سوجھ بوجھ کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ بچہ سامعین سے مخاطب ہونا سیکھتا ہے۔ جس سے بچوں کو سامعین کے مختلف قسم کے سوالات کے جوابات دینے کا ڈھنگ آجاتا ہے۔

کوئن ٹیلیئن کے نزدیک سکول کی جماعت یا پورا سکول ایک معاشرہ کا عملی نمونہ ہوتا ہے۔ اور اس سکول کے (معاشرہ)، ہر استاد (فرد)، پر یہ لازم ہے کہ مدرسہ کی بہتری کے کام کرے۔ طلبار کی انفرادی صلاحیتوں پر خصوصی توجہ دے۔ بچوں کو ان کی پسند و ناپسند کو مدنظر رکھتے ہوئے تعلیم و تربیت کرے بچوں کی دلچسپیوں کا سامان فراہم کرے۔ ایک اچھا معلم اس صورت میں طلباء کی احسن طریقے سے تربیت کر سکتا ہے۔ اگر وہ طلبار کے مزاج اور رجحان طبع کو سمجھتا ہے اور ماہر نفسیات بھی ہے۔

کوئن ٹیلیئن اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ واقعتاً جماعت میں سب بچے ذہنی اور جسمانی لحاظ سے یکساں نہیں ہوتے۔ بلکہ بعض بچے ذہین اور بعض کند ذہن ہوتے ہیں۔ بعض بچوں کو سیکھنے کا از حد شوق ہوتا ہے اور بعض بچے جسمانی طور پر سست الوجود اور ضدی ہوتے ہیں۔ جماعت میں بعض بچے احساس کمتری اور عدم تحفظ کا شکار ہوتے ہیں۔

اس لئے استاد کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے بچوں کے لئے تعریف سے کام لیکر ان میں زیادہ سے زیادہ کام کرنے کی تحریک پیدا کر سکتا ہے۔ اور کلاس کے دوسرے بچوں کو بطور نمونہ پیش کر سکتا ہے۔ استاد کو چاہیئے کہ وہ جماعتی تعلیم میں ہر بچے کی ذہنی کیفیت کو پرکھنے کی استعداد کا حامل ہو۔ اور جماعت کے ہر بچے کو انفرادی طور پر بھی خصوصی توجہ دے سکے۔ جس سے اس کی جماعتی تعلیم معاشرہ کی فلاح و بہبود کی عملی تعلیم ہو گی۔ اس لئے والدین کو چاہیئے کہ وہ اپنے بچوں کو سکولوں میں ہی داخل کرائیں تاکہ ان کی بہتر انداز میں تعلیم و تربیت ہو سکے۔

## کوئن ٹیلیئن تعلیمی سکیم

### (تربیت مقررین کے تعلیمی مدارج)

کوئن ٹیلیئن تعلیمی سکیم سے مراد تربیت مقرر کے تعلیمی مدارج ہیں جو کہ اس نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف تربیت مقرر The education of an orator میں بیان کئے ہیں۔ تربیت مقرر کے لئے کوئن ٹیلیئن نے جو تعلیمی سکیم یا تعلیمی مدارج کا تصور پیش کیا ہے وہ افلاطون اور ارسطو کی تعلیمی سکیم کی عکاسی ہے۔ جو کہ عین دستورِ زمانہ کے مطابق ہے۔ کوئن ٹیلیئن نے اپنی تعلیمی سکیم میں جدید فلسفہ تعلیم کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔ جس سے نہ صرف اُمراء کے بچوں کو حصول علم کے مواقع میسر ہیں بلکہ سوسائٹی کے ہر فرد کے بچے کے لئے وہی سہولیات میسر ہیں جو کہ کسی امیر کے بچے کو حاصل ہیں۔ کوئن ٹیلیئن نے اپنی تعلیمی سکیم (تربیت مقررین) کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ ابتدائی گھریلو تعلیم (سات سال تک)

۲۔ گرائمر سکول تعلیم (سات سال تا ۲۰ سال تک)

۳۔ فنِ تقریر کی خصوصی تعلیم (۲۰ سال تا ۳۵ سال تک)

**ابتدائی گھریلو تعلیم** کوئن ٹیلیئن کے نزدیک ابتدائی گھریلو تعلیم سے مراد بچپن کے زمانہ کی تعلیم ہے۔ جو کہ وہ اپنے گھر والوں (والد والدہ دادا چچا وغیرہ) سے حاصل کرتے ہیں۔

کوئن ٹیلیئن کے نزدیک یہ تعلیمی عرصہ پیدائش سے سات سال تک کا عرصہ شمار کیا جاتا ہے۔ شروع میں بچے کو تعلیم گھر پر ہی دی جائے گھر پر تعلیم دینے کے لئے ضروری ہے کہ بچے کے والدین یا جن کے وہ زیر دست ہے، تعلیم یافتہ ہوں۔ ان کا لب و لہجہ، تلفظ وغیرہ درست ہو۔ کیونکہ اس عمر میں اگر بچہ غلطی کرے گا تو یہی غلطی وہ بار بار دہراتا رہے گا۔ اگر موقع پر ہی اسے غلطی سے آگاہ کر دیا جائے اور ساتھ ہی اس کی اصلاح کر دی جائے تو یہ بچے کی تربیت کے لئے نہایت سود مند ہو گا۔

کوئن ٹیلیئن کے نزدیک بچے کو اگر سکول بھیجا بھی جائے تو اس کو یونانی زبان سکھائی جائے۔ کیونکہ یونانی زبان پر کشش اور پُر تاثیر ہے۔ اور اس زبان میں روم کا وسیع علم و ادب کا ذخیرہ موجود ہے تاکہ پڑھنے والے کے علم و عمل میں اضافہ ہو۔ کوئن ٹیلیئن کے نزدیک جس شخص کو یونانی زبان پر عبور حاصل نہیں ہے۔ اسے پھر دنیا کی کسی دوسری زبان کا جلد آ جانا نہایت مشکل ہے۔ اس کے نزدیک اس عمر کے بچے کو لفظ ادا کرنے کی مشق سکھائی جائے۔ پڑھنا سکھایا جائے مختلف حروف کو ملا کر الفاظ بنانا سکھایا جائے۔ لکھنے کی مشق کرانے کے لئے ضروری ہے کہ حروف کھدے ہوئے الفاظ میں ہوں جن پر قلم پھیر کر لکھنا سیکھ سکیں۔ بچے کی قوتِ یادداشت کو پختہ کیا جائے۔ مگر اس کو ایسے کام نہ دیئے جائیں جس سے وہ پڑھائی کو ناپسند کرنے لگے۔

اس عمر میں بچوں کے لئے نصاب بھی مختصر ہو تاکہ وہ اسے آسانی سے سمجھ سکیں اور اسے بوجھ نہ سمجھیں۔ حسب ذیل امور نصاب میں شامل ہیں۔

۱۔ بولنا اور پڑھنا سکھانا۔

۲۔ مختلف آوازوں کو ملا کر لفظ بنانا سکھانا۔

۳۔ لکھنا سکھانا۔ کھدے ہوئے حروف پر قلم پھیرنا سیکھ سکیں۔

**گرامر سکول تعلیم** | کوئن ٹیلیئن اپنی تعلیمی سکیم میں دوسرے مرحلے میں گرامر سکول کی تعلیم کو شمار کرتا ہے۔ یہ عرصہ سات سال کی عمر کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یعنی جب بچہ بولنا، پڑھنا اور الفاظ پر قلم پھیر کے لکھنا سیکھ جاتا ہے۔ تو بچے کو دوسرے مرحلے میں گرامر سکول کی تعلیم کے لئے داخل کر دیا جاتا ہے۔ اس سکول میں جماعتی نظام تعلیم کے تحت بچے کی تربیت کی جاتی ہے۔ جس سے بچہ میں خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ گھلنا ملنا سیکھ جاتا ہے۔

اس عمر کے بچہ میں اتنی سمجھ بوجھ پیدا ہو چکی ہوتی ہے کہ اسے آسانی کے ساتھ گرامر وغیرہ سکھائی جائے۔

کوئن ٹیلیئن کے نزدیک اس عمر کے بچے کو گرامر کے اصول وغیرہ سکھائے جائیں۔ بچے کی بولنے لکھنے پڑھنے کی نگرانی کی جائے۔ اور اس کی غلطیوں کو دور کیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ صحیح تلفظ کے ساتھ اور روانی کے ساتھ بول سکے۔ صحیح لفظ لکھ سکے۔ اسے شاعری سے متعارف کرایا جائے تاکہ وہ اشعار کو سمجھ سکے اور بوقت ضرورت اپنی تقریر وغیرہ میں استعمال کر سکے۔ اور خصوصاً اس عمر میں اس کی تقریری صلاحیت کو پرکھا جائے۔ اسے اچھی اچھی تحریریں پڑھنے کو دی جائیں۔ تاکہ پڑھی ہوئی تحریریں اس کو تقریر میں مدد دے سکیں اور خصوصاً فلسفہ، علم ہندسہ، موسیقی، علم فلکیات کی تعلیم بھی دی جائے۔

کوئن ٹیلیئن کے خیال میں مندرجہ بالا تمام باتیں بچوں کو سکول میں ہی صحیح طور پر سکھائی جائیں۔ لہذا اس عمر میں بچے کا سکول جانا نہایت ضروری ہے۔ مگر اس عمر کے بچوں کی انفرادی تعلیم کی مخالفت کرتا ہے۔ جماعتی تعلیم کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کوئن ٹیلیئن گرامر سکول کی تعلیم کے دو مقاصد بھی پیش کرتا ہے جن سے اس دور کی تعلیمی ضروریات پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہیں۔

۱۔ اخلاقی تربیت

۲۔ ذہنی تربیت

گرامر سکول کی تعلیم کے دونوں مقاصد حسب ذیل سطور میں وضاحت سے بیان کئے جاتے ہیں۔

## اخلاقی تربیت

کوئن ٹیلیئن کے نزدیک گرامر سکول کی تعلیم کا زمانہ بچے کی اخلاقی تربیت کا زمانہ بھی خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے نزدیک انسانی زندگی مختلف جذبات اور کیفیات کا مجموعہ ہے۔ اور تمام جذبات وکیفیات پر صرف اور صرف اخلاقی تربیت کا ہی کنٹرول ہوتا ہے۔ اگر بچے کو بچپن ہی سے پیار و محبت کرنا سکھا دیا جائے۔ ایک دوسرے کی عزت کرنا بتا دیا جائے۔ کوئی کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرے بلکہ ہر انسان اپنے حقوق و فرائض کی مکمل طور پر بجاآوری لائے تو ساری دنیا جنت کا سا نمونہ بن جائے۔

کوئن ٹیلیئن اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ بچوں میں انفرادی اختلاف پائے جاتے ہیں مگر ان اختلافات کو بہتر تربیت کی صورت میں ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے نزدیک مقرر کے لئے بااخلاق اور اعلیٰ کردار ہونا لازمی ہے۔ صحت مند جسم کے لئے کھیل کود کی تعلیم بھی ضروری ہے۔ کوئن ٹیلیئن اس عمر کے بچوں کے لئے جسمانی ورزش اور جمناسٹک کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اور یہی وہ اوصاف ہیں جو انسان کو اس کی اخلاقی تربیت کی بنا پر معراج انسانیت کی طرف لے جاتے ہیں۔

**ذہنی تربیت** کوئن ٹیلین کے نزدیک بچے کے لئے ذہنی تربیت بھی ایک عظیم مقصد تعلیم ہے۔ جو بچے کے ذہنی معیار کو بلند بالا کرتا ہے۔ اسے پستی سے عروج کی طرف لے جاتا ہے۔ اس عمر کے بچوں کے لئے ذہنی تربیت کے لئے موسیقی۔ ادب۔ ریاضی اور جیومیٹری وغیرہ کو شامل نصاب قرار دیتا ہے۔ مثلاً موسیقی کو ترنم کے ساتھ پسند کرتا ہے۔ اس کے نزدیک تمام مضامین بالا معاشرے کی بھلائی کے لئے نہایت سود مند ہیں۔

**فن تقریر کی خصوصی تعلیم** کوئن ٹیلین کی تعلیمی سکیم میں گرامر سکول کی تعلیم کے بعد فن تقریر کی خصوصی تعلیم کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک کامیاب مقرر کے لئے ضروری ہے کہ وہ تقریر کرنے کے اصول سیکھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ مختلف اشعار کا مطالعہ بھی جاری رکھے۔ ایک اچھے مقرر ہونے کے ناطے سے تمام مضامین پر عبور ہونا چاہیئے۔ بلکہ مقرر کی معلومات وسیع ہونی چاہئیں۔ تاکہ وہ سامعین کے ہر قسمی سوالات کے تسلی بخش جوابات دے سکے۔ اور وہ ایک اعلیٰ کامیاب مقرر بن سکے۔

کوئن ٹیلین کے نزدیک فن تقریر کی خصوصی تعلیم کے اساتذہ کا ہر مضمون میں ماہر ہونا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ وہ طلباء کو محنت اور لگن سے پڑھا سکیں اور ہر وقت طلباء کی فلاح و بہبود کے کام آسکیں۔

**تنقید و تبصرہ** کوئن ٹیلین کے فلسفہ تعلیم پر قدیم وجدید دور کے ماہرین تعلیم نے اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ ناقدین نے اس کے فلسفہ تعلیم پر کافی اختلافی بحث بھی کی ہے۔ جدید فلسفیوں کے نزدیک مثلاً مارٹن لوتھر، رچارڈ مولاسٹر، بن جانسن، جان ملٹن اور

الیگزنڈر پوپ اور جان سٹورٹ مل نے کوئن ٹیلیئن کو اپنے دور کا ہی نہیں بلکہ موجودہ دور کا بھی ایک عظیم مفکر تعلیم تسلیم کیا ہے۔ بلکہ مندرجہ بالا فلاسفروں نے اپنے فلسفے کی بنیاد کوئن ٹیلیئن اور سینیکا کے افکار پر رکھی ہے جسے وہ اپنی مختلف تصانیف کے ذریعے اس امر کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔

کوئن ٹیلیئن کی تعلیمی سکیم۔ جماعت بندی نفسیاتی طریقہ تدریس کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور اسکا فلسفہ تعلیم آج بھی اتنی اہمیت رکھتا ہے جتنا کہ آج سے ۱۸ سو سال پہلے رکھتا تھا۔ کوئن ٹیلیئن پہلا مفکر ہے کہ جس نے جماعتی تعلیم میں بھی انفرادی طور پر بچے کو تعلیم دینے کا تصور پیش کیا ہے۔ کوئن ٹیلیئن بذات خود مذہبی تعلیمات کا مبلغ تھا اور وہ معاشرہ میں صالح مبلغ پیدا کرنا چاہتا تھا جو شخصیت اور کردار کے لحاظ سے پاکباز ہوں اور معاشرہ کا بہترین نمونہ ہوں جنہیں دیکھ کر عوام اپنی زندگی کی راہوں کا تعین کر سکیں اس کے نزدیک طلباء پر سختی کرنا اور جسمانی سزا دینا جاہلوں کا کام ہے۔ اس نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ اگر صبر و تحمل اور نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا جائے تو جسمانی سزا کی نوبت ہی نہ آئے۔

کوئن ٹیلیئن کے فلسفہ تعلیم میں یہ بات سب سے زیادہ نمایاں طور پر پائی جاتی ہے کہ طلباء کو ان کی ذہنی استعداد اور طبعی رحجان کے مطابق تعلیم دی جائے۔ اور ان میں ذوق شوق کے جذبہ کو ابھارا جائے۔ کوئن ٹیلیئن کا فلسفہ تعلیم اخلاقی تربیت پر کافی زور دیتا ہے۔ اور معاشرتی خرابیوں اور برائیوں کو ختم کرنے کا نفسیاتی طریقہ اختیار کرتا ہے۔ کوئن ٹیلیئن فلسفہ تعلیم درج ذیل خصوصیات کا حامل ہے۔

۱۔ اخلاقی تعلیم۔ ۲۔ مثالی تحمل۔ ۳۔ جماعتی تصور تعلیم۔ ۴۔ جدید انفرادی تصور تعلیم۔ ۵۔ نفسی مضمون میں دلچسپی۔ ۶۔ اصول مسابقت کا نظریہ۔ ۷۔ طلباء کی مخصوص تعداد کا تصور۔ ۸۔ بہتر اساتذہ کا چناؤ۔ ۹۔ نفسیاتی طریقہ تدریس۔ ۱۰۔ قدیم و جدید نظریات کا مرکب۔

مندرجہ بالا خوبیوں کے علاوہ ناقدین نے کوئن ٹیلیئن کے تعلیمی افکار پر چند ایک اعتراضات بھی کئے ہیں۔ ان ناقدین کے نزدیک کوئن ٹیلیئن کا فلسفہ تعلیم

عجیب وغریب تصورِ تعلیم کا ترجمان ہے۔ اور کسی خاص اصول تعلیم کی وضاحت کرتا نظر نہیں آتا بلکہ اکثر اس کے تعلیمی افکار میں تسلسل کا فقدان پایا جاتا ہے۔

کوئن ٹیلیئن نے اپنے فلسفہ تعلیم کا مرکز صرف "آئیڈیل مقرر" کو بنایا جیساکہ افلاطون کے تعلیمی فلسفے کا محور فلسفی حکمران کی تربیت کرنا تھا۔

کوئن ٹیلیئن دوسرے تعلیمی مفکرین کے افکار سے منحرف نظر آتا ہے کیونکہ اس نے زندگی کے دوسرے شعبوں پر نہ صرف کوئی خاص توجہ دی بلکہ ان کو بیان تک ہی نہیں کیا۔ حالانکہ درج ذیل شعبوں کے لئے بچوں کی تربیت نہایت ہی ضروری ہے۔

مثلاً۔ ۱۔ حکمران طبقہ کی تربیت۔ ۲۔ فوجی تعلیم۔ ۳۔ تعلیم نسواں
۴۔ مذہبی تعلیم۔ ۵۔ پیشہ ورانہ تعلیم (زراعت، صنعت وحرفت)

کوئن ٹیلیئن کا فلسفہ تعلیم نہ تو حکمران طبقہ کے لئے کوئی خاص تصورِ تعلیم پیش کرتا ہے اور نہ ہی اس نے کسی جگہ فوجی تعلیم پہ زور دیا ہے۔ جبکہ معاشرہ کی بقا کے لئے بچوں کو فوجی تربیت دینا ازحد ضروری ہے۔ تعلیم نسواں پہ بھی کوئن ٹیلیئن نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ اور نہ ہی کوئی مربوط قسم کا نصاب تعلیم متعین کیا ہے اور نہ طلبار کی طبعی عمروں کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ بلکہ اس کا سارا کا سارا فلسفہ مختلف اصولوں کا غیر ضروری ملاپ نظر آتا ہے جس سے کسی خاص پہلوؤں کی کوئی نشاندہی نہیں ہوتی۔

المختصر۔ کوئن ٹیلیئن کی چند تعلیمی خامیوں کے باوجود پھر بھی کئی سو سال تک اس کے تعلیمی افکار کے اثرات قائم رہے۔ اور آج بھی اس کے تعلیمی فلسفہ کے مطابق سکولوں میں طلبار کی تعلیم و تربیت میں خوشی اور سہل محسوس کیا جاتا ہے

آٹھواں باب

# یورپین تعلیم

European Education

تاریخ التعلیم کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی سے آٹھویں صدی عیسوی تک یعنی چار سو سال میں یورپ اور بالخصوص روم کی تعلیمی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ مورخین کے نزدیک یہ زمانہ تاریک زمانہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود پھر بھی پورے یورپ میں دینی اور دنیاوی تعلیمی ادارے کثیر تعداد میں موجود تھے جہاں پر لوگ اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے لیکن یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ اس زمانے میں تعلیمی معیار پہلے سے کہیں زیادہ گر گیا تھا۔

شہنشاہ "شارلیمان" نے اپنے دورِ حکومت میں قابل قدر علمی خدمات سرانجام دیں۔ اس نے اپنے طور پر تعلیمی کو بلند کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ مختلف ممالک سے مذہبی اور دنیاوی علوم کے ماہر اساتذہ کو اپنے ہاں بلوایا اور اُن کو ہر قسمی مراعات سے نوازا انہیں جدید تعلیمی پروگرام مرتب کرنے کو کہا۔ جہاں پر طلباء کو قواعدِ فن تقریر، قانون اور طب کی تعلیم دی جاتی تھی جب شہنشاہیت کو زوال آیا تو دینی رہنماؤں (پادریوں) نے تعلیمی نظام کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ جن پر آہستہ آہستہ مالدار لوگوں کا اثر ورسوخ بڑھنا شروع ہو گیا۔ آخر کار یورپ میں تعلیم نجی شکل اختیار کر گئی۔

گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں ان مدارس میں طلباء کی تعداد میں اس قدر اضافہ ہوا کہ مجبوراً تعلیمیافتہ طبقہ کو جدید قسم کے تعلیمی نظام کو متعارف کرانا پڑا جسے "گلڈ" یا یونیورسٹی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ ادارے اپنے طور پر خود مختار تھے حتیٰ کہ اپنا نصاب بھی خود مرتب کرتے تھے اور طلباء کو اسناد بھی خود دیتے تھے جیسا کہ آجکل یورپ میں مکمل طور پر یونیورسٹیاں خود مختار ہیں۔

اس زمانے میں ان تعلیمی اداروں میں عام طور پر کتابی تعلیم دی جاتی تھی کتابیں

بہت کمیاب تھیں ، کتابوں کی بڑی قدر کی جاتی تھی۔ استاد کی اہمیت بہت زیادہ تھی اور اساتذہ کی اطاعت اور فرمانبرداری شاگردوں پر لازم تھی اور اساتذہ کا علم کتابوں تک محدود تھا۔ طلباء کو مذہبی کتابیں اور لاطینی زبان رٹائی جاتی تھیں ان کے ہاں یہی ان کا سب سے بڑا ہدف تعلیم تھا۔ قابلیت کا معیار صرف رٹا بازی تھا جو طالب علم جس قدر زیادہ رٹا لگا لیتا تھا اس کا اتنا ہی بلند مقام ہوتا تھا۔ لاطینی زبان کے قواعد بھی رٹائے جاتے تھے یاد نہ کرنے کی صورت میں طلباء کو خاص قسم کی جسمانی سزا بھی دی جاتی تھی اس زمانے میں بدقسمتی سے بچہ کو فطرتاً گناہ کے نتیجے میں تصور کیا جاتا تھا حتیٰ کہ اٹھارویں صدی عیسوی تک یورپ میں یہی تصور رہا۔

تیرہویں صدی عیسوی سے لے کر اٹھارویں صدی عیسوی تک سات سال سے لے کر چودہ سال کے بچے کو قواعد، موسیقی، ورزش اور حساب یاد کرایا جاتا تھا۔ ۱۶ سال سے کر ۲۱ سال تک کے عمر کے طلباء کو فن تقریر، منطق، فلکیات کا علم پڑھایا جاتا تھا اور پھر اس کے بعد طلباء کو علم ہندسہ، مابعد الطبیات فلسفہ اور سائنس کا مطالعہ کرایا جاتا تھا اور طلباء کو یونیورسٹیوں میں مندرجہ بالا مضامین میں اعلیٰ تعلیم بھی دی جاتی تھی جو کہ آج بھی دنیا کی بیشتر یونیورسٹیوں میں اسی پرانی طرز تعلیم کے مطابق تعلیم دی جارہی ہے۔

یورپ میں تحریک احیائے علوم سے قبل طلباء کو پیشہ وارانہ قسم کی تعلیم بھی دی جاتی تھی کیونکہ اس وقت کی قدیم عالیشان عمارتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ کوئی نہ کوئی ضرور پیشہ ورانہ دست کاری کی تربیت کا معقول انتظام ہوگا۔ طلباء کی صلاحیتوں اور ان کی ذہنی استعداد کو مدنظر رکھ کر تعلیم دی جاتی تھی۔ مذہب سے واقفیت بہت ضروری سمجھی جاتی تھی جس کے نتیجے میں مذہبی نظریات اس زمانے کے لوگوں پر اس قدر غالب ہو گئے تھے کہ انسان نے عقل کا استعمال چھوڑ دیا تھا۔ لہٰذا ناقدین کے نزدیک وسطی عہد کا زمانہ علمی اعتبار سے تاریکی کا زمانہ شمار کیا جاتا ہے

# تحریک احیائے علوم

یورپ میں احیائے علوم کی تحریک صنعتی انقلاب اور چھاپہ خانہ کی ایجاد سے قبل شروع ہو چکی تھی۔ کیونکہ آٹھویں صدی عیسوی سے لے کر پندرہویں صدی عیسوی تک تعلیم

کا مقصد صرف اور صرف رٹا بازی ہی تک موجود تھا یا پھر روم میں فن تقریر کی تعلیم دینے کے لئے بحث مباحثہ اور مناظرہ کا طریقہ رائج تھا۔ انفرادی صلاحیتوں کے فرق اور اختلافات کو مدِ نظر رکھے بغیر اُستاد بیک وقت طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے تو "کوئن ٹیلین" اور "اور سسرؤ" جیسے نامور مفکرین تعلیم نے سب سے پہلے اس طریقہ تعلیم کی مخالفت کی اور بعد کے مفکرین نے مختلف تجاویز پیش کیں جو کہ حسب ذیل ہیں۔

۱ ! ۔ بچوں کے انفرادی اختلافات اور خصوصیات کو مدِ نظر رکھ کر گروپس کی شکل میں تعلیم دی جائے۔

۲ ! ۔ طلبہ کی طبعی عمروں کو مدِ نظر رکھ کر تعلیم دی جائے۔

۳ ! ۔ طلبہ کی ذہنی استعداد اور قوت یادداشت کے بل بوتے پر تعلیم دی جائے۔

۴ ! ۔ طلبہ پر کسی قسم کی ذہنی سختی نہ کی جائے۔

۵ ! ۔ بچوں کی دلچسپیوں کے مطابق ان کو تعلیم دی جائے۔

۶ ! ۔ طلباء کے ذوق و شوق کو اُبھارا جائے۔

۷ ! ۔ مروجہ طریقہ ہائے تدریس (رٹا بازی) کی بجائے حواس خمسہ کے ذریعے تعلیم دی جائے۔

۸ ! ۔ سائنسی علوم کے حصول میں استخراجی طریقۂ تدریس کی سفارش کی گئی

مندرجہ بالا سفارشات کی روشنی میں اہل یورپ میں علمی بیداری کا جذبہ پروان چڑھا جس کے نتیجے میں تحریک احیائے علوم نے زور پکڑا اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئی۔ جہاں تک تحریک کو پروان چڑھانے کا تعلق ہے تو اس میں عربوں کی علمی خدمات کا اور جدید تعلیمی افکار کے اثرات کا بہت بڑا حصہ ہے۔

عربوں کی علمی سرگرمیوں کا آغاز طلوع اسلام کے بعد ہوتا ہے چھٹی صدی عیسوی کے آخر اور ساتویں صدی عیسوی میں اسلام عرب سے نکل کر شام۔ ایران، مصر، ایشیائے کوچک، افریقہ سپین، چین اور ہندوستان تک پھیل گیا۔ آٹھویں، نویں، دسویں صدی عیسوی میں عرب مسلمان اہل یونان سے دوچار ہوئے تو انہوں نے یونانی علوم کا مطالعہ کر کے اس کے ترجمے عربی زبان میں کیے اس کے ساتھ عربوں نے اہل روم، ہند اور ایران کے علوم کو بھی پڑھا اور اس کے بعد اُن پر اس قدر تحقیق و جستجو کی اور اس میں اس قدر اضافہ کیا کہ جس کو تسلیم کرنے سے اہل یورپ

بخل سے کام لیتے ہیں لیکن پھر بھی بعض مغربی مفکرین اور مورخین اپنی مختلف تصانیف میں عربوں کی علمی سرگرمیوں کا اعتراف کرتے ہیں،

"اکہ اہل یورپ نے بہت سارا علم عربوں سے ہی حاصل کیا ہے"

عربوں کی علمی سرگرمیوں کے متعلق امریکہ کے دو مشہور مؤرخ ایف۔پی۔ گریوز اور ایچ جی۔گوڈ کی تحریروں سے عربوں کی علمی ترقی اور اس کے اہل یورپ پر اثرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے

ایچ۔جی۔گوڈ تحریر کرتا ہے کہ:۔

"مغربی ممالک میں ثقافت اور تہذیب کی توسیع اور اشاعت میں عربوں کا مؤثر حصّہ ہے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ عربوں نے محض یونانی علوم کی اشاعت کی ہے بلکہ انہوں نے زراعت، فنون سائنس اور طب اور فلسفہ میں قابل قدر اضافے بھی کئے جن سے اہل یورپ فیضیاب ہوئے وسطی عہد میں عرب دنیا کے سب سے زیادہ متمدن اور تہذیب یافتہ لوگ تھے انہوں نے مشرق اور مغرب کے سوئے ہوئے لوگوں کو جگا کر ان کو علوم کا بیش بہا خزانہ دیا۔ عربی زبان علمی زبان بن گئی تھی۔ یونان اور مشرقی علوم عربی زبان کے ذریعے یورپ میں پہنچے۔ اُن کے ترجمے لاطینی زبان میں کئے گئے جن کو عیسائی دنیا کے عالموں نے پڑھا۔ مسلمانوں کی علمی ترقی کے حصّے کے دو دور ہیں پہلے دور میں عربوں نے ہندی، ایرانی اور یونانی علوم پر عبور حاصل کر کے اُن میں آہستہ آہستہ اضافے شروع کر دیئے۔ دوسرا دور اسپین کا ہے جہاں بارہویں صدی عیسوی میں مسلمانوں نے عربی تصانیف کے ترجمے لاطینی زبان میں کئے تو ان ترجموں نے اہل یورپ کی آنکھیں کھول دیں یورپ میں بجا بجا عربوں کے نمونوں پر یونیورسٹیاں قائم ہوگئیں"

عربوں کی ترجمہ کی ہوئی علمی کتابوں پر چھ صدیوں تک یورپ کے دارالعلوموں کی تعلیم کا دارومدار رہا۔ فرانس اور اٹلی کے دارالعلوموں میں عربوں کی تصانیف اس قدر وقعت رکھتی تھیں کہ جس کا بیان کرنا مشکل ہے۔

اہل یورپ ایک زمانہ دراز تک تاریکی میں ڈوبے رہے۔ بارہویں صدی عیسوی میں چند روشن خیال افراد کو اس علمی جہالت کی تاریکی کو ختم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے عرب اساتذہ سے رجوع کیا۔

۱۱۳۰ء میں طلیطلہ میں مترجمین کا ایک مدرسہ قائم ہوا جہاں عرب زبان کی مشہور تصانیف کا ترجمہ کیا گیا۔ ان ترجموں نے اہل یورپ کی آنکھوں کے آگے ایک نئی دنیا کھول دی۔ پندرھویں صدی عیسوی تک یورپ میں کسی ایسے مصنف کا حوالہ نہیں دیا جاسکتا کہ جس نے محض عربوں سے نقل نہ کیا ہو۔ راجن بیکن، سینٹ ٹامس، البرٹ برزگ، لیپا کا لونارڈ، ول نوکارلو، ریمانڈیل، قسطنطینہ کا الفانس وغیرہ یہ سب عربوں کے شاگرد تھے یا ان کی تصانیف نقل کرنے والے تھے۔ موسیو رنیاں نے لکھا ہے کہ البرٹ برزگ نے جو کچھ پایا ابن سینا سے پایا اور سینٹ ٹامس کو اس کا سارا فلسفہ ابن رشد سے ملا۔

المختصر اہل یورپ نے بارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی میں یونانی اور لاطینی علوم کا مطالعہ شروع کیا اور مکمل طور پر حصول علم میں منہمک ہو گئے تو مورخین کے نزدیک یہ دور تحریک احیائے علوم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اسی دور میں اہل یورپ کے اندر علمی اور ذہنی بیداری کا انقلاب برپا ہوا۔ انسانی فکر و عمل میں تبدیلی رونما ہونا شروع ہوئی۔ حتیٰ کہ مذہبی اور اقتصادی تبدیلیاں واقع ہوئیں جس کے نتیجے میں دنیاوی تعلیم (عقلی، حسی، استدلالی) نے آہستہ آہستہ زور پکڑا تو یہی دنیاوی علوم کی ترویج احیائے علوم کے نام سے مستقل طور پر یاد کئے جانے لگی۔

حسب ذیل صفحات میں ہم تحریک احیائے علوم کے تعلیم پر اثرات کا جائزہ لیتے ہیں۔

## احیائے علوم کے تعلیم پر اثرات

Renaissance and its effects on education.

پندرھویں صدی عیسوی اور اس کے بعد یورپ میں تحریک احیائے علوم یا نشاۃ ثانیہ کے نتیجے میں تعلیم پر جو اثرات نمایاں طور پر پڑے وہ حسب ذیل ہیں۔

**۱۔ مذہبی اصلاح:۔** اہل یورپ نے سب سے پہلے مذہب کی اصلاح پر توجہ دی۔ مشہور مذہبی رہنما و مصلح "مارٹن لوتھر" اور "جان کالون" کی کوششوں سے من گھڑت دینی تعلیم اور جھوٹی سیاست سے چھٹکارا ملا اور معتبر زندگی

لیے لئے پاک صاف شاہراہیں متعین ہوئیں۔

**۲ :- تعلیمی اصلاح :-** احیائے علوم اور نشاۃ ثانیہ کے نتیجے میں یورپ میں علمی اصلاح کی لہر دوڑ گئی۔ قدیم روایتی ڈھانچوں کو بدل ڈالا کیونکہ سب سے پہلے یورپ میں تعلیم پر کلیسا کا قبضہ تھا تو اس کو ختم کیا گیا اور نئے تعلیمی نظام کا خاکہ نمودار ہوا۔ جس میں تعلیمی نظام ملکی فرمانرواؤں کے قبضہ میں ہو گیا۔ سب سے زیادہ اثر تعلیم اور سکولوں پر پڑا۔ جرمنی، فرانس اور انگلینڈ میں تعلیم حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم کا بھی بندوبست کیا گیا۔

**۳ :- مادری زبان کی ترویج :-** احیائے علوم کے اثرات کے نتیجے میں تعلیمی اداروں میں بچوں کو ان کی مادری زبانوں اور علاقائی زبانوں میں تعلیم دی جانے لگی تاکہ وہ بچپن سے ہی ہر چیز سے واقف ہو جائیں

**۴ :- نئے مدارس کا قیام :-** یورپ کے مختلف ممالک میں نئے سکول اور کالجز اور یونیورسٹیاں بنائی گئیں جہاں پر جدید علوم کی تعلیم طلباء کو دی جاتی تھی ان تعلیمی اداروں میں متوسط طبقے کے بچوں کے لئے مالی امداد کی بدولت اعلیٰ طبقہ کے بچوں کی طرز پر تعلیم و تربیت کی جاتی تھی۔

**۵ :- لاطینی زبان کی اشاعت :-** احیائے علوم کے اثرات کے نتیجے میں یورپ میں بچوں کو قدیم لاطینی زبان اور یونانی ادب کی تعلیم بھی ان کی اپنی لاطینی زبان میں دی جانے لگی۔ کیونکہ یونان اور روما کا لاطینی زبان کا ادب تعلیم کا جان تصور کیا جانے لگا۔ وہ لوگ ہی تعلیم یافتہ تصور کئے جانے لگے جو لاطینی (کلاسیکی) ادب کے ماہر تھے۔

**۶ :- تعلیمی معیار میں بلندی :-** احیائے علوم کا تعلیم پر ایک اثر یہ بھی پڑا کہ یورپ میں تعلیم کا معیار پہلے کی نسبتاً کئی گنا بلند ہو گیا۔ اہل یورپ میں سائنس کے مطالعہ کا رجحان بڑھا۔ تعلیمی نصاب میں ادب، معاشیات، سیاسیات جیسے مضامین شامل کئے گئے جو کہ طلباء کو لازمی مضامین کی حیثیت سے پڑھائے جاتے تھے۔

۷:- **کتب خانوں کا قیام**:- یورپ کے ہر ملک کے ہر ہر شہر میں کتب خانے قائم ہوئے جہاں پر مختلف علوم پر لکھی گئی بیش بہا کثیر تعداد میں کتابیں طلباء کے مطالعے کے لئے رکھی گئیں۔

۸:- **اساتذہ کے وقار میں اضافہ**:- نشاۃ ثانیہ کے اثرات کے نتیجے میں تعلیمی اداروں کے اندر طلباء کے دل و دماغ میں احترام اساتذہ کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا جس سے ان کے وقار میں بے پناہ اضافہ ہوا اور اس کے ساتھ ان کی آمدنی میں بھی کافی اضافہ ہوا اور ان کی مالی حالت پہلے کی نسبت کافی حد تک بہتر ہو گئی ان کے علاوہ تعلیم یافتہ لوگ بھی معلم بننا شروع ہو گئے جس سے تعلیم عام ہو گئی۔

۹:- **تجارت و صنعت میں ترقی**:- احیائے علوم کے تعلیم پر اثرات کے نتیجے میں پورے یورپ میں تجارت و صنعت کے اندر بے پناہ ترقی ہوئی اور لوگوں کو فن تجارت آگیا اور سب لوگ خوشحال ہو گئے۔ اس کے ساتھ پیشہ ورانہ تعلیم بھی عام ہو گئی جس سے لوگ اپنی پسند اور اہلیت کے مطابق مختلف پیشوں میں کمال حاصل کرنے لگے۔

۱۰:- **مہذب شہری**:- احیائے علوم کے تعلیم پر اثرات کے نتیجے میں اہل یورپ مہذب اور شریف شہری بن گئے ان کے دلوں میں وطن کی محبت اور ملکی قوانین کے احترام کا جذبہ پیدا ہو گیا اور وہ اپنے ملک کی خاطر جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہ کرنے لگے کیونکہ اہل یورپ کے نزدیک مقصد تعلیم اچھے مذہبی اور اچھے شہری بنانا مقصود تھا تاکہ وہ امن و جنگ کے زمانے میں بھی اپنے فرائض بخوبی سرانجام دے سکیں۔

المختصر یورپ میں تحریک احیائے علوم کے تعلیم پر اثرات کے نتیجے میں اہل یورپ کی زندگیوں میں نکھار آگیا اور انہوں نے اس قدر لگن اور محنت سے کام کیا کہ پوری دنیا پر چھا گئے اور انہیں اپنا غلام بنا لیا۔ اب کے ایک بار پھر یورپ مشرق و مغرب پر غالب ہو چلا ہے جو کہ مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ اور عبرت کا نمونہ بھی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

علامہ اقبال کے الفاظ:-

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے؟۔۔۔۔۔۔۔۔؟
وہ کیا گردوں تھا جس کا ہے تو اک ٹوٹا ہوا تارا؟۔۔۔۔۔۔۔؟

نواں باب

# جان اموس کومینئیس

## ۱۵۹۲ء تا ۱۶۷۰ء

Comenius:

**سوانح حیات** سترھویں صدی عیسوی کا مشہور مفکرِ تعلیم کومینئیس جان اموس ۱۵۹۲ء میں یورپ کی ریاست موراویا کے گاؤں نیوٹمنزا میں پیدا ہوا۔ بدقسمتی سے کہ ابھی وہ بچہ ہی تھا کہ اس کے والدین وبا کی نذر ہو گئے کومینئیس کا والد کافی امیر تھا۔ مگر اس کے رشتہ داروں نے اس کے والد کی جائیداد پر قبضہ کر لیا جس سے کومینئیس بے یار و مددگار در بدر کی ٹھوکریں کھانے لگا۔ لیکن نامساعد حالات کے باوجود اس نے اپنی تعلیم کو جاری رکھا۔ کیونکہ اس کے دل میں پادری بننے کا جذبہ موجزن تھا کومینئیس نے جذبہ شوق کی تکمیل کے لئے ۱۶۱۲ء میں جرمنی کے ہربورن ہائی سکول میں داخلہ لیا۔ جلد ہی اس کی خواہش پوری ہوئی اور اسے عیسائی فرقے کے سکول کا چارج مل گیا۔ جہاں پر کومینئیس نے اپنے نظریات کے مطابق تدریسی طریقے شروع کر دیئے اور آہستہ آہستہ روایتی معاشرتی طریقوں کی اصلاح کرتا گیا۔ کومینئیس نے اپنے تجربات کی روشنی میں تعلیمی اصلاح پر مختلف رسائل اور اخبارات میں مضامین لکھے۔ ۱۶۲۴ء میں یورپ مذہبی لڑائیوں کی لپیٹ میں لپٹا ہوا اور عیسائی پروٹسٹنٹ فرقہ کے لوگ زیرِ عتاب تھے۔ کومینئیس بھی اس فرقہ ورانہ لڑائی سے محفوظ نہ رہ سکا کیونکہ وہ بھی پروٹسٹنٹ مذہب کا پیروکار تھا۔ آخر کار مذہبی امتیاز کی بنا پر بدسلوکی سے بچنے کے لئے اسے ترک وطن ہونا پڑا۔ کومینئیس کو پولینڈ کے ایک دیہاتی قصبہ لیزا میں پناہ لینی پڑی۔

کومینئیس یہاں پر بھی خاموش نہ بیٹھا اس نے ایک پرائمری اور ایک ثانوی درجہ کا سکول کھول لیا اور طلبا کو آسان طریقے سے لاطینی زبان سکھانے کے اصول بتانے شروع کر دیئے جلد ہی وہ اپنی قابلیت کی بنا پر مشہور ہو گیا۔ اسی اثنا میں اس نے تعلیم طریقہ تدریس پر ایک مایہ ناز تصنیف The great didactic لکھی جو

کافی مشہور ہوئی۔ اس کے فوراً بعد ۱۶۳۱ء میں کومینیئس نے ایک اور مشہور زمانہ کتاب Gates of tongues unlocked تحریر کی جب منظر عام پر آئی تو کومینیئس کے جدید افکار کی شہرت پورے یورپ میں پھیل گئی کومینیئس کی کتاب کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا جس سے اس کی شہرت چہار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ ۱۶۳۸ء میں حکومت سویڈن نے اُسے اپنے سکولوں کی تنظیم نو کیلئے دعوت دی وہ خود تو نہ جاسکا مگر اس نے اس ضمن میں مشورے ضرور دیتے۔

انگلستان میں بھی کچھ عرصہ کیلئے تعلیمی اصلاحات کے سلسلے میں قیام کیا۔ اسی وجہ سے کومینیئس کے فلسفہ تعلیم پر "بیکن" کے افکار کی جھلک نظر آتی ہے۔ کومینیئس کو فرانس اور سویڈن میں آنے کے ایک بار پھر دعوت نامے ملے۔ لیکن کومینیئس نے سویڈن میں جانے کا فیصلہ کیا اور وہاں کی "اپسال" یونیورسٹی میں تعلیمی مسائل پر تحقیق کی۔ اس کے بعد کومینیئس واپس وطن لوٹ آیا۔ کومینیئس کو بشپ کے عہدہ کی پیش کش کی گئی تو اُس نے اُسے بخوشی قبول کر لیا۔ لیکن وہ اُس کے ساتھ ساتھ اپنی تمام تر توجہ سائنس آف ایجوکیشن کی طرف مبذول کئے رکھی اور اسی دوران اُس نے Saad Patak کے مقام پر ایک مثالی سکول کی بنیاد رکھی۔ ۱۶۵۴ء میں سویڈن نے پولینڈ پر حملہ کر دیا۔ بحالی امن کی صورت میں پولینڈ کا شہر لیزنا سویڈن کے حصہ میں آیا تو سویڈن والوں نے شہر کو خوب لوٹا جس سے کومینیئس کا گھر بار تباہ ہو گیا۔

**تصانیف** کومینیئس کی تمام تصانیف اور کتابیں اسی افتادہ کی لپیٹ میں آگئیں۔ جس کا ساری زندگی کومینیئس کو افسوس رہا۔ پروفیسر لاری کے قول کے مطابق کومینیئس نے کوئی بیالیس کتابیں صرف تعلیم پر ہی لکھیں جن میں سے مندرجہ ذیل بہت مشہور ہیں۔

1. The great didactic
2. Gates of tongues unlocked
3. The way of light
4. Pansoph

5. The labyrinth of the world and the paradise of the heart.
6. The world of sensed objects in Paradise.

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ کومنیئس نے لاطینی زبان میں نصاب پر مشتمل کئی درسی کتب تصنیف کیں اور پوری زندگی عالمگیر محبت کا درس دیتا رہا۔

**وفات** کومنیئس جان اموس اٹھہتر برس کی عمر میں ۱۶۷۰ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا۔

## فلسفۂ حیات

جان اموس کومنیئس کا فلسفۂ حیات " عالمگیریت کا دعویدار ہے۔ کومنیئس اپنی مختلف تصانیف کے ذریعے انسانی زندگی گزارنے کے کچھ اصول وضع کرتا ہے اس کے نزدیک کامیاب زندگی گزارنے کے لیئے یہ اصول روشن ستارہ کی مانند ہیں کہ جن کی روشنی میں سفرِ زندگی سہل اور کامیاب گزارہ جا سکتا ہے۔

کومنیئس ایک مذہبی آدمی ہے اور اپنے مذہب کے عالمگیر ہونے کا داعی ہے اُس کے نزدیک انسانیت کی کامیابی مذہب کی پیروی میں پنہاں ہے۔ وہ اپنے فلسفۂ حیات میں مذہبی پیشواؤں کی زندگیوں کو مثالی نمونہ کی حیثیت سے پیش کرتا ہے کہ جس طرح ماضی قریب اور بعید میں ہمارے مذہبی رہنماؤں نے دنیا کی مشکلات سے نجات پانے کی خاطر مذہبی احکامات پر عمل کیا اور کامیاب زندگی گزاری تو آج بھی ہم مذہب کو اپنا لیں اور مذہبی تعلیمات پر مکمل عمل کرنے والے بن جائیں تو یقیناً ہم کامیاب ٹھہریں گے۔

کومنیئس کے نزدیک اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ جہاں پر انسان کا حساب و کتاب ہونا ہے اور اُس سے اِس محدود اور چند روزہ زندگی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ کہ کیسے گزاری۔ کسی کا ناحق مال تلف تو نہیں کیا۔ کسی کو کوئی دکھ یا تکلیف تو نہیں پہنچائی۔ یعنی انسان سے اس کے ہر فعل کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ کومنیئس

چونکہ عیسائی مذہب کا پیروکار ہے اس بنا پر اُس کے فلسفۂ حیات میں قیامت اور جنت دوزخ کا تصور ملتا ہے۔

کونفیوشس اپنے فلسفۂ حیات کو عالمگیر حیاتی فلسفہ قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک "نیکی ایک علم ہے" لہذا اس علم کی روشنی میں دنیا کو نیکی، پیار و محبت اور اخوت کا درس دیا جائے۔ علم کی روشنی کو ہر جگہ پھیلایا جائے یہی انسانیت کی معراج ہے۔ کونفیوشس انسان کو علم و عقل، نیکی، پارسائی، اور خدا ترسی کا خزانہ قرار دیتا ہے کہ انسان میں یہ ایسی کرنیں ہیں جو کبھی نہ ختم ہونے والی ہیں اور یہ کرنیں باہم مستقل ہوتی رہتی ہیں۔ کونفیوشس کا فلسفۂ حیات دو باتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

۱۔ انسانی فطرت میں بے پناہ ممکنات ہیں۔

۲۔ انسان کو زندگی میں قسمت کی طرف اکثر غیر یقینی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے لہذا انسان کو فطری اور قدرتی و مذہبی تعلیم سے روشناس ہونا چاہیئے۔

کونفیوشس اپنے فلسفۂ حیات کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ دنیا کے سب انسانوں کو نیکی کی تعلیم دی جائے۔ خاص طور پر حیا، عفت، ملنساری اور شائستگی سکھائی جائے اور ان میں نسلی و معاشرتی امتیازات پیدا نہ ہونے دیئے جائیں جو کہ معاشرے کی بقا کے لئے ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اپنے فلسفۂ حیات کے توسط سے کونفیوشس ایسی عالمگیر تعلیم کا خواہاں ہے کہ جو انسانوں میں عالمی اخوت اور خدا ترسی کا جذبہ پیدا کرے انہیں نیک، سنجیدہ، محنتی، سمجھدار اور معزز بنا ڈالے۔

کونفیوشس کے نزدیک دنیاوی زندگی دکھ درد دھوکا فریب، جھوٹ، ظلم و تشدد، نفرت و بیزاری کا گھر ہے۔ صرف وہ انسان ان آلام سے بچ سکے گا۔ جو خدا کی طرف رجوع کرے گا۔ جس سے اُسے خدا کی معرفت عطا ہو جائے گی اور زندگی میں اُسے سکون اور اطمینانِ قلب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نصیب ہوگا۔ اور کبھی بھی اس دنیا میں کسی قسم کی پریشانی لاحق نہ ہوگی بلکہ وہ لوگوں کیلئے راہ ہدایت کا ذریعہ و نمونہ ہوگا۔ اور تو اور خود اس کا اپنا دل اور ضمیر اسقدر خوش و خرم و مطمئن ہوگا کہ وہ ہر وقت خدمت انسانیت کے لئے سرشار و تیار ہوگا۔

# فلسفۂ تعلیم

یورپ کے مشہور مفکر تعلیم جان اموس کومینئیس کا فلسفۂ تعلیم اُس کی مشہورِ زمانہ تصنیف The labyrinth of the world میں واضح طور پر ملتا ہے۔ اس کے نزدیک تعلیم کی خاص اہمیت ہے اور وہ یوں بیان کرتا ہے۔

"کہ تعلیم میں بچہ کی فطرت اور انسانی دماغ کے طریقۂ کار کو مدنظر رکھا جائے"

مزید بیان کرتا ہے "کہ تعلیم کی بنیاد بچہ کے قدرتی نشوونما کے اصولوں کے مطابق ہونی چاہیئے"

کومینئیس پہلا مفکر تعلیم ہے کہ جس نے یونیورسل ایجوکیشن کا تصور پیش کیا کہ:-

۱:- سب انسانوں کو تعلیم دی جائے۔

۲:- خدا کی طرف رجوع پیدا کیا جائے۔

۳:- دنیا کی تمام برائیوں سے بچا جائے۔

کومینئیس کے فلسفۂ تعلیم کو سمجھنے کے لئے اس کے پیش کردہ "کائناتی دانش" کے تصور کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ کومینئیس تمام علوم کو یکجا کر کے سمجھنے اور ان میں باہمی ربط و حکمت اور دانش کی تلاش کرنا چاہتا ہے۔ اُس کا فلسفۂ تعلیم عضویاتی تصور کا عکس ہے۔ جس میں اتحاد و مطابقت اور ربط ہے۔ جیسے جسمِ انسانی کے اعضاء میں ربط اور مطابقت پائی جاتی ہے۔ کومینئیس کا یہ خیال ہے کہ اگر خدا، فطرت اور آرٹ کے تمام موجودہ علوم کو یکجا کر کے سائنسی رنگ میں ڈھال کر پیش کر دیا جائے تو وہ ایک حقیقی اور اٹل علم ہوگا۔ اور وہ اس علم کو "کائناتی دانش" کے نام منسوب کرتا ہے۔ کائناتی دانش سے مراد تمام لوگوں کا تمام چیزوں کے بارے میں جاننا اور اپنے آپ پر ضبط کرتے ہوئے انہیں تسخیر کرنا ہے۔

کومینئیس کے خیال میں "کہ دنیا ایک بڑا اسکول ہے جو اساتذہ طلباء اور

مختلف مضامین پر مشتمل ہے اور ہر شخص میں قدرت کی طرف سے اس میں سیکھنے دریافت کرنے اور اس علم کو دوسروں تک پہنچانے کی فطری اور پیدائشی خواہش موجود ہے" اور اس خواہش کی تکمیل کو وہ "علم" گردانتا ہے۔

کومینئیس اس بات پر زور دیتا ہے کہ تعلیم فطرت کے اصولوں کے مطابق دی جائے تعلیم کے حصول میں کسی قسم کا کوئی دباؤ نہ ہو۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جس طرح مچھلی کا بچہ خود بخود تیرنا سیکھ لیتا ہے۔ پرندے خود بخود اڑنا سیکھ لیتے ہیں چوپائے بھاگنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ سب فطرت کے تحت خود بخود اپنی اصلیت کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں۔ تو اسی طرح انسان بھی خود بخود فطری ماحول میں سیکھ سکتا ہے۔

کومینئیس سے پہلے یورپ میں کئی تعلیمی اصلاحات ہو چکی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود تعلیم صرف شرفاء، حکمرانوں اور مخصوص طبقہ تک ہی محدود تھی۔ لیکن اس نے اپنے فلسفۂ تعلیم میں اپنی تمام کوششیں معاشرے کے ہر فرد کی طرف کیں اور اسے تعلیم کی رغبت دلائی۔

کومینئیس نے عام تصور تعلیم پیش کیا اور کہا کہ "تعلیم تمام انسانوں کو دی جائے اور انہیں سب کچھ سکھایا جائے"

کومینئیس کا یہ مشہور قول ہے کہ "جہالت بدی ہے اور علم خواہ برائی ہی کا کیوں ہو نیکی ہے" کیونکہ علم روشنی ہے اور علم سے سچائی کی تلاش میں مدد ملتی ہے۔ سچا علم خدا کی معرفت اور دنیا کا فہم عطا کرتا ہے۔ کومینئیس کے تعلیمی نظریئے کی بنیاد مذہب پر رکھی گئی ہے اور وہ تعلیم میں عالمگیر حقیقت کو تسلیم کرتا ہے۔

کومینئیس کے فلسفۂ تعلیم میں حواس خمسہ سے استفادہ پر زور دیا گیا ہے اور جذبۂ تجسس کا سامان فراہم کیا گیا ہے۔ بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں کہتا ہے کہ انہیں خوشگوار ماحول میں تعلیم دی جائے۔ موسمی حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے وضاحت کرتا ہے کہ جس طرح کسان موسم کے لحاظ سے فصل اگاتا ہے۔ اسی مناسبت سے بچوں کی عمروں

کا خاص خیال رکھتے ہوئے تعلیم دی جائے۔ طلبار کو سبقی اعادہ کی صورت میں متواتر مشق کرائی جائے تاکہ ان کی ذہنی صلاحیتوں کی نشوونما ہو سکے آخر میں کومینئس کہتا ہے کہ ہمیں اپنے اساتذہ کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ اُس کے نزدیک علمارِ کرام کسی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا حکومت اور سکول انتظامیہ کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اچھے اساتذہ کی حوصلہ افزائی کریں۔ انہیں انعام واکرام سے بھی نوازیں اور اساتذہ کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ بچوں کو پیار ومحبت سے پڑھائیں

**مقاصد تعلیم** کومینئس نے جن مقاصد تعلیم کا اپنے فلسفۂ تعلیم میں تعین کیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ کومینئس کے نزدیک تعلیم کا سب سے پہلا مقصد خدا کی ذات کی طرف رجوع کرنا ہے
۲۔ اُس کے نزدیک نیکی (تعلیم) کو عام کرنا ہے یا روشنی کو پھیلانا ہے۔
۳۔ کومینئس عالمی اخوت کو مقصد تعلیم گردانتا ہے
۴۔ کومینئس کے نزدیک تعلیم کا سب سے اہم مقصد اُمرار اور غربار کے درمیان تضاد کو مٹانا قرار دیتا ہے۔
۵۔ تعلیم کا مقصد اخلاقی تربیت گردانتا ہے تاکہ معاشرہ کا ہر فرد اچھے کردار کا مالک بن سکے
۶۔ نوجوانوں کو با اعتماد اور حیثیت بنانا مقصد تعلیم قرار دیتا ہے۔
۷۔ کومینئس تعلیم کے ذریعے سب لوگوں میں ایک دوسرے سے محبت واخوت وہمدردی کے جذبات اُبھارنا چاہتا ہے۔
۸۔ کومینئس فکر کی آزادی کو مقصدِ تعلیم ٹھہراتا ہے۔

**نصاب تعلیم**۔ کومینئس کے تجویز کردہ نصاب کے مطابق ایسا نصاب تیار کیا جائے جس کو ہر فرد آسانی کے ساتھ عبور کر سکے۔

کومینئس کے نزدیک نصاب تعلیم اس قسم کا ہونا چاہیئے جو فرد کو معاشرے کی تمام برائیوں سے ہٹا کر عقلمند، نیک اور پارسا بنائے۔ کومینئس کا خیال ہے کہ ایسے تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں جہاں پر بچوں کو دنیا اور آخرت کی زندگی گزارنے کے لئے بہترین گر سکھلائے

جائیں تاکہ انہیں اس دنیا میں متقی اور پارسا بن کر رہنے کا ڈھنگ آجائے۔ نصاب میں اس قسم کے مضامین شامل ہونے چاہئیں۔ جو لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیں تاکہ ان میں حیا، عفت ملنساری اور شائستگی جیسی صلاحیتیں پیدا ہو سکیں۔ نصاب میں ایسے مضامین شامل نہ کئے جائیں جن سے اخلاق پراگندہ ہوں اور منفی سوچ کا رجحان بڑھے بلکہ سکول سے بھی باہر ایسی کتابوں سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے جو اعلیٰ اخلاقی تعلیم میں بدنظمی پیدا کرنے کا موجب بنیں۔

کومینئیس کے نزدیک نصاب کیلئے علماء تعلیمی اداروں میں اس قسم کی کتابیں استعمال کریں جو علم و عقل۔ نیکی و پارسائی اور خدا ترسی کا خزانہ ہوں۔ نصاب میں مختلف طبعی عمروں کو مدنظر رکھتے ہوئے کھیل کود، نمائشی ڈرائنگ، گانا بجانا، اخلاقی تعلیم، قصے کہانیاں، تاریخی ناول، ملکی وغیر ملکی زبانیں، فزکس، ریاضی، علوم فلکیات، دینیات وغیرہ کو شامل نصاب کرتا ہے۔

## طریقہ تدریس

کومینئیس نے اپنے فلسفہ تعلیم میں بچوں کے طریقہ تعلیم پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس کے نزدیک بچے معصوم ہوتے ہیں۔ لہذا ان بچوں کی معصومانہ انداز میں تربیت کی جائے۔ کومینئیس اپنے تعلیمی نظریات بیان کرتے ہوئے رائج الوقت روائتی طریقہ تدریس پر شدید نکتہ چینی اور نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ اور یہ بیان کرتا ہے کہ یہاں کا طریقہ تعلیم بڑا ظالمانہ ہے۔ بچوں کو معمولی معمولی غلطیوں پر سخت قسم کی سزا دی جاتی ہے یہاں تک کہ ان کی گالوں، پٹھوں اور سروں پر چوٹ کے نشانات پڑ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اُن کے بدن سے خون بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے معصوم بچوں کے دلوں میں علم و ادب اور کتب سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور تعلیم ڈراؤنا خواب کی حیثیت بن کر رہ جاتی ہے۔

کومینئیس مزید وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ ہر استاد کا اپنا ذاتی علیحدہ طریقہ تدریس ہے۔ کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کون سا طریقہ تدریس استعمال کیا جا رہا ہے

اس سلسلے میں کومینئیس درج ذیل طریقہ ہائے تدریس کی نشاندھی کر کے ان خامیوں کو دور کرنے کی تجاویز پیش کی ہیں۔

**١:- تدریس بذریعہ خواص خمسہ**

کومینئیس نے اپنے طریقہ تدریس میں خواص خمسہ کے استعمال سے تعلیم حاصل کرنے پر زور دیتا ہے اس کے نزدیک بچہ ایک صاف سلیٹ کی مانند ہے لہذا جو کچھ وہ دیکھتا ہے۔ وہی کچھ کرنے لگ جاتا ہے۔ لہذا حواس کے ذریعے بچوں کو تعلیم دی جائے۔

**٢:- ذہنی استعداد کے مطابق**

کومینئیس اپنے طریقہ تدریس میں اس بات پر زور دیتا ہے کہ طلبار کے معیار اور ان کی استعداد کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی تربیت کی جائے تاکہ وہ آسانی کے ساتھ خوش اسلوبی سے تعلیم حاصل کر پائیں

**٣:- تدریس میں جبر و تشدد کی مخالفت**

کومینئیس دوران تدریس جبر و تشدد کو سختی سے منع کرتا ہے کیونکہ اس سے طلبار کی ذہنی صلاحیتیں اور قدرتی صلاحیتیں دب جاتی ہیں۔ طلبار کو پڑھائی کی طرف آمادہ کرنے کے لئے نہ مارا اور پیٹا جائے بلکہ ان سے مشفقانہ اور ہمدردانہ رویہ اختیار کیا جائے۔

**٤:- علم کو دوسروں کی طرف منتقل کرنا**

کومینئیس طریقہ تدریس میں اس نظریئے کا قائل ہے کہ علم کو بطور امانت دوسروں کی طرف احتیاط کے ساتھ منتقل کر دیا جائے۔ تدریس میں آسان زبان استعمال کی جائے

**٥:- استقرائی طریقہ تدریس**

کومینئیس استقرائی طریقہ تدریس کی پر زور سفارش کرتا ہے کہ دوران سبق مثالیں دیتے ہوئے اصولوں اور قوانین تک پہنچا جائے۔ کومینئیس کہتا ہے کہ تدریس کا فن کمال اسی میں ہے کہ وقت تدریس مضمون اور طریقہ تدریس کو سلیقہ سے ترتیب دیا جائے۔

**٦:- میلان طبع**

کومینئیس کے نزدیک بچوں کو ان کے میلان طبع کے مطابق تعلیم دی جائے۔ اگر وہ کھیل کھیل میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو کھیل سے تعلیم دی جائے اگر وہ موسیقی کے انداز میں پڑھنا چاہتے ہیں تو

اُن کو اسی طرح پڑھایا جائے۔ یہی ایک کامیاب تدریس ہے

**۷:- مادری زبان کا استعمال** کومینیس اپنے طریقۂ تدریس میں مادری زبان پر زیادہ زور دیا ہے اور کہتا ہے کہ بچوں کو شروع میں ان کی مادری زبان میں ان کو تعلیم دی جائے۔ پھر اس کے ذریعے آہستہ آہستہ دوسری زبانوں میں رغبت دلائی جائے۔ کومینیس کہتا ہے کہ مادری زبان سیکھے بغیر بچوں کو غیر ملکی زبان سکھلانا ایسے ہے جیسے بچوں کو چلنے پھرنے سے پہلے گھوڑ سواری کی تربیت دینا۔

**۸:- خوش اسلوبی** کومینیس کے نزدیک طریقۂ تدریس ایسا ہو کہ جس میں ہمدردی اور خوش اسلوبی کا اظہار ہوتا ہو، تاکہ طلبار محبت و دلچسپی سے پڑھائی کی طرف راغب ہوں۔ تاکہ انہیں پیار و محبت سے پڑھنے پر آمادہ کیا جا سکے۔ اگر بچے کے ساتھ سختی کی جائے گی تو طلبار پڑھائی سے بیزار اور متنفر ہو جائیں گے۔

**۹:- اساتذہ کا انتخاب** کومینیس کے نزدیک فلسفۂ تعلیم کو کامیاب بنانے اور اچھے طریقۂ تدریس پر عمل کرنے کے لئے بہترین اساتذہ کا چناؤ نہایت ضروری ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اساتذہ ایسے ہوں جو طلبار کو احسن طور پر گائیڈ کر سکیں۔ جو کہ نیک، سنجیدہ، معزز، محنتی اور سمجھدار ہوں جو کہ اصول تعلیم اور طریقہ ہائے تدریس سے واقفیت رکھتے ہوں

**۱۰:- اصولِ فطرت** کومینیس اپنے طریقہ تدریس میں وضاحت کرتے ہوئے یوں بیان کرتا ہے کہ تدریس فطری اصولوں کے مطابق ہونی چاہیئے۔ تاکہ بچہ آزادانہ طور پر فطری ماحول میں اپنی اندرونی فطری صلاحیتوں کو پروان چڑھا سکے۔ کومینیس تدریس میں اصولِ فطرت کو ہی اُستاد مانتا ہے کہ بچہ خود بخود فطری طور پر عمر کی اگلی منزلیں طے کرتا جاتا ہے اور یہی طریقہ کامیاب طریقۂ تدریس کہلاتا ہے کومینیس کے نزدیک تعلیم کو فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہونا چاہیئے۔

**تعلیم نسواں**

کومینئیس کے فلسفۂ تعلیم کے مطالعہ سے عورتوں کی تعلیم کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ کومینئیس نے تعلیم نسواں پر بھی اپنے قلم کو اٹھایا کیونکہ اس نے اس بات پر توجہ دلائی کہ مرد کے ساتھ ساتھ عورت کے بھی کچھ حقوق ہیں لہذا عورتوں کے حقوق کی پاسداری کرنا ہمارا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔

کومینئیس عورتوں کی تعلیم پر ہر پیشہ کو اپنانے کا مشورہ دیتا ہے کہ عورت کو آزادی ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جس قسم کی پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنا چاہئیں کر سکتی ہیں۔

کومینئیس اپنی درس گاہ میں عورتوں کی تعلیم کیلئے علیحدہ کلاسز کا انتظام کرتا۔ اس کے نزدیک بچے جب عورتوں سے تعلیم حاصل کرتے ہیں تو بچوں کو دلی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ کومینئیس کہتا ہے کہ بچے پھول ہوتے ہیں۔ لہذا پھولوں کو سجا کر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

کومینئیس عورتوں کے لئے کسی خاص نصاب کا تعین نہیں کرتا۔ البتہ اختیاری مضامین میں سے کوئی سے مضامین چن لئے جائیں تو بہتر سمجھتا ہے اور اس میں خصوصاً ادب، گھریلو کام کاج وغیرہ کو پسند کرتا ہے۔ تعلیم نسواں کے بارے ایک مقام پر یوں بیان کرتا ہے کہ:۔

"خداوند نے عورتوں کو مردوں کے برابر ذہنی صلاحتیں اور حصول علم کی استعداد عطا کی ہے"

اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ عورتوں کو بھی تعلیمی میدان میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے مواقع میسر ہونے چاہئیں۔ تاکہ وہ بھی زندگی میں اپنی صلاحیتوں کی بنا پر اعلیٰ مقام حاصل کر سکیں۔ اس کے علاوہ کئی اور مثالیں بھی پیش کرتا ہے کہ موجودہ صدی میں جس طرح عورتیں اپنی اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کی وجہ سے بعض ممالک میں حکومتیں چلا رہی ہیں تو کیوں نہ اس بنا پر عورتوں کو باقاعدہ ہر قسمی تعلیم سے بہرہ ور کیا جائے

**شاندار عمارت مدرسہ**

کومینئیس اپنے فلسفۂ تعلیم میں مختلف تصانیف کے ذریعے شاندار عمارت مدرسہ کا تصور پیش کرتا ہے۔ اس کے نزدیک مدرسہ کی عمارت خوبصورت اور نہایت شاندار ہو۔ جہاں پر طلباء ذہنی، روحانی اور فطری خوشی محسوس کریں۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر گھل مل

جائیں کہ گھر کی یاد تک بھلا بیٹھیں۔ کومینئیس کے نزدیک مدرسہ کی عمارت شاندار، وسیع صاف اور روشن ہو جس کے چاروں طرف باغ اور وسیع کھیل کے میدان ہوں۔ تدریسی کمرے مختلف سمعی بصری اعانات سے آراستہ و پیراستہ ہونے چاہئیں۔

مدرسہ کی عمارت کو اندرونی اور بیرونی طور پر مختلف تصاویر، مذہبی گیت اور اقوال زریں سے سجایا جانا چاہیئے اور یہ شاندار عمارت شہری آبادی سے دور ہو جہاں پر کسی قسم کا شور شرابا نہ ہو بلکہ انہیں سکون اور اطمینان کا خوشگوار ماحول میسر ہو۔ جہاں پر طلبا کسی قسم کی گھٹن کا شکار نہ ہوں بلکہ وہ اس خوشگوار ماحول میں طبعی خوشی محسوس کر رہے ہوں اور اپنی اس شاندار عمارت پر فخر محسوس کرتے ہوں

کئی صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی کومینئیس کے مدرسہ کی عمارت کے ڈیزائن کو مدنظر رکھتے ہوئے جدید طرز کے تعلیمی مدرسے بنائے جاتے ہیں

## احترام استاد

کومینئیس یورپ کا وہ پہلا مفکر تعلیم ہے کہ جس نے استاد کے احترام کو اپنے تعلیمی نصاب میں سرفہرست رکھا ہے۔ اس کے نزدیک استاد کا احترام نہایت ہی ضروری ہے۔

کومینئیس احترام استاد کو انسانیت کی عزت نفس کا تقدس و تقدم قرار دیتا ہے اس کے نزدیک علمار کرام اپنی قوم کا قیمتی اور انمول سرمایہ ہیں جو معاشرہ کی فلاح و بہبود میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ علمار کرام کی کاوشوں سے ہی قومیں عروج کی طرف گامزن نظر آتی ہیں۔ کومینئیس اپنے مختلف مقالات اور لیکچرز کے ذریعے پوری دنیا کو اُستاد کے مقام و مرتبے کے پہچاننے اور احترام کا درس دیتا ہے اور اپنی ایک تصنیف میں ایک جگہ یوں رقمطراز ہے کہ :۔

> ”اُستاد مقدس باپ ہے۔ مقدس باپ کے احکامات کی پیروی ہر ایک کے لئے لازم ہے۔“

کومینئیس احترام اُستاد کو عظیم مقصد حیات گردانتا ہے کہ جس کی یہی وجہ ہے کہ آج بھی اس گئے گزرے زمانے میں یورپ کے اندر جو مقام و مرتبہ اور احترام

اُستاد کو حاصل ہے۔ شاید ہی دنیا کے اندر کسی دوسرے پیشہ سے منسلک کسی فرد کو حاصل ہو۔ کومینئیس کے فلسفۂ تعلیم کا تصور اور احترام اُستاد کا درس اس قدر پرکشش ہے کہ امریکہ کا صدر ریگن مستعفی ہوتا ہے تو سب سے پہلے یونیورسٹی کا اُستاد بننے کی خواہش کا اظہار کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے اور اپنے لئے اس پیشہ کو اپنانے میں زندگی کا ایک بہت بڑا اعزاز خیال کرتا ہے۔

کومینئیس احترام اُستاد کے سلسلے میں مختلف سفارشات بھی پیش کرتا ہے اُس کے نزدیک حکومتِ وقت اور انتظامیہ پر یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اچھے قابل اور محنتی اساتذہ کی حوصلہ افزائی کریں اور انہیں ہر سال ان کی کاوشوں پر خصوصی انعامات سے نوازیں تاکہ وہ مکمل طور پر ہر دنیاوی فکر سے آزاد ہو کر طلبار کی تعلیم و تربیت میں رہنمائی کر سکیں۔ کومینئیس اساتذہ کو طلبار سے پیار و محبت کی نصیحت کرتا ہے۔ خاص کر طلبار سے سختی اور اپنی آرار کا زبردستی مسلط کرنے سے منع کرتا ہے۔ کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ طلبار تعلیم کے حصول سے باغی ہو جائیں۔

## تعلیمی مدارج یا سکیم

کومینئیس نے اپنے فلسفۂ تعلیم میں اپنے متقدمین مفکرین تعلیم کے تعلیمی افکار کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ تعلیمی سکیم یا تعلیمی مراحل کا تصور بھی پیش کیا ہے کومینئیس کے نزدیک

" بچے کی تعلیم اس کی پیدائش سے پہلے ہی شروع ہو جاتی ہے کومینئیس کہتا ہے کہ بچے ننھے فرشتے ہوتے ہیں۔ ان کی خاص کر دیکھ بھال کرنی چاہیئے اس لحاظ سے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے طبعی عمروں کو مدنظر رکھتے ہوئے مدارس کو چار مدارج میں تقسیم کرتا ہے۔

۱:- نرسری سکول (پیدائش ایک تا چھ سال)

کومینئیس چھ سال تک کی عمر کے بچوں کے لئے گھر پر ہی تربیت کرنا تجویز کرتا ہے اور اُنہیں نرسری یا مدر Mother سکول کے نام سے بھی منسوب کرتا

ہے۔ اس عمر کو وہ بچے کے لئے کھیل کود کی عمر قرار دیتا ہے۔ کومینئیس بچے کی تربیت کے لئے اس عمر کو موزوں قرار دیتا ہے۔ کومینئیس بچے کی تربیت کے لئے اس امر کا متقاضی ہے کہ گھر میں تربیت دینے کے لئے والدین نہایت تہذیب یافتہ ہوں۔ نرس یا اتالیق کی زبان شستہ ہو تاکہ نرم لہجے میں بچہ بات کرنا سیکھے اور یہ تربیت اصول فطرت کے عین مطابق ہو۔

(چھ تا بارہ سال)

۲:۔ پرائمری یا ورنیکلر سکول کومینئیس یہ ادارہ چھ سال سے زیادہ ۱۲ سال سے کم عمر کے بچوں کی تربیت کے لئے تجویز کرتا ہے۔ اس عمر کے بچے میں جسمانی ذہنی، صلاحیتوں کی نشوونما میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ اس لئے یہ پرائمری تعلیم سب کے لئے عام اور یکساں ہو۔ صرف امرا، یا شرفا، کے بچوں کے لئے مخصوص نہ ہو بلکہ کھلے عام ہر ایک کو داخلے کا حق حاصل ہو۔ بچہ کے بارے میں کہتا ہے کہ:۔

"یہ معصوم بچہ ہمارے پاس خدا کی امانت ہے۔ اس کو تاریکی میں رکھنا گناہ ہے اس لئے ہر ایک بچہ کی تربیت کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس عمر کے بچوں کو لکھنا پڑھنا، گنتی، حساب کتاب کرنا، ڈرائنگ، تاریخ جغرافیہ اور اخلاق تعلیم کی تربیت دی جائے"

(بارہ تا اٹھارہ سال)

۳:۔ ثانوی سکول (لاطینی) کومینئیس ثانوی تعلیم کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے رکھنا لازم قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اس عمر میں ذہنی، جسمانی نشوونما میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہوتا ہے اور یہ سن بلوغت کو پہنچنے کا دور شمار کیا جاتا ہے۔ لہذا دوسرے مضامین کے ساتھ جنسی تعلیم کا بھی خاص خیال رکھا جائے۔

(اٹھارہ سے چوبیس سال)

۴:۔ پیشہ ورانہ یا یونیورسٹی تعلیم کومینئیس اٹھارہ سے چوبیس سال تک نوجوانوں کے لئے یونیورسٹی کی تعلیم تجویز کرتا ہے۔ جہاں پر طلبا، کو ان کی پسند کے مطابق اُن کے پیشوں کیلئے

تیار کیا جائے۔ اس میں داخلے کو سختی سے محدود کیا جائے صرف ذہین اور قابل ہونے کی بنا پر داخلہ دیا جائے۔ جو داخلے سے رہ جائیں انہیں مناسب پیشوں مثلاً زراعت میکانیات وغیرہ کے دوسرے پیشے اختیار کرائے جائیں۔

**تنقید و تبصرہ**

جان اموس کومینئیس کے فلسفہ تعلیم کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کومینئیس اپنے زمانہ کا ہی نہیں بلکہ جدید دور کا بھی عظیم مفکر تعلیم تسلیم کیا جاتا ہے۔ جدید دور کے ماہرین تعلیم نے کومینئیس کے تعلیمی افکار سے خاصی رہنمائی حاصل کی ہے۔ کیونکہ کومینئیس کا تجویز کردہ تدریسی طریقہ تعلیم میں اصول فطرت کی ترجمانی کرتا ہے۔

کومینئیس نے اپنے طریقہ تعلیم میں نفسیات کے تحت بچوں کی رہنمائی کے اصول وضع کر کے نئے بنیادی اصولوں کی راہیں متعین کی ہیں جو کہ بچے کے عین فطری تقاضوں کے مطابق ہیں۔

کومینئیس کے اس نعرہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ تعلیم ہر انسان کا بنیادی حق ہے لہذا اُسے حسب استعداد ضرور مواقع میسر ہونے چاہئیں

کومینئیس کا فلسفہ تعلیم فطرت کی ترجمانی کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے تعلیمی افکار میں فرد اور بچے کی تعلیم فطری ماحول میں کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنے فلسفہ تعلیم کی بنا پر عوام کا نمائندہ نظر آتا ہے۔ کیونکہ وہ اس قسم کی تعلیم کا حامی و دعویدار ہے۔ جس سے تمام افرادِ معاشرہ یکساں لحاظ سے استفادہ کر سکیں۔

اُس کے نزدیک معاشرتی استحصال کے خاتمے کا علاج صرف اور صرف جمہوری اور فطری تعلیم میں ہی پنہاں ہے۔ کیوں کہ وہ امیروں اور غریبوں کے بچوں کے لئے یکساں قسم کا نصاب تجویز کرتا ہے۔ اُس کے نزدیک بچے چاہے اُمراء کے ہوں یا غرباء کے سب ہی معصوم بچے ہیں اور ان معصوموں کی خواہشات بھی تقریباً ایک جیسی ہوتی ہیں۔ لہذا بچوں کی خواہشات کی تکمیل کے لئے ہمہ قسمی سہولیات میسر کرنا معاشرہ کا فرض اوّلین بنتا ہے۔

کومینئیس کی تصانیف کے مطالعہ سے یہ احساس ہوتا ہے کہ اُس نے کبھی بھی اپنے آپ کو بطور ماہر نفسیات پیش نہیں کیا۔ بلکہ ایک عملی انسان ہونے کا ثبوت فراہم

گیا ہے تعلیمی مسائل کے سمجھنے اور حل کرنے میں کومینئس کا ذہن تیز اور بالکل صاف تھا، کومینئس کے نزدیک ہر فرد کو اتنی تعلیم دی جائے کہ جس سے وہ سوسائٹی کا باشعور رکن بن سکے اور ایسی تعلیم و تربیت ہو جس سے اس کی فطری صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جا سکے۔ کومینئس نے اس طرح ہمارے سامنے تعلیم کا ایک عمدہ نمونہ پیش کیا ہے۔

کومینئس کا یہ نعرہ "کہ تعلیم کا حاصل کرنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے" انقلابی شہرت کا باعث بنا۔ کومینئس نے فلسفہ تعلیم میں اخلاقی تعلیم و تربیت کو اول مقصد تعلیم قرار دیکر تعلیمی دنیا میں بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ جس سے آج بھی اُسے "عالمگیر تعلیم فطرت کا مبلغ" قرار دیا جاتا ہے۔

کومینئس نے اپنے طریقہ تعلیم میں خدا کی طرف رجوع کو سب سے پہلا مقصد تعلیم قرار دے کر مذہب کی پرچار کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے، جس سے نہ صرف اخلاقی تعلیم کی تکمیل ہوتی ہے بلکہ دنیاوی علوم سے بھی آگاہی نصیب ہوتی ہے اور بچوں کی ذہنی صلاحتیں یکساں پروان چڑھتی ہیں۔ کومینئس اپنے طریقہ تعلیم میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے یکساں تعلیم کا دعویدار تھا۔

لیکن یہ ناممکن ہے کیونکہ عورتیں صنف نازک ہونے کے ناطے سے مردوں جیسی تعلیم حاصل نہیں کر سکتی۔ کومینئس نے سمعی و بصری اعانات کے استعمال پر کافی شہرت حاصل کی جو کہ جدید طریقہ تعلیم تصور کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ کومینئس کے فلسفہ تعلیم میں چند ایک کمزوریوں کی طرف نشاندھی بھی کرائی گئی ہے۔ کہ وہ یونیورسٹی کی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے حصول میں داخلے پر قابلیت کی پابندی لگا کر ناانصافی کا مرتکب ہوتا ہے۔ کسی کے لئے تعلیم (روشنی) کے دروازے بند کر دینا انتہائی ظلم کے مترادف ہے۔ کومینئس کا یہ نظریہ جدید دور میں ہرگز ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

کومینئس کامل انسان بننے کے لئے مکمل علم کے حصول کا نظریہ پیش کرتا ہے جبکہ جدید دور میں علوم اتنی وسعت اختیار کر چکے ہیں کہ اب انسان کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ ہر شعبہ میں مکمل تعلیم حاصل کرے مندرجہ بالا اعتراضات کے باوجود پھر بھی کومینئس کے طریقہ تعلیم میں آسان طریقہ تعلیم سادہ پُرکشش اور بزرگوں کے احترام جیسی خصوصیات جھلکتی نظر آتی ہیں۔

دسواں باب

# جین جیکوئس روسو
# Rousseau
## ۱۷۱۲ء تا ۱۷۷۸ء

**سوانح حیات:-** اٹھارویں صدی عیسوی کا عظیم مفکر تعلیم جان جیکوئس روسو ۲۸ ر جون ۱۷۱۲ء کو بمقام جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں پیدا ہوا۔ روسو کے آباؤ اجداد نے مذہبی سختیوں کی وجہ سے پیرس سے ترکِ سکونت کی اور جنیوا میں آباد ہو گئے۔ روسو غریب خاندان سے تعلق رکھتا تھا جبکہ اس کا والد ایک معمولی گھڑی ساز تھا۔ اُس کی والدہ اس کی پیدائش کے ایک ہفتہ بعد فوت ہو گئیں۔ ماں کی وفات کے بعد اس کی زندگی دکھ تکالیف اور پریشانیوں کے دور سے گزرتی ہے اس لئے اپنی ماں کی وفات پر افسوس کرتے ہوئے اپنی تصنیف "اعترافات" میں یوں بیان کرتا ہے۔

"کہ میری ماں کو میری قیمت میں جان دینا پڑی اور میری پیدائش سے ہی میری بدقسمتی کا آغاز ہوتا ہے"

روسو کا والد علم دوست ضرور تھا۔ مگر مصروفیت کے باعث اپنے بیٹے پر کوئی خاص توجہ نہ دے سکا۔ جس سے روسو نہ تو باقاعدہ کسی تعلیمی ادارے میں پڑھ سکا اور نہ ہی احسن طور پر تربیت ہو سکی اس کا والد اُسے جو کچھ پڑھاتا وہی روسو کی تعلیم کا دائرہ تھا۔

ایک بار روسو کی ملاقات ایک راہب سے ہوئی۔ جس نے روسو پر ترس کھاتے ہوئے اُسے ایک رحمدل خاتون میڈیم وارنس کے سپرد کر دیا۔ جو ایک باشعور اور پڑھی لکھی خاتون تھی۔ جس نے مشفقانہ رویے سے ماں کی طرح روسو کی تربیت کی۔ روسو کی زندگی پر اس رحمدل خاتون کی تربیت کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ ۱۷۴۱ء میں روسو نے ایک دیہاتی دوشیزہ سے شادی کی۔ اس کے پانچ بچے پیدا ہوئے۔ جذباتی ہونے کی بنا پر انہیں یکے بعد دیگرے یتیم خانہ میں یتیم بچوں کی حیثیت سے داخل کرا دیا۔ مگر آخری عمر میں اس کو اس فعل پر بڑی ندامت ہوئی اور ۲۳ سال بعد اپنی بیوی اور بچوں کو دوبارہ باقاعدہ طور پر لے آیا۔

روسو کی والدہ ایک تعلیم یافتہ خاتون تھی۔ جس نے اپنے پیچھے ایک گراں قدر کتب خانہ

چھوڑا تھا۔ جس میں کہانیاں، افسانے اور تاریخی وتحقیقی کتب کثیر تعداد میں موجود تھیں۔ والدہ کی لائبریری میں بیٹھ کر اُسے پڑھنے لکھنے کا شوق اُبھرا۔ اسی دوران اُس نے فرانس کے کئی مشہور مفکرین کی تصانیف کا مطالعہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ جدید مفکرین "لاک"، ہابس، مونٹیسکو اور گروٹس کے جدید افکار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

جدید مفکرین کے نظریات کے اثرات کے تحت اس نے اپنے افکار کی عمارت کھڑی کی جس کے تحت وہ اپنے مذہب عیسائیت سے کوئی خاص لگاؤ نہ رکھتا تھا۔ مختلف افکار ونظریات کے مطالعہ سے اس کے ذہن میں مختلف قسم کے سوالات پیدا ہوئے۔ اور نتیجتاً وہ روایات سے انحراف کر بیٹھا۔

روسو نے جدید افکار کی روشنی میں لوگوں کو منقولات سے معقولات کی طرف تقلید سے اجتہاد کی طرف روایت سے درایت کی طرف پیشقدمی کا درس دیا۔ نیجتاً سوسائٹی کے نام نہاد روایتی نمائندوں اور مذہبی پیشواؤں نے اس کے لیے مصائب ومشکلات پیدا کر دیئے حتیٰ کہ اس پر کفر کے فتوے صادر کر دیئے اور سوسائٹی کا باغی قرار دے دیا گیا۔ روسو آخری دم تک ان حالات سے نبرد آزما رہا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنا علمی اور تحقیقی کام کو جاری رکھا۔ جس سلسلے اس نے تعلیم کے موضوع پر مختلف مضامین ومکالمے تحریر کیے۔

روسو کا سب سے پہلا مقالہ " ایم ڈی سینٹ میری کا منصوبہ شائع ہوا"، ۱۷۴۹ء میں ڈی جون اکیڈمی کی طرف سے " علوم وفنون کی ترقی نے اخلاق کو پاکیزگی دی ہے یا انحطاط "، کے موضوع پر مضامین نویسی کا مقابلہ ہوا۔ روسو نے اس مقابلے میں مخالفت میں مضمون لکھا اور پہلا انعام حاصل کیا۔ اس کے بعد دوسرے سال " انسانوں میں عدم مساوات کی کیا وجہ ہے "، کے موضوع پر مقالہ لکھ کر کافی شہرت حاصل کی۔ کوئی بھی شخص اس کے نظریات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ مختصر عرصے میں کثیر تعداد میں لوگ روسو کے نظریات کے حامی بن گئے۔ جنہوں نے مساوات اور فطری آزادی کے انقلاب کا نعرہ لگا دیا

۔ ارباب حکومت کے لئے اس انقلاب کو روکنے کا مسئلہ پیدا ہوا تو حکومت وقت نے روسو کو گرفتار کرنے کا حکم صادر کر دیا۔

۱۷۵۶ء سے ۱۷۶۲ء تک روسو پیرس کے قریب گرفتاری کے خوف سے جنگل میں روپوش ہو گیا۔ وہیں پر روسو نے قدرتی زمانے کے مشاہدے کی کوشش کی۔ جس سے قدرت کے سربستہ رازوں کو اپنے وجدان کے ذریعے پایا۔ مؤرخین کے نزدیک یہ چھ سال بنی نوع انسانوں اور دنیا کے لیے نظریاتی انقلاب اور تاریخی سالوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ روسو کو پناہ اور سکون کی خاطر مختلف ممالک میں بارہا اپھرنا پڑا۔ دوران سفر روسو نے کئی تصانیف تحریر کیں۔ جب منظر عام پر آئیں تو یورپ میں ہلچل مچ گئی۔

**تصانیف**:۔ روسو کی درج ذیل تصانیف کافی شہرت کی حامل ہیں۔ جن سے اُس کے فلسفہ حیات، فلسفہ کائنات، فلسفہ تعلیم اور فلسفہ سیاست کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

1. The nouvelle Helosie — ۱۷۶۱ء
2. The Sociel Contracts. — (عمرانی معاہدے) ۱۷۶۲ء
3. The Emile. — ۱۷۶۲ء (ایمائل)
4. The Discoureses on the origin of inequality. — ۱۷۵۴ء (عدم مساوات کی ابتداء)
5. The Confessions. — ("اعترافات")
6. The River. — (دریا)
7. The Dialogue. — (مقالے)

روسو کی مندرجہ بالا تصانیف وہ تحقیقی کاوشات ہیں جن سے پورے یورپ میں ایک فطری اور جمہوری زریں انقلاب برپا ہوا اور آج تقریباً پوری دنیا کو اِن فکری تصورات نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

**وفات**:۔ المختصر دنیا کا یہ عظیم نامور مفکر، فلسفی، مدرس، سیاستدان اور ماہر تعلیم اس جہان فانی سے چھیاسٹھ ۶۶ سال کی عمر میں ۱۷۷۸ء کو رخصت ہوا۔ دنیا والوں کیلئے بیش بہا خزانہ چھوڑ گیا جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا اور انسانیت مستفید ہو گی۔

# نظریہ فطریت

روسو کے "نظریہ فطریت" کے بارے میں اُس کے افکار و خیالات اس کی مشہور زمانہ تصنیف "عدم مساوات کی ابتدا" اور "عمرانی معاہدے" سے ملتے ہیں۔ روسو اپنی شہرہ آفاق تصنیف "عمرانی معاہدے" کا آغاز ان الفاظ سے کرتا ہے۔

Man is born free but every where he is in chains.

"یعنی انسان فطری طور پر آزاد پیدا ہوا ہے۔ لیکن ہر جگہ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے"

روسو کا نظریہ فطریت اس بات کی ترجمانی کرتا ہے کہ انسان فطری طور پر آزاد پیدا ہوا ہے اور اپنی ضروریات کی تکمیل کی خاطر باہم ایک دوسرے سے معاہدے کئے اور ان معاہدوں کے تحت اجتماعی زندگی وجود میں آئی۔ اس لئے یہ معاشرہ ایک مصنوعی عمل ہے۔

اس کے نزدیک فطری انسان، یعنی قدرتی زمانے کا آدمی، شریف، مسرور، لاپرواہ تھا جو تنہائی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اور فطرت خود اس کی پرورش کر رہی تھی اور ہمیشہ وہ انسان اپنے آپ کو آزاد اور خوش و خرم محسوس کرتا تھا۔ وہ دوسرے انسانوں کو اپنے برابر کی سطح پر دیکھتا تھا۔ وہ انسان خود کفیل اور قناعت پسند تھا۔ وہ کسی معاشرے میں نہ رہتا تھا اور نہ ہی اُسے اچھے اور بُرے کی تمیز تھی۔ اور نہ ہی وہ کسی خوف کے احساس سے آشنا تھا۔ اُس کے پاس املاک تھی نہ ہی اُس کا کوئی کنبہ تھا۔ وہ استدلال کو نہیں جانتا تھا۔ بلکہ ذاتی مفاد اور رحم سے واقف تھا روسو کے نزدیک وہ زمانہ امن کا زمانہ تھا اور ہر شخص جنت ارضی میں رہ رہا تھا۔ لیکن جونہی معاشرتی زندگی کا آغاز ہوا، عدم مساوات کا دور شروع ہو گیا۔ دوسرے لفظوں میں تہذیب انسانی کی بنیاد ہی میں عدم مساوات کی بجری پڑی ہوئی ہے۔ تبھی سے اس نے تمام وہ بُرائیاں اپنائیں۔ جس کو یہ معاشرہ خود ہی بُرا کہہ رہا ہے، حسد، لالچ، خود غرضی جیسی برائیاں پیدا ہوئیں جن کی بنیاد دولت وجائیداد پر تھی۔ اور یہ چیزیں عدم اطمینانی اور مسلسل بے چینی کا موجب بنیں۔

روسو نے عدم مساوات کو ختم کرنے کے لئے اور انسانوں کو دوبارہ اپنی فطرت کی طرف لوٹانے کے لئے "نظریہ فطریت" پیش کیا۔ جس میں اس نے اپنی تحریک فطریت کے ذریعے فرد نے معاشرے کے جبر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔

اس کا مقصد معاشرے کے جابرانہ تسلط سے آزاد کرانا تھا۔

اس نے بتایا کہ فطرت خوبصورت اور ہمدرد ہے۔ بچہ بھی فطرت کا حصہ ہے اور وہ بھی فطرت کی مانند خوبصورت اور آزاد ہے۔ اس کی تعلیم آزادانہ اور فطری ماحول میں ہونی چاہیئے۔ بچوں کے انفرادی اور فطری اختلافات کو تعلیم میں جگہ ملنی چاہیئے اور اُسے قوانین فطرت کے مطابق پروان چڑھنے کے مواقع میسر کرنے چاہیئں۔

روسو کے نزدیک بچہ پاک ہے اور پاکیزہ فطرت کا مالک ہے اور اس کا دل و دماغ صاف سفید تختی کی مانند ہے۔ اُس پر کسی بھی قسم کے نقوش مرتسم کئے جا سکتے ہیں۔ روسو مزید بیان کرتا ہے کہ " معاشرہ بچے کی پاکیزہ فطرت کو پراگندہ کر دیتا ہے "

جس سے اس میں بُری عادتیں اور بدعنوانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس لئے بچے کو اس معاشرے کی برائیوں سے دور فطری انداز میں نشوونما پانے کی آزادی دی جائے۔ تاکہ وہ احسن طور پر فطرت کے عوامل کے تحت پروان چڑھ سکے۔ اس کے نزدیک فطرت ہی بہترین معلم ہے۔ اور فطرت ہی تعلیم کا زبردست اور موثر ذریعہ ہے۔ لہذا بچے کی فطرت کے ہاتھوں اس کی نشوونما کی جائے۔ اُسے مشاہدات اور تجربات سے علم سکھایا جائے۔ کیونکہ بچہ اگر خود اپنی کوشش اور اپنے مشاہدات سے کوئی علم حاصل کرتا ہے تو اس کے اثرات پائیدار ہوں گے۔ اور وہ اس کو ہمیشہ ذہن میں رکھے گا۔ لیکن اس کے برعکس اگر اُسے کتابی صورت میں تعلیم دی جائے تو یہ تعلیم اس کے ذہن میں ٹھونسنے کے مترادف ہوگی۔ اور پھر کچھ عرصہ بعد اس کے ذہن سے خود بخود فراموش ہو جائے گی۔

روسو کی اپنی شہرہ آفاق تصنیف Emile " ایمائل " میں بچے کی فطرت اور اس کے پیدائش کے آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

" کہ خالق کی ہر تخلیق جب اس کے ہاتھوں سے نکلتی ہے تو حسین ہوتی ہے اور جب انسان کے ہاتھوں میں پہنچتی ہے تو بدصورت ہو جاتی ہے "

اسی بنا پر وہ کہتا ہے کہ بچے کو اس کی فطرت کے ذریعے تعلیم دی جائے۔ ایک دوسری جگہ اپنی کتاب " ایمائل " ہی میں یوں رقمطراز ہے۔

" کہ ہر چیز جو قدرت کے ہاتھوں سے نکلتی ہے وہ پاک ہوتی ہے مگر انسانی فطرت

کو بگاڑنا نہیں چاہیئے۔ نیکی انسان کی فطرت میں ودیعت ہوتی ہے۔ معاشرہ اس کو بُرا مانتا ہے لہذا انسان کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے اور اس کی فطرت کے مطابق نشوونما کی جائے"۔

روسو سے پہلے تعلیم کے میدان میں جبر کا دور دورہ تھا۔ بچے کو مرکزی حیثیت حاصل نہ تھی بلکہ اصل اہمیت معاشرے کو حاصل تھی۔ جو اس پر اپنی مرضی ٹھونستا تھا۔ فرانس کا تعلیمی نظام نہایت ہی ابتر اور فرسودہ تھا۔ انسان کو گناہوں اور خباثت کا مجموعہ قرار دیا جاتا تھا۔ اور اس کے ساتھ نہایت ذلت آمیز سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے اُس کی فطری صلاحیتیں صحیح طور پر نشوونما نہیں پا رہی تھیں۔ تعلیمی آزادی سرے سے نام کو نہیں تھی۔

عیسائیت کا عقیدہ یہ تھا۔ "کہ آدم کا زمین پر نزول گناہ کے نتیجے میں ہوا تھا اس لئے انسانی فطرت اس دنیا میں گناہ کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہے اور اسی وجہ سے اس کا رجحان بُرائی کی طرف ہوتا ہے۔

روسو نے اس نظریئے کے برعکس اسلامی فلسفہ حیات کے مطابق نظریۂ فطرت پیش کیا ہے اُس کے نزدیک۔ "کہ فطرتِ انسانی گناہ آلود نہیں بلکہ معصوم ہے۔ خالقِ کائنات نے کائنات کی ہر چیز کو احسن اور بہتر انداز میں پیدا کیا اور ہر چیز اپنی حقیقت (اصل) میں ہی خوبصورت و حسین ہے۔ اور انسانی رجحانات اور عوامل بھی اچھے ہیں اور نہ ہی انسانی دل میں کوئی آلائش و گناہ موجود ہوتا ہے۔ بلکہ ہر بچہ ایک اچھی اور احسن فطرت لے کر اس دنیا میں آتا ہے۔ اس میں جو بُرائی آتی ہے اس کی وجہ اس کا خارجی ماحول ہے اور اس ماحول سے اسی برائی کی وجہ تلاش کی جا سکتی ہے"۔

روسو بیان کرتا ہے۔ "کہ تعلیمی ماحول جبر و تشدد اور سخت قسم کے اصول و ضوابط میں جکڑا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ بچوں کی معصوم شرارتوں کو جبر و تشدد سے دبایا جاتا تھا"۔

روسو اپنے مثالی بچے Emile ایمائل کی نشوونما کس طرح کرنی چاہیئے کے سلسلے میں اپنی مشہور زمانہ کتاب "ایمائل" ہی میں کچھ یوں بیان کرتا ہے کہ،

"بچے کے ساتھ بچے ہی جیسا سلوک کرنا چاہیئے۔ اُسے وہی چیزیں سکھائی جائیں جنہیں وہ سیکھنے کے قابل ہو۔ اور اُسے وہ خیالات سیکھنے پر مجبور نہ کیا جائے ... جن کو سیکھنے کے

وہ قابل ہی نہیں۔" بچے کی تعلیم جلد شروع نہ کرائی جائے۔ بلکہ پہلے اُسے تعلیم کے لئے تیار کیا جائے مدرسے کے سلسلے میں وہ بیان کرتا ہے کہ

"مدرسے کا کام بچے کی نشو ونما یا تعلیم میں مدد و راہنمائی کرنا ہے نہ کہ انہیں روایتی انداز میں چند مختلف چیزوں کا رٹوا دینا ہے۔ اور اس کے نزدیک یہ کوئی تعلیم نہیں جس میں حسیات کے استعمال پر زور نہ دیا گیا ہو۔ یعنی بچے خود اپنے حواس خمسہ سے علم حاصل کریں۔ روسو کتابی علم اور زبردستی ٹھونسے جانے والے علم کے خلاف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اصل حالات میں تعلیم دی جائے۔ یعنی اُسے جو کچھ سکھانا چاہتے ہو وہ عملاً کر کے دکھاؤ۔"

مندرجہ بالا حالات و واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے روسو نے انسانی عظمت کو بلند کرتے ہوئے اپنا نظریۂ فطرت پیش کیا کہ ہر شخص ایک قیمتی اور نایاب ہیرا ہے اور ایک معزز شخصیت کا مالک ہے لہٰذا اس کو سوسائٹی کی نظر بھینٹ نہیں چڑھانا چاہیئے بلکہ فطرت کے اصولوں کے مطابق اس کی پرورش اور نشو ونما کی جانی چاہیئے اور اسی میں حیات انسانی اور فکر انسانی کی بقاء پنہاں ہے اور سکون و راحت کا سامان میسر ہے۔

# روسو کا فلسفۂ تعلیم

روسو کا فلسفۂ تعلیم یا تعلیمی افکار سے مراد اس کے تعلیمی نظریات ہیں۔ جن میں اُس نے اصول تعلیم کا تعین کیا ہے اور اپنے مثالی بچے "ایمائل" کی نشو ونما کے طریقے بتائے ہیں۔ روسو کا فلسفۂ تعلیم اصول فطرت پر مبنی ہے جو کہ جدید ماہرین تعلیم کے فلسفۂ تعلیم کی اصل بنیاد تصور کیا جاتا ہے۔ روسو کے تعلیمی نظام میں بچے کو تعلیم میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ جس کی بناء پر روسو کے فلسفۂ تعلیم کو دنیا میں شہرت نصیب ہوئی۔ تعلیم و تدریس کے بارے میں روسو کے تعلیمی افکار روایات سے ہٹ کر بالکل مختلف اور جداہیں جو کہ اصول فطرت پر مبنی ہیں۔

روسو کا فلسفۂ تعلیم اور اس کے تعلیمی افکار کا جب ہم بغور مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا

ہے۔ کہ اس کا فلسفۂ تعلیم ایک مخصوص فلسفۂ حیات اور نظریۂ تعلیم کی ترجمانی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے فلسفۂ تعلیم میں فطری تعلیم کو حقیقی تعلیم کی طرف منسوب کیا ہے۔ روسو اپنے تعلیمی افکار کی بدولت تعلیم فطرت کا سب سے بڑا حامی سمجھا جاتا ہے اس کے نزدیک "حقیقی اور اصل تعلیم صرف اور صرف فطرت کی نشوونما ہے"

روسو اپنے متقدمین کے فلسفۂ تعلیم اور ان کے افکار پر عمل پیرا نظر نہیں آتا بلکہ اس نے افلاطون اور ارسطو کے تعلیمی طریقوں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اپنے حالات کے تحت جدید فطری فلسفہ تعلیم کا تصور پیش کرتا ہے۔ روسو تعلیم میں فطرت اور آزادی کا ہمنوا نظر آتا ہے اور اپنی تصنیف ایمائل میں یوں بیان کرتا ہے۔

"کہ ہماری قدیم رسوم و رواج نے ہماری ذہنیت کو غلامانہ بنا دیا۔ حتیٰ کہ مہذب انسان کی زندگی کے تینوں دور "جنم"، "زندگی" اور "موت"، غلامی میں گزر جاتے تھے۔ پیدا ہوتے ہی اسے کپڑوں میں جکڑ دیا جاتا تھا۔ جب ذرا جوان ہوتا تو مختلف رسومات کا پابند بنا دیا جاتا اور جب مرتا تو تابوت میں مقفل کر دیا جاتا تھا"

ایک اور جگہ "ایمائل میں بیان کرتا ہے کہ، " والدین بچوں کے قدرتی استاد ہیں لڑکوں کے لئے باپ اور لڑکیوں کے لئے ان کی مائیں ان کی بہترین اساتذہ ہیں ایک باشعور باپ چاہے وہ ان پڑھ ہی کیوں نہ ہو دنیا کے بہترین استاد سے بھی بہتر ہے"

## تعلیم کی تعریف!

روسو اپنی شہرہ آفاق تصانیف "ایمائل" اور "عمرانی معاہدے" میں تعلیم کی مختلف انداز میں تعریف کرتا ہے اس کے نزدیک (۱)۔ تعلیم سے مراد وہ "فطری پرورش ہے" جس میں بذریعہ عمل علم حاصل کیا جائے"۔

(۲) "صحیح تعلیم وہ ہے جو فطرت کی نشوونما کرے"۔

(۳) " فطری تعلیم اور حقیقی تعلیم وہ ہے جس میں بچوں کی صلاحیتوں اور فطری میلانات کی اُنکی استعداد کے مطابق نشوونما کی جائے"۔

(۴) " تعلیم وہ عمل ہے جو انسان کی خفیہ قوتوں اور صلاحیتوں کو بیدار کرے۔ اور ان سے مطلوبہ کام لیا جا سکے"۔

(۵) تعلیم سے مراد حواس خمسہ کا احسن استعمال اور اس کی فطری صلاحیتوں کی آزادانہ نشوونما اور اس کی اپنی تخلیقی قوتوں اور رجحانات کو پرکھا و جانچا جا سکے۔

**مقاصدِ تعلیم:-** روسو کے نزدیک تعلیم کے اعلیٰ ترین مقاصد درج ذیل ہیں

۱۔ بچے کی فطری صلاحیتوں اور تخلیقی قوتوں کی آزادانہ نشوونما کرنا

۲۔ خود آگہی اور عملی زندگی کے لئے تیاری۔

۳۔ تعلیم کا انتہائی مقصد نیکی یا اخلاقی اچھائی کی تربیت ہے۔

۴۔ فطری اور جسمانی تعلیم دراصل تعلیمی مقصد کا حصول ہے۔

۵۔ بچے کی ذہنی۔ جذباتی۔ معاشی اور معاشرتی نشوونما کرنا

۶۔ انسانیت کی پہچان بھی عظیم مقصد تعلیم ہے۔

۷۔ ہر شہری میں مساوات، اخوت، محبت، سادگی، تحمل اور آزادی کی صفات کا پیدا کرنا۔

۸۔ انفرادی اور اجتماعی مسائل کے حل کا شعور پیدا کرنا۔

۹۔ تعلیمی آزادی سے مشاہدات و تجربات سے نتائج اخذ کرنا۔

۱۰۔ فطری اور ذاتی حیثیت اور انسانی عظمت و شرف کی حقیقت کی پہچان پیدا کرنا۔

**ذرائع تعلیم:-** روسو کے نزدیک بچہ کی تعلیم کے تین ذرائع ہیں جن سے بچہ فطری طور پر سیکھتا ہے:-

(۱) انسان (۲) اشیاء (۳) فطرت۔

گویا بچہ انسان، اشیاء اور فطرت سے بہت کچھ سیکھتا ہے کیونکہ بچے کا قدرتی طور پر انسانوں ہی سے رابطہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی ماں، بہن، بھائی، باپ گھر میں رشتہ داروں کے آنے جانے اُن کا اُس سے پیار و محبت، ناراضگی، غصہ وغیرہ محسوس کرتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کی فطرت کا حصہ بن جاتے ہیں۔

اشیاء سے بذریعہ عمل وہ علم حاصل کرتا ہے۔ پہلے تو وہ اشیاء کو غور سے دیکھتا ہے لیکن پھر بعد میں اس کو چھونے کا جذبہ اُس میں اُبھرتا ہے اور اس تک رسائی حاصل کر لیتا ہے بعض دفعہ اُسے علم نہیں ہوتا کہ فلاں چیز کڑوی ہے یا میٹھی تو قدرتی تجربات سے وہ پھر اشیاء کے فائدہ

نقصان کی حقیقتوں کو پالیتا ہے۔ اور اس طرح عمر کی پختگی کے ساتھ ساتھ اُس کے علم و تجربات میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

**نصاب:-** روسو اپنے تعلیمی افکار میں کسی خاص نصاب کا تعین نہیں کرتا۔ بلکہ وہ کتابی علم کو ناقص اور بے عمل قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک کتابی علم میں میں سوائے حافظے کی تربیت کے اور کوئی خاص مفید بات پوشیدہ نہیں اس لئے اس نے تعلیم کی بنیاد فطرت پر رکھی ہے اور اُس نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مشاہدات و تجربات سے علم حاصل کیا جائے۔ روسو اس بات پر زور دیتا ہے۔

"کہ نصاب بچہ کے لئے ہی ہونا چاہیئے نہ کہ بچہ نصاب کے لئے"

جدید ماہرین تعلیم بھی اس بات پر متفق ہیں کہ نصاب کو بناتے وقت ہمیں ان کے رجحانات ان کی اہلیت اور ان کی دلچسپیوں اور ان کی عمروں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ چھوٹے بچوں کے لئے ڈرائنگ، ریاضی، گیت وغیرہ شامل کئے جائیں۔ بڑی عمر کے بچوں کے لئے نصاب میں نفسیات، عمرانیات، اخلاقیات اور سیاسیات، دستی کام یا کوئی نہ کوئی پیشہ جیسے مضمون شامل کئے جائیں تاکہ ان کے فطری جذبے احسن طور پر پروان چڑھ سکیں۔ طلبار کے لئے نصاب میں رابنسن کروسو (ناول) شامل کیا جائے۔ البتہ روسو بچوں کے لئے لکھنے پڑھنے کے بارے میں کہتا ہے کہ جب اُس کو ضرورت ہوگی خود بخود دیکھ لے گا۔

**اصولِ تعلیم:-** جب علوم و فنون کو نصاب سے خارج کر دیا جائے تو تعلیم ایک طریق کار کا نام رہ جاتا ہے۔

روسو نے درج ذیل اصول تدریس متعین کئے ہیں۔

۱:- معلم کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ طلبار کو تعلیمی ماحول میسر کرے تاکہ وہ خود بخود اُس سے سیکھے

۲:- طالب علم کی دلچسپیوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ اور ایسے مشاغل ترتیب دیئے جائیں جو ان کی فطری صلاحیتوں سے مطالبقت رکھتے ہوں۔

۳:- دوران تدریس محبت کے جذبہ کو کارفرما رکھا جائے۔

۴:- طلبار کی مسرتوں کو پُر لطف بنایا جائے۔

۵۔ معصوموں کی خوشیوں میں شامل ہو جاؤ۔

۶۔ طبعی عمروں کے مطابق تعلیمی مشاغل مہیا کئے جائیں

۷۔ سبق کو کہانی کی صورت میں پیش کیا جائے تاکہ وہ فوراً طلبار کو ازبر ہو جائے۔

۸۔ جو چیز معلوم ہو اُس سے ابتدار کی جائے (معلوم سے نامعلوم کی طرف)

۹۔ سکھائے جانے میں ایسا طریقہ کار استعمال کیا جائے جس سے طلبار ذہنی ردعمل کا نمکاز ہوں

**طریقۂ تدریس:-** روسو نے اپنی تصانیف میں درج ذیل طریق تدریس کی نشاندہی کی ہے۔

۱۔ **عملی سرگرمیوں و ذاتی تجربات کے ذریعے:-** طریقہ تدریس کے بارے میں روسو کہتا ہے کہ بچہ کو تعلیم عملی سرگرمیوں اور ذاتی تجربات کے ذریعے تعلیم دی جائے۔ نہ کہ کتابوں کے ذریعے۔ کیونکہ اُس کے نزدیک کتابی علم عملی سرگرمیوں سے بے بہرہ ہوتا ہے، جو علم براہ راست حاصل کیا جاتا ہے۔ وہ مستقل اور پائیدار ہوتا ہے۔ اور بچہ اُسے کبھی نہیں بھولتا۔

۲۔ **انکشافی طریقہ تدریس:-** روسو نے انکشافی طریقہ تدریس کو اپنانے پر زور دیا ہے کیونکہ اُس کے نزدیک یہ تدریس کا ایک ایسا طریقہ کار ہے۔ جس میں یک لخت بچے کو سب کچھ نہیں بتایا جاتا۔ بلکہ تجربات کے دوران ساتھ ساتھ اُسے آگاہ کیا جاتا ہے اور اس طریقہ تدریس میں اس کی ذہنی قوتوں کی نشوونما کا ایک اچھوتا طریقہ ایجاد کر کے بتایا ہے کہ جس میں بچہ خود مسائل کا حل دریافت کرے گا۔

۳۔ **جذبہ تجسس کی نشوونما:-** روسو کے نزدیک طریقہ تدریس ایسا ہو کہ جس میں طلبار کے جذبہ تجسس کی تسکین۔ اور ساتھ ساتھ اُس جذبہ کی نشوونما ہو اور اس جذبہ کو اس طور پر مزید تحریک دی جائے تاکہ وہ جذبہ کارفرما ہو۔

۴۔ **تعقل و استدلال:-** روسو کہتا ہے کہ تعلیم بذریعہ تعقل و استدلال ہو۔ جس میں حواس خمسہ کو استعمال میں لاتے ہوئے معلومات حاصل کی جا سکیں اور حواس کی تربیت اس انداز میں کی جائے کہ وہ خود بخود تعقل و استدلال کے قابل ہو جائیں

۱۵:- **تعلیم بذریعہ فطری عمل** :- روسو کے نزدیک وہ طریقہ تدریس نہایت کامیاب ہے جو طلباء کو عملی انداز میں کرایا جائے۔ وہ کہتا ہے کہ الفاظ کا اس وقت تک سہارا نہ لیا جائے جب تک عمل کی گنجائش ہو اور بچے کو اس قسم کی تربیت دی جائے جس سے وہ عملی سرگرمیوں سے اپنی فطری خواہشات کی تکمیل کر سکے۔

۱۶:- **معاشرتی تعلیم بذریعہ معاشرہ** :- روسو کہتا ہے کہ انسان جو کچھ سیکھتا ہے وہ اپنے گرد و نواح کے ماحول سے اثر قبول کرتا ہے کہ اس کا سب سے بڑا تعلیمی ادارہ اس کا اپنا معاشرہ ہے کہ جہاں سے وہ زندگی گزارنے کے طور اطوار ارتقائی انداز میں خود سیکھتا رہتا ہے۔ اس لیے روسو اس بات پر زور دیتا ہے کہ بچوں کو مختلف مقامات اور مختلف معاشرتی ثقافتوں کے مطالعے کے ذریعے تعلیم دی جا سکتی ہے جو کہ اس کی زندگی ایک انقلاب کی سی حیثیت رکھتی ہے۔

۱۷:- **شخصی دلچسپی** :- طریقۂ تدریس میں روسو واضح کرتا ہے کہ معلم کا یہ فرض ہے کہ طلباء کی ذاتی دلچسپی کو ملحوظ خاطر رکھے اور اس کی پسند و ناپسند کا احترام کرے۔ ہاں البتہ وہ غلط کاموں کے سرزد ہونے پر انہیں انفرادی ہدایات دے تاکہ وہ اپنی اصلاح کر سکیں اس کے نزدیک "جوانی میں قدم رکھنے سے پہلے بچہ بہر حال بچہ ہے" اور اس کی ضرورت کے مطابق وقت پر سیدھے راستے پر لا کر کھڑا کر دیا جائے۔

۱۸:- **نظم و ضبط کی پابندی** :- روسو اپنے طریقۂ تدریس میں نظم و ضبط کی پابندی کے خلاف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس طرح جنگل میں پودے فطرت کی آغوش میں پروان چڑھتے ہیں۔ اسی طرح بچہ کو بھی آزادی اور فطرت کی آغوش میں نشو و نما اور پروان چڑھنے دیا جائے۔ اس کے نزدیک غیر مناسب پابندیاں لگانے سے بچے کی فطری صلاحیتیں دب کر رہ جاتی ہیں۔

۱۹:- **جبر و تشدد و سزا سے پرہیز** :- روسو کے خیال میں دوران تدریس میں غلطی پر بچہ کو روایتی قسم کی سزا نہ دی جائے کیونکہ جب بچہ غلط اور ٹھیک میں تمیز نہیں کر سکتا تو اس کو سزا دینا بھی سراسر ظلم ہے۔ وہ کہتا ہے کہ فطرت

خود ہی اُسے سزا دے دیتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی بچہ اپنی کھڑکی کا شیشہ توڑ دیتا ہے تو اس کو مارا پیٹا نہ جائے۔ بلکہ اُس کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ دن میں گرم ہوا اور رات کو ٹھنڈی ہوا آنے سے سردی و گرمی سے اُسے نبرد آزما ہونا پڑے گا۔ اور آئندہ اس قسم کی کوئی غلطی نہ کرے گا آخر میں وہ کہتا ہے کہ سزا میں ہمدردی ضرور شامل ہو۔ تاکہ وہ تعلیم سے اُکتا نہ جائے۔

**۱۰۔ جماعتی تدریس**:۔ روسو طریقہ تدریس میں گروہی یا جماعتی تدریس کے خلاف ہے کہ بچہ کی انفرادی صلاحتیں جماعت میں دب جاتی ہیں اور وہ کوئی خاص ترقی نہیں کر پائے گا۔ اگر جماعتی انداز میں اُس کو تعلیم دی جائے گی تو وہ سبق جلدی بھول جائے گا۔

**تعلیم نسواں**:۔ روسو نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف " ایمائل Emile میں ایک فرضی لڑکے کو تعلیم دی ہے اور مختلف طریقہ ہائے تدریس سے روشناس کرایا ہے۔ لیکن عورتوں کی تعلیم کے بارے میں وہ اپنے خیالات اسی کتاب کے دوسرے حصے میں ایک فرضی لڑکی " سوفی " کو تعلیم دے کر ظاہر کرتا ہے کیونکہ اُس کے نزدیک " عورتوں کی جسمانی ساخت، مزاج، ذہن، صلاحیت، استعداد مردوں کے مقابلے میں مختلف ہوتی ہے "

روسو نے عورتوں کی تعلیم کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا۔ وہ ہم سب کے لئے مایوس کن ہے۔ وہ ارسطو کی طرح عورتوں کے لئے تعلیم کو ضروری اور اہم خیال نہیں کرتا۔

وہ اپنی فرضی لڑکی " سوفی " کو صرف روایتی تعلیم دینے کا حامی ہے۔ جس کا مقصد اس میں نفاست، سلیقہ اور اچھے اطوار پیدا کرنا ہے۔ تاکہ وہ خوش اسلوبی سے اپنے خاوند کی خدمت کر سکے۔ اُس کو خوش رکھے اور گھر بار کا کام کاج سنبھالے۔ بچوں کی اچھی تربیت کرے اس لحاظ سے عورتوں کے لئے نصاب بھی مردوں کی نسبت مختلف ہوگا۔ اُن کے لئے وہ جسمانی صحت برقرار رکھنے کے لئے ورزشیں (ناچ گانا) رقص وغیرہ کو شامل کرتا ہے تاکہ ان کی طرف مردوں کی کشش پیدا ہو۔

روسو ایک جگہ یوں رقمطراز ہے کہ " عورت ہمیشہ عورت ہے اُسے صرف بیوی اور ماں بننے کے لئے تعلیم دی جانی چاہیئے اور وہ تمام تعلیم صرف اور صرف مرد کی خدمت کیلئے ہو "

روسو کے یہ خیالات عورتوں کی تعلیم کے بارے میں اسلام کے تصور تعلیم نسواں سے ملتے جلتے ہیں۔ لیکن اسلام نے عورت کی تعلیم پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ بلکہ مرد اور عورت کے لئے علم کا حصول اشد ضروری قرار دیا ہے۔ روسو کے مندرجہ بالا خیالات تعلیم نسواں کے بارے میں آج کے اس جدید دور میں کسی صورت میں بھی قبول نہیں کئے جا سکتے۔

اسلام ایک ایسا جامع مذہب ہے جس میں مرد اور عورت دونوں کو تعلیم کے یکساں مواقع فراہم کئے گئے ہیں۔ اگر ہم آج کسی صنف نازک پر تعلیمی پابندی لگاتے ہیں تو یہ سراسر ناانصافی اور ظلم ہے۔ اور انسانیت کے ناطے یہ اس صنف نازک پر ظلم کے مترادف ہوگا۔ جس کی دین اسلام ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

المختصر روسو کے فلسفہ تعلیم کا اثر بہت گہرا اور دیرپا ثابت ہوا اور روسو کے تعلیمی نظریات کی بدولت کئی تحریکیں ابھریں جن کی وجہ سے پورے یورپ میں جدید فلسفہ تعلیم چھا گیا اور ایک زریں انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ آج بھی جدید ماہرین تعلیم روسو کے نظریات سے استفادہ کرتے ہیں اور روسو کے فلسفہ تعلیم کی بنیاد پر اپنے فلسفہ تعلیم کی عمارت کھڑی کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

## بچے کی عمر کے تعلیمی ادوار یا تعلیمی سکیم

روسو نے اپنے متقدمین مفکرین تعلیم کی طرح بچے کی عمر کو مختلف چار مراحل میں تقسیم کیا ہے اس کے نزدیک ہر مرحلہ میں خاص ضرورتیں، مخصوص تقاضے اور خصوصی خواہشات ہوتی ہیں اس لئے ہر دور کے تعلیمی اصول دوسرے دور کی تعلیم کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہوتے۔ کیونکہ اس کے نزدیک تعلیم کا مقصد بچہ کی فطری صلاحیتوں کی نشوونما اور ان کی دلچسپیوں کو مدنظر رکھنا ہے۔ معاشرہ کے روائتی طریقہ تعلیم، روائتی تدریس اور روائتی علوم کی معلومات دماغ میں بھرنا مقصود نہیں اس لئے ہمیں بچوں کی عمروں اور ان کے رجحانات اور دلچسپیوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا۔ روسو نے افراد معاشرہ کی تعلیم کے لئے جو پروگرام پیش کیا۔ اس کا خاکہ حسب ذیل ہے۔

## ۱:۔ پہلی تعلیمی منزل :۔ (پیدائش سے پانچ سال تک) (عہد طفولیت)

روسو کے نزدیک پہلی تعلیمی منزل پیدائش سے پانچ سال تک کے عرصہ پر محیط ہے بچے کا یہ ابتدائی دور نہایت نازک دور ہوتا ہے۔ اور اس دور میں بچوں کی جسمانی اور حواس خمسہ کی تعلیم اصول فطرت کے مطابق دی جانی چاہیئے۔ روسو بچوں کی ماؤں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ انہیں اپنے بچوں کی خود ہی پرورش کرنی چاہیئے اور بچوں کو شروع ہی سے ہلکی پھلکی تکالیف کا عادی بنانا چاہیئے تاکہ وہ آئندہ زندگی کو بھرپور طریقے سے گزار سکیں۔

روسو اپنی تصنیف "ایمائل" میں بیان کرتا ہے "کہ بچے کو تکلیف برداشت کرنے کا عادی بنانا چاہیئے۔ کیونکہ بچہ جس قدر کمزور ہوگا اتنا ہی زیادہ حکم دے گا اور جتنا ہی مضبوط ہوگا اتنا ہی مطیع اور فرمانبردار ہوگا"

اس دور میں والدین بچوں کی آزادانہ پرورش کریں اور ان کو فطری طور پر کام کرنے کے مواقع فراہم کریں۔ کیونکہ بچے فطری طور پر متحرک رہنا چاہتے ہیں۔ لہذا ان کو متحرک رکھا جائے اس دور میں سزا کا کوئی تصور تک نہ ہو۔

## ۲:۔ دوسری تعلیمی منزل : (پانچ سے بارہ سال تک) (بچپن)

روسو کے نزدیک دوسری تعلیمی منزل پانچ سے بارہ سال کے عرصے پر مبنی ہے اس دور (بچپن) میں بچے کو کوئی کتابی تعلیم نہ دی جائے۔ بچہ صرف اپنے تجربات سے سیکھے گا۔ اس مرحلہ میں تعلیم کا مقصد حواس اور اعضاء کی تربیت ہوگی۔ کیونکہ یہ ذرائع علم ہیں اس دور میں وہ بچوں کی جسمانی تربیت کے لئے فطری ورزش ضروری خیال کرتا ہے۔ مثلاً وہ پہاڑیوں پر چڑھے گا۔ ندی نالے عبور کرے گا۔ میدانوں میں گھومے پھرے گا۔ پرندوں کے پیچھے بھاگے گا کھیلے کودے گا وغیرہ وغیرہ۔

اور اسی عمر میں ساتھ ساتھ بچوں کو زراعت کے مشاغل میں مصروف رکھنا چاہیئے کیونکہ وہ چیزوں کو چھو کر دیکھے گا۔ ذائقے چکھے گا۔ گرمی سردی کا احساس کرے گا۔ کھیل کھیلے گا۔ اسی

طرح فطری طور پر اس کے حواس اور اعضاء کی تربیت ہوگی۔ روسو مروجہ نظام تعلیم کی سخت مخالفت کرتا ہے۔ کیونکہ اُستاد چند قواعد رٹانے کے لئے بچوں پر اس قدر تشدد کرتے تھے۔ جن سے ان کی ذہنی صلاحیتیں دب کر رہ جاتی تھیں۔

## ۳:۔ تیسری تعلیمی منزل :۔ (بارہ سال سے پندرہ سال تک) (لڑکپن)

روسو کی تیسری تعلیمی منزل بارہ تا پندرہ سال تک محیط ہے۔ اس کے نزدیک اس دور میں بچہ جسمانی لحاظ سے مضبوط ہو جاتا ہے۔ اگر اس دور میں اُسے علم و تجربات سے تعلیم دی جائے تو اُس میں صبر و تحمل، محنت، جفاکشی اور جرأت جیسے اوصاف پیدا ہوں گے۔ روسو اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہمیں نصاب اس قسم کا متعین کرنا چاہیئے جو طلباء میں جذبہ تجسس پیدا کرے اور اس قسم کا تمام مواد نکال دینا چاہیئے۔ جو زندگی کی نشو و نما کے لئے محرکات نہ پیدا کرے۔ روسو نے اس عمر کے لئے بچوں کیلئے صرف رابنسن کروسو (ناول) کو پڑھانے کے لئے پسند کرتا ہے اس کے نزدیک یہی ایک کتاب موزوں ہے جو زندگی کی سرگرمیوں سے بھرپور ہے۔

روسو اس بات کا زبردست خواہاں ہے کہ اس دور میں بچہ کو خود سوچنے کی عادت، ذاتی تحقیق، قوت مشاہدہ، اپنی مدد آپ اور مکمل اعتماد جیسی خصوصیات پیدا ہوں۔ روسو اس دور میں ذہنی اور اخلاقی تعلیم کے ساتھ ساتھ جسمانی تعلیم پر بھی زور دیتا ہے۔ خاص کر اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ بچوں کو اس عمر میں جھوٹی کہانیاں سنائی جائیں۔ کیونکہ اس طرح بچے خیالی گھوڑے دوڑانا شروع کر دیتے ہیں اور وہ عملی کام کرنے سے بھاگ جاتے ہیں۔ اس عمر میں طلباء کو سائنس کے ذریعے انکشافات کی صلاحیت، قوت فیصلہ اور قوت استدلال کی تربیت دی جائے۔

روسو اسی عمر کے بچوں کے لئے اپنے جدید تصور تعلیم (منفی تعلیم) سے لوگوں کو آشنا کرتا ہے اور خود اس کی تشریح ان الفاظ میں کرتا ہے۔ کہ میں منفی تعلیم اس کو کہتا ہوں جو علم دینے سے قبل جسم کی نشو و نما کرے جو حواس خمسہ کو استعمال میں لاکر عقل کے لئے راستہ صاف کرے۔ منفی تعلیم سے مراد سستی یا بیکاری نہیں، بلکہ وہ اس کے برعکس ہے۔ یہ نیکی نہیں سکھاتی بلکہ وہ بدی سے بچاتی ہے۔ بچے میں وہ صلاحیت پیدا کرتی ہے جس کی مدد سے بچہ سچائی

اور نیکی کو پہچان کر اُن سے محبت کر سکے ..

اس لیئے وہ اس عمر کے بچوں کے لئے تشدد اور کتابی طریقہ تعلیم کے خلاف آواز اُٹھاتا ہے اور اپنی نفرت کا اظہار اپنی کتاب " ایمائل " میں ان الفاظ سے کرتا ہے کہ " مجھے کتابوں سے نفرت ہے کتابیں مہمل بکواس سکھاتی ہیں ..

ایک اور جگہ بیان کرتا ہے کہ " ہر علم براہ راست اشیاء کے مشاہدے اور تحقیق سے حاصل کیا جائے ۔ جس چیز کا علم تم دے رہے ہو وہ چیز ہی بچہ کو کیوں نہیں دکھاتے ۔ تاکہ وہ اس سے بخوبی واقف ہو جائے اور یہی طریقہ تعلیم کی ترجمانی کرتا ہے ۔

## ۴ ۔ چوتھی تعلیمی منزل :- ( پندرہ سے بیس سال تک ) ( نوجوانی )

روسو کے خیال میں انسانی فطرت کی نشوونما کا آخری دور نوجوانی ہے ۔ اور اس تعلیمی منزل کو روسو پندرہ سے بیس سال تک مقرر کرتا ہے ۔ اس کے نزدیک اس دور میں بلوغت کے تقاضے پورے ہو چکے ہوتے ہیں ۔ بچہ میں ذہنی ، جسمانی اور جذباتی پختگی پائی جاتی ہے وہ اپنی ذہانت کے ذریعے فیصلہ کر سکتا ہے ۔ وہ معاشرتی اور اجتماعی زندگی کا زبردست حامی ہوتا ہے ۔ اور اس کی بیشتر سرگرمیاں معاشرتی فعالیت کی بناء پر ہوتی ہیں ، اس عمر میں معاشرتی اقدار اور تہذیب و تمدن پر عمل پیرا ہونے کا جذبہ فروغ پاتا ہے ۔ اور اسی دور میں جنسِ مخالف سے تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور ساتھ ہی بچوں کی پیدائش کا عمل شروع ہو جاتا ہے ۔ اس دور میں خصوصاً نیکی ، فیاضی اور انصاف جیسی صفات پیدا کی جانی چاہئیں اس عمر کے بچوں کے لیئے روسو نصاب میں تاریخ ، نفسیات ، عمرانیات ، اخلاقیات اور سیاسیات جن میں فطرت انسانی اور معاشرتی نظم و نسق پر زور دیا گیا ہو ۔ جیسے مضامین سے روشناس کرایا جانا چاہیئے ۔ اسی طرح وہ مشاہدات اور تجربات کے ذریعے معاشرہ میں مطابقت حاصل کر سکے گا ۔ اور معاشرہ میں ایک پر وقار اور معزز شہری کی حیثیت سے رہے گا ۔

# روسو کے تعلیمی نظریہ کی خصوصیات:

روسو کے تعلیمی نظریات و افکار کی یہ وہ خاص خصوصیات ہیں جن کی بنا پہ پورا یورپ ترقی کی منازل طے پا سکا۔

۱:۔ روسو کے فلسفہ تعلیم کا مقصد فرد کی فطری صلاحیتوں کی نشوونما کرنا اور انفرادیت و شخصیت کی تشکیل کرنا ہے۔

۲:۔ روسو کے تعلیمی نظریہ کی دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ تعلیم کے لئے آزادانہ اور خوشگوار ماحول کا تقاضا کرتا ہے۔

۳:۔ روسو کے فلسفہ تعلیم کی یہ خوبی نمایاں ہے کہ تعلیم فطری دلچسپیوں کے مطابق ہو۔

۴:۔ روسو کا تعلیمی نظریہ پیار و محبت ہمدردی و تعاون کا تقاضا کرتا ہے۔

۵:۔ روسو نے تعلیم کے لئے فطرت کو موثر رہبر تسلیم کرتے ہوئے موثر معلم قرار دیا ہے جو کہ فطرت کے مشاہدے اور عمل و تجربات کے ذریعے تعلیم کا پرچار کرتا ہے۔

۶:۔ روسو کے فلسفہ تعلیم فرد کی فطری، ذہنی، جسمانی، روحانی صلاحیتوں کی نشوونما کرتا ہے

۷:۔ روسو کے تعلیمی افکار کی یہ بھی خاصیت ہے کہ وہ فرد میں وافر مقدار میں جذبہ تجسس اور قوت فکر و استدلال پیدا کرتا ہے۔

۸:۔ روسو کے نظریہ تعلیم کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس نے منفی تعلیم کا نعرہ لگایا۔ کیونکہ وہ روایتی اور دیگر کتابی علم کا حامی نہیں ہے۔

۹:۔ روسو نے پہلی بار اس قدر وضاحت کے ساتھ بچے کی نفسیات پر تعلیم کی بنیاد رکھی ہے

۱۰:۔ روسو نے اپنے فلسفہ تعلیم میں ترغیب کو نمایاں اہمیت دی ہے اور مسائل کے حل اور مشاغل کو طریقہ تدریس میں اہم اصول قرار دیا۔

غرضیکہ روسو کا فلسفہ تعلیم، مقاصد تعلیم، اصول تدریس، نصاب، طریقہ تدریس کے متعلق نظریات یورپ میں بلکہ پوری دنیا میں انقلابی تبدیلیاں لائے کیونکہ ان نظریات کو عملی جامہ پہنانے والے دو عظیم مفکرین "پستالوزی" اور "فرذبل" ہیں جنہوں نے روسو کے تعلیمی نظریات

میں تعلیمی نفسیات کی بنیاد ڈالی اور بچہ کو فطرت صحیحہ کو اہم مقام سے روشناس کرایا ۔

لیکن اس کے ساتھ روسو کے تعلیمی افکار میں چند ایک ایسی خامیاں بھی پائی جاتی ہیں جس پر ماہرین تعلیم نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے ۔

روسو کے تعلیمی نظریات میں درج ذیل کمزوریاں نظر آتی ہیں ۔

**خامیاں :-** ۱ :- روسو کے تعلیمی نظریات میں اکثر جگہ انتہاپسندی نمایاں جھلکتی نظر آتی ہے

۲ :- تہذیب و تمدن سے بغاوت پر اکساتا ہے حتیٰ کہ روسو کے نزدیک تہذیب و تمدن مخرب الاخلاق ہیں ۔ حالانکہ ہر تہذیب و تمدن مخرب الاخلاق نہیں ہوتی

۳ :- روسو نے بچہ کے لئے علیحدگی پسندی کی تعلیم کو اپنانے کی کوشش کی ہے جبکہ ہر فرد دوسرے فرد کا محتاج ہے ۔ اور یہ اس کی فطری ضرورت ہے ۔ جب تک اس کو معاشرتی مسائل سے آگاہ نہ کیا جائے گا اس وقت تک وہ دوسروں سے کس طرح گھل مل کر بیٹھ سکے گا

۴ :- جسمانی اور ذہنی، جذباتی، معاشرتی، اخلاقی تعلیم کو الگ بیان کرتا ہے حالانکہ یہ سب سوسائٹی کا ایک تعلیمی حصہ ہیں ۔ جو کہ فطرت انسانی سے باہم منسلک ہیں ۔

۵ :- روسو نے اپنے نظریہ تعلیم میں خصوصاً نصاب کو متعین کرتے ہوئے انتہاپسندی کا مظاہرہ کیا ہے کہ رابن کروسو کے علاوہ کسی دوسری کتاب کو پڑھنے سے سختی سے منع کیا ہے

۶ :- روسو کے فلسفہ تعلیم میں مذہبی تعلیم کے بارے میں ذرا بھر بھی کوئی مسلک نظر نہیں آتی حالانکہ ہر فرد کسی نہ کسی مذہب کا ضرور پیروکار ہوتا ہے ۔ لہٰذا مذہب کی تعلیم انتہائی ضروری ہے ۔ جسے وہ یکسر نظر انداز کر دیتا ہے ۔

۷ :- روسو نے پیشہ وارانہ تعلیم کے بارے میں کوئی خاص وضاحت نہیں کی

۸ :- تعلیم نسواں کے بارے میں وہ جزوی تعلیم کا حامی ہے ۔ لیکن اعلیٰ تعلیم کے خلاف نظر آتا ہے حالانکہ یہ سراسر ظلم اور ناانصافی ہے ۔ المختصر روسو کے تعلیمی نظریات میں مندرجہ بالا خامیوں کے باوجود یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے تعلیم میں جو اصلاحات پیش کیں وہ اصلاحات انقلابی تھیں ۔ آنے والے مفکرین تعلیم نے اس کے تعلیمی افکار سے استفادہ کیا ۔ جس کی وجہ سے آج کا جدید فلسفہ تعلیم روسو کے تعلیمی نظریات کے اثرات کی وجہ سے رنگا ہوا ہے ۔

جان جیکولس روسو اُن عظیم مفکرین میں سے ایک ہے

**تبصرہ و تنقید:-** جس نے اپنے فلسفیانہ نظریات و دلائل سے انقلاب لانے کی کوشش کی اور کافی حد تک وہ اس کام میں کامیاب رہا۔ جب ہم روسو کے تعلیمی افکار کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر فوراً ہی پہنچ پاتے ہیں کہ روسو کے افکار کی اصل بنیاد صرف درج ذیل دو حقائق و شواہد پر مبنی تھی۔

۱- یورپ کا انحطاط پذیر معاشرہ ۲- جان جیکولس روسو کی ذاتی زندگی

کیونکہ روسو جب اس دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو اُسے ماں کا پیار ملنا نصیب نہیں ہوتا جس سے وہ در بدر کی ٹھوکریں کھا کر زندگی کے لمحات کو پورا کرتا ہے۔ دوسرا یورپ کا انحطاط پذیر معاشرہ بھی اس کی ذہنی و دماغی فکر و سوچ پر حاوی ہے۔ کیونکہ یہ وہ اٹھارویں صدی کا زمانہ ہے کہ جس میں پورا یورپ مذہبی، اخلاقی، سیاسی، معاشی اور اقتصادی کشمکش کی لپیٹ میں لپٹا ہوا نظر آتا ہے۔

روسو نے جب اپنے معاشرتی حالات پر نگاہ دوڑائی تو فوراً اُسے معاشرے کے بگاڑ کی اصلاح کا جذبہ اُبھرا اور اس نے مذہبی روایات سے ہٹ کر منقولات کی بجائے معقولات، تقلید کی بجائے اجتہاد کا اور روایت کی بجائے درایت یعنی عقل و استدلال کا نعرہ بلند کیا۔ جس سے وہ پوری قوم کے نوجوانوں کے تخلیقی اور باشعور ذہنوں میں چھا گیا۔ روسو کے نظریات و افکار نے پورے یورپ میں چند سالوں کے اندر ایک زریں تعلیمی انقلاب برپا کر دیا اور اس کے مداح خواہوں نے ثابت کر دیا کہ روسو کے نظریات کو عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔ روسو کے نظریات کی خصوصیات یہی تھیں جس کی بناء پر روسو کے نظریات و افکار پروان چڑھے۔

اس طرح روسو نے اپنے تعلیمی افکار کے ذریعے جدید طریقہائے تدریس کے اصول، نصاب کا تعین اور تنظیم کئے یہی وجہ ہے آج تعلیمی اصلاحات میں "ذہنی باپ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مگر اس کے ساتھ یہ یاد رہے کہ روسو کے تعلیمی افکار اُس کے ذاتی نظریات نہیں بلکہ اس سے قبل ان تمام افکار و نظریات کا اظہار مسلم عرب ماہرین تعلیم کر چکے ہیں اس کے علاوہ یورپ میں کومینس اور جان لاک نے بھی انہی نظریات کی تکرار کی۔ المختصر روسو کو یہ مقام حاصل ہے کہ اس نے ان خیالات کو اس طرح پیش کیا کہ لوگ فکری طور پر بیدار اپنے مسائل پر غور کرنے اور عملی قدم اٹھانے پر تیار ہو گئے۔ روسو کے تعلیمی افکار کو ہیں ٹیلو، اور پسٹالوزی جیسے ماہرین تعلیم نے عملی جامہ پہنایا اور کامیابی سے ہمکنار ہوئے

گیارہواں باب

# پسٹالوزی

Pestalozzi:

## ۱۷۴۶ء تا ۱۸۲۷ء

**سوانح حیات :-** پسٹالوزی ۱۲ جنوری ۱۷۴۶ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر زیورچ ایک معزز گھرانے "بسوئس" میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان "پروٹسٹنٹ" فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ ان کا والد زیورچ کا ایک مشہور لائق طبیب تھا۔ بدقسمتی سے پسٹالوزی کی ابتدائی عمر میں ہی ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اس طرح ان کی پرورش ان کی والدہ اور خادمہ نے نہایت احسن طریقے سے کی۔ ابتدائی تعلیم مقامی سکول اور گھر پر حاصل کی۔ زیورچ کے قریب ایک گاؤں میں پسٹالوزی کے دادا رہتے تھے ان کی والدہ ان کو ملانے کے لئے موسم گرما کی چھٹیوں میں لے جایا کرتی تھی۔ جہاں اسے فطرت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور اسی جگہ ہی عوام کے مصائب و آلام کا علم ہوا۔

پسٹالوزی نے سکول کی تعلیم کے دوران اپنے ایک انقلابی اُستاد کی زبانی "ایمیل" سن کر اُس کتاب سے دلچسپی پیدا کرلی۔ جس کے نتیجے میں وہ بھی ایک انقلابی دل و دماغ کا انسان بن گیا۔ کالج کی تعلیم کے دوران اُسے ملک کی سیاسی، سماجی، معاشی، اقتصادی، ثقافتی، تہذیبی اور تعلیمی خرابیوں کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ عوام کو اس ناقابل بیان مصیبت میں دیکھ کر ان کی اصلاح، آزادی اور معاشرتی انصاف کی خاطر ہر قسم قربانی دینے کا فیصلہ کیا۔ لوگوں کی حیثیت کو بدلنے کے لئے اُس نے مختلف موضوعات پر اخبارات و رسائل میں مضامین لکھے جس سے اس کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔

پسٹالوزی نے معاشرہ کی اصلاح کے لئے شروع میں پادری بننے کا فیصلہ کیا۔ لیکن جلد ہی اُسے یہ احساس ہوگیا کہ یہ پیشہ معاشرہ میں آزادی، جدت، مساوات اور انصاف جیسی خوبیاں پیدا نہیں کرسکتا بلکہ معاشرہ میں تفرقے کا سبب بنتا ہے لہذا اُس نے مختلف اوقات میں مختلف پیشے اپنائے (پادری، قانون دان، کسان) انقلابی ذہن رکھنے کی وجہ سے ان

پیشوں کو مستقلاً نہ اپنا سکا۔ آخر کار اس نے پیشہ معلمی اختیار کرنے کا عزم کیا اور اس پیشہ میں شروع شروع میں ناکامیوں کے باوجود حوصلہ نہ ہارا اور ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

پستالوزی نے نیوہاف Neu Hof میں ۱۷۷۴ء میں غریب و بے سہارا بچوں کے لئے ایک خیراتی ادارہ قائم کیا تاکہ ان بچوں کو بھیک مانگنے کی لعنت سے بچا کر زراعت سوت کاتنے، کپڑا بننے اور دوسرے کاموں کی تربیت کے ساتھ ساتھ تعلیم سے بہرہ ور کیا جا سکے پستالوزی ۱۷۹۹ء میں سٹانز Stanz میں فرانسیسی حملے کی وجہ سے یتیم و بے سہارا بچوں کے لئے سکول کھولا۔ لیکن جلد ہی حملہ آوروں نے یہ سکول جبراً بند کر دیا۔ اس کے بعد پستالوزی نے "برگڈوف" (Burgdorf) اور "ایوردن" (Yverdun) میں بچوں کی تربیت کے ساتھ ساتھ اساتذہ کی تربیت کے بھی سکول کھولے۔ لیکن یہ سکول زیادہ دیر نہ چل سکے۔ کیونکہ پستالوزی کے طریقہ ہائے تدریس ابھی تجرباتی دور میں تھے اور ان پر لاگت بھی کافی اٹھتی تھی۔ پستالوزی جیسا غریب معلم حکومت کی مدد کے بغیر ان تعلیمی اداروں کو ہمیشہ کے لئے چلانے سے قاصر رہا۔

پستالوزی کی ساری عمر مصیبت و آلام میں گزری آخری عمر میں اس کی خدمات کا اعتراف فرانس اور روس نے کیا۔ فرانس نے اسے اپنے ملک کی "شہریت" کے حقوق دیئے۔ اور زار روس نے اسے Knight کا خطاب دیا جبکہ اس دور کے مشہور زمانہ مفکرین اور ماہرین تعلیم "ہربارٹ" اور "رٹر" نے بھی خاصی اہمیت دی۔

**تصانیف:** پستالوزی نے اپنی پوری عمر کا بیشتر حصہ معاشرہ کی فلاح اور تعلیم و تربیت پر صرف کیا اس نے بے شمار اصلاحی مضامین اور کتابیں لکھیں جو کہ حسب ذیل ہیں۔

1. The evening hours of a hourse of a hermit 1977
2. Leonard and Gertrude
3. How Gertrude teaches her children 1801
4. The Swan songs 1810

مندرجہ بالا کتب علمی اعتبار سے پستالوزی کی شخصیت اُس کا فلسفہ حیات ، فلسفہ تعلیم فلسفہ سیاست وریاست وحکومت کی ترجمانی کرتی نظر آتی ہیں

**وفات :-** پستالوزی کی عمر کے آخری ایام بہت غم اور پریشانیوں میں گزرے اُس نے اپنے قائم کردہ مدارس کو تباہی سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی اپنے مخالفین کے اعتراضات اور شکائیتوں کے جوابات دینے عملی ثبوت فراہم کرنے اور شدید محنت کی وجہ سے اُس کی صحت خراب تر ہو گئی اور آخر کار دنیا کا عظیم مفکر تعلیم اور نفسیاتی تحریک کا بانی ۷ار فروری ۱۸۲۷ء کو اکیاسی سال کی عمر میں اس دنیا سے انتقال کر گیا ۔

## فلسفہ حیات

ہنری پستالوزی نے اپنے فلسفۂ حیات کی بنیاد بچے کی فطرت اور اس کی نفسیات پر رکھی ہے اسی لئے پستالوزی کو تعلیمی حلقوں میں نفسیاتی تحریک کے بانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے پستالوزی کی سوانح حیات اس بات کی شاہد ہے کہ وہ اپنے والد کی وفات کے بعد اپنی ماں اور ملازمہ کے سایہ عاطفت میں پلا اور تعلیم حاصل کی ۔ جس کے نتیجے میں یہ ہوا کہ شفقت مادری نے اُس میں ویسے ہی شفقت و محبت کے جذبات دوسروں خصوصاً لاوارث بچوں کے لئے بھر دیئے جو اُس نے اسی تعلیم کے اثر سے اپنی پوری زندگی دوسروں کی زندگیاں سنوارنے میں وقف کر دی

پستالوزی ایک انقلابی دل و دماغ کا مالک تھا وہ اپنے ہموطنوں اور مفلس لوگوں کو خستہ حالت میں دیکھ کر پریشان ہو جایا کرتا تھا اور یہ سوچتا رہتا تھا کہ کس طرح اُن کی حالت بہتر بنائی جا سکتی ہے تو اس نے یہ مصمم ارادہ کیا کہ وہ جدید تعلیمی افکار کی روشنی میں اُن لوگوں کے دل و دماغ میں میں اخلاقی بلندی پیدا کرے گا اور یہی اُن کے مسائل کا واحد حل ہے کہ انہیں اخلاقی تعلیم سے بہرہ ور کر دیا جائے ۔ پستالوزی اپنے فلسفہ حیات کے ذریعے اخلاقی و مذہبی تعلیم کی حمایت کرتا ہے ۔ اُس کا یہ ایمان ہے کہ مذہبی تعلیم پر عمل پیرا ہونے سے انسان کئی مشکلات سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے اور خوش و خرم زندگی بسر کرنے میں کوئی چیز درمیان میں حائل نہیں ہوتی ۔

پستالوزی کے نزدیک انسانی شخصیت مختلف پہلوؤں سے پروان چڑھتی ہے جب ان پہلوؤں میں توازن، یکسانیت اور ہم آہنگی پیدا ہو جائے تو نکھار آجاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ معاملہ اس کے برعکس ہو جائے تو صرف ایک پہلو تو ترقی کرے گا مگر معاشرہ عدم توازن کا شکار ہو جائے گا۔ پستالوزی اپنے فلسفہ حیات کے توسط سے لوگوں کو حیوانیت سے اٹھا کر انسان بنانا چاہتا ہے۔ اس کو لوگوں کی غربت اور افلاس سے اتنی تکلیف نہیں پہنچتی جتنی ان کی قابل نفرت زندگی دیکھ کر ہوتی ہے۔ ان لوگوں کی زبوں حالی دیکھ کر روح کانپنے لگتی ہے اس کو یہ یقین ہے کہ صرف تعلیم ہی لوگوں کی حالت بدل سکتی ہے اس لئے اس نے چند ایک معاشرتی اصلاحی تجاویز پیش کیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱:۔ معاشرہ سے پہلے فرد کی اصلاح کی جائے۔ سماجی نظام حکومت اقتصادیات اور مذہب کی اصلاح بیکار ہے جب تک فرد کو ان کے صحیح استعمال کے قابل نہ بنا دیا جائے۔ پہلے ہر فرد کے اخلاقی احساس کی تربیت کی جائے۔

۲:۔ ہر فرد کو اپنی مدد آپ کرنے کے قابل بنا دیا جائے۔ خیرات فرد کو محتاج اور کمزور کر دیتی ہے اور اس کا احساس خودداری مردہ ہو جاتا ہے جو کہ انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔

۳:۔ لہٰذا معاشرے کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ فرد کو اپنی مدد آپ کرنا سکھائے اور اس میں احساس خودداری پیدا کرے تاکہ فرد کی جملہ کی صلاحیتیں احسن انداز میں پروان چڑھیں۔

پستالوزی نے مندرجہ بالا افکار کی روشنی میں اپنے فلسفہ تعلیم کی وضاحت کی جو آئندہ صفحات میں بیان کی جاتی ہے۔

## فلسفہ تعلیم

پستالوزی کے فلسفہ تعلیم سے مراد اس کے تعلیمی افکار و نظریات ہیں جو کہ اس نے اپنی تصانیف کے ذریعے مختلف انداز میں پیش کئے ہیں۔ اس کے نزدیک "تعلیم انسان کا پہلا حق ہے" جو کہ اسے ہر حال میں ملنا چاہیئے۔ پستالوزی کی تحریروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے استاد روسو سے بے حد متاثر تھا۔ اور اس نے روسو کے فلسفہ تعلیم کو عملی شکل دینے کی ہر ممکن

کوشش کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مفکرین کے پورے نظام کو عملی جامہ پہنانا ناممکن ہوتا ہے لیکن کچھ حصہ کے نفاذ سے نتائج کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ روسو کے فلسفہ نے انقلاب فرانس کی راہیں ہموار کیں اور اس فلسفہ کو عملی زندگی میں اپنانے کی بھرپور کوشش پستالوزی نے کی۔

افلاطون کو اگر ارسطو شاگرد نہ ملتا تو اس کے افکار و نظریات، تغیراتِ زمانہ کے ہاتھوں دفن ہو کر رہ جاتے۔ اسی طرح روسو کا فلسفہ بھی کتابوں کی ہی زینت بنا رہتا۔

پستالوزی نے اپنی مشہور کتاب "The evening hours of a heart."

میں تعلیم کی تعریف کچھ اس طرح بیان کی ہے "Education is the normal progressive and hamonious development of all the powers"

پستالوزی نے اپنے تعلیمی نظریہ کی بنیاد بچے کی فطرت اور نفسیات پر رکھی ہے یہ دنیا کا پہلا مفکر تعلیم ہے جس نے تعلیم میں نفسیاتی رجحان کو سمویا اور نہ صرف تعلیمی عمل بلکہ نصاب نظم و ضبط اور طریقہ تدریس کو بھی نفسیات سے ہم آہنگ کیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اساتذہ کی تربیت کے لئے نفسیاتی طریقہ تعلیم پر توجہ دی۔ پستالوزی نے اپنے تعلیمی نظریات کو جامع انداز میں ایک ہی فقرہ میں بیان کر کے دنیا والوں کو حیران کر دیا ہے کہ ا۔ "بچہ ایک پودے کی مانند ہے" اسے تشبیہ دے کر نامیاتی نشوونما (Organic development) کا تصور پیش کیا کہ بچہ ایک پودے کی طرح فطرت کے قوانین کے مطابق پروان چڑھتا ہے جس طرح ایک بیج سے پودا فطری طور پر نشوونما پاتا ہے اور مالی صرف نگرانی کرتا ہے اور اس کی نشوونما کے لئے بہتر مواقع فراہم کرتا ہے اسی طرح تعلیمی دنیا میں اساتذہ کا کردار بحیثیت رہنما ہو اور بچے خود متحرک ہوں اس کے نزدیک بچے کی متوازن نشوونما کرنا ہے جیسا کہ سرائیکی زبان کے مشہور شاعر میاں محمد نے ایک ہی شعر میں اس فلسفہ تعلیم کو کیا خوب بہتر انداز میں بیان کیا ہے۔

مالی دا کم پانی ڈینا بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھل لانا لاوے یا نہ لاوے

(میاں محمد)

پستالوزی کے نزدیک دل دماغ اور جسم تینوں بیک وقت متحرک اور اپنا اپنا کام کرتے ہے

ہوتے ہیں۔ اگر وہ ہم آہنگ نہ ہوں تو سارا نظام خراب ہو جائے اسی طرح انسانی شخصیت کی متوازن نشو ونما اور تربیت کے لئے دل دماغ اور جسم کی ہم آہنگی از حد ضروری ہے اور متوازن شخصیت اس وقت پروان چڑھتی ہے جب جسمانی ذہنی اور اخلاقی نشو ونما ہو پستالوزی کے تعلیمی فلسفہ کا محور " حواس خمسہ " ہے اُس کے نزدیک حواس خمسہ کی تربیت سے فرد کی متوازن شخصیت کی تشکیل ہوتی ہے۔ پستالوزی بھی روسو کی طرح تعلیم بذریعہ عمل وتجربات اور مشاہدات کی حمایت کی ہے۔ کتابی علم کی بجائے عملی طور پر زور دیتا ہے پستالوزی کے نزدیک بچہ کی ذہنی صلاحیتیں زندگی کے عام مشاغل اور سرگرمیوں کی مدد سے فروغ پاتی ہیں اس لئے حافظے کی تربیت کی بجائے تدریس کا انداز فطری اور نفسیاتی ہونا چاہیئے اور تمام مضامین عمل وتجربات اور مشاہدات کے ذریعے سکھلائے جائیں تاکہ فرد کی عملی قوتیں پروان چڑھیں اور وہ اپنے پیروں پر خود کھڑا ہو جائے۔

بالفاظ دیگر تعلیم بامقصد ہو تعلیم حاصل کرنے سے بے کاری اور بے حسی اکاہلی و سستی پیدا نہ ہو بلکہ فرد کسی عمل کی جانب راغب ہو جائے اور معاشرہ میں مطابقت حاصل کرے اور یہ صرف اُس وقت ہو سکتا ہے جب تعلیم نفسیاتی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو اور معلم تربیت یافتہ ہوں پستالوزی اپنی کتاب (How Getruce teaches her child)[1] میں بیان کرتا ہے کہ۔ " اخلاقی و مذہبی تعلیم سے ہی بچوں کے کردار کی تعمیر ہو سکتی ہے اور مذہبی تعلیم کی ذمہ داری گھریلو افراد پر ہونی چاہیئے اور خاص کر والدین ہی اس کی اچھی تربیت کر سکتے ہیں کیونکہ مذہبی تعلیم کا تعلق فرد کے احساسات عقیدے اور جذبات سے ہوتا ہے "

پستالوزی نے اخلاقی و مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے فلسفہ تعلیم میں دست کاری اور دیگر عملی کاموں کی تعلیم پر بھی زور دیا ہے تاکہ لوگ جلد معاشی آسودگی حاصل کرلیں اور وہ بڑی حد تک خود کفیل ہو جائیں۔

المختصر !۔ پستالوزی کے تعلیمی افکار آنے والے مفکرین تعلیم کے لئے مشعل راہ بنے اور انہوں نے تعلیم میں اُس کے نفسیاتی رجحان اور عمل و تجربات کی مدد سے بہت ہی مفید تعلیمی نتائج اخذ کیئے۔

# بنیادی مقاصد تعلیم

Basic educational aims:

پستالوزی کے نزدیک تعلیم کا بنیادی اولین مقصد فرد کی انفرادی سطح اور اجتماعی سطح پر تربیت کا مناسب اقدام ہے تاکہ بچے کی شخصیت میں خوشگوار زندگی بسر کرنے کی صلاحیت پیدا ہو اس نے اپنی تصانیف میں مختلف انداز میں حسب ذیل مقاصد تعلیم بیان کئے ہیں۔

۱۔ پستالوزی کے نزدیک مقصد تعلیم بچے کی صلاحیتوں کو معلوم کر کے انہیں نشوونما دینا ہے۔

۲۔ بچے کی فطری میلانات ورجحانات، دلچسپیوں اور ذہنی استعداد کو پروان چڑھانا ہے۔

۳۔ بچے کی جسمانی، ذہنی، مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی تربیت نہایت احتیاط سے کرنا ہے۔ تاکہ اس کی شخصیت میں ہم آہنگی ہو۔

۴۔ پستالوزی کے نزدیک ذوقِ جمالیات اور عشق و محبت کے جذبات کو پروان چڑھانا بھی مقصد تعلیم گردانتا ہے کیونکہ یہ ایک فطری عمل ہے۔

۵۔ پستالوزی کے نزدیک اولین مقصد فرد کی اعلیٰ تربیت کے ذریعے معاشرہ کی اصلاح ہے۔

۶۔ پستالوزی بچے میں نیکی، اطاعت، فرمانبرداری، ہمدردی اور خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کرنا بھی تعلیم کا مقصد قرار دیتا ہے۔

۷۔ پستالوزی کے نزدیک علم کا مقصد عمل کا جذبہ پیدا کرنا ہے تاکہ عملی انسان بنے (زبانی جمع خرچ نہیں)

۸۔ پستالوزی کے نزدیک مقصد تعلیم مہارتوں پیشوں اور فنون میں ماہر کرنا بھی ہے تاکہ وہ انسانی روابط استوار کرنے میں ایک دوسرے کی مدد بھی کر سکیں۔

۹۔ پستالوزی کے نزدیک تعلیم کا مقصد یہ بھی ہے کہ غریبوں کو معاشی آسودگی کے گر بتانا تاکہ وہ خوشحال زندگی بسر کر سکیں۔

۱۰۔ پستالوزی کے نزدیک معاشرے میں تعلیم کا سب سے اہم مقصد فرد میں جملہ صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے ہوئے انکی کمل نشوونما کے ذریعے اخلاقی تربیت کو اجاگر کرنا ہے تاکہ اس میں جرأت اور خود اعتمادی کا مادہ پیدا ہو۔ بطور خلاصہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انفرادی

سطح پر تعلیم کا مقصد بچے میں آزادی اور خود اعتمادی کے ساتھ ساتھ اطاعت کے جذبے کو راسخ کرنا ہے اور اس کی فطری صلاحیتوں کی متوازن نشوونما ہے جبکہ اجتماعی سطح پر تعلیم کا مقصود معاشرتی اصلاح ہے۔

**نصاب تعلیم:-** پستالوزی کے نزدیک چونکہ علم کی بنیاد حسی تجربات کے ذریعے شعور پر ہے اس لئے ابتدائی مضامین ایسے ہونے چاہئیں جن میں اشیاء کی ضرورت پڑے۔ کیونکہ بنیادی طور پر انسان دیکھ کر اور چھو کر صحیح تعداد کا اندازہ لگاتا ہے۔ اشیاء کی شکل وصورت کی مدد سے پیمائش اور پھر اس کی مدد سے ڈرائنگ اور علم ہندسہ سیکھنے میں مدد ملتی ہے۔ بچہ کی فطرت ہے کہ وہ سن کر آواز پہچانتا ہے اور اسی طرح وہ آوازوں کی مدد سے موسیقی اور زبان سیکھتا ہے۔ غرضیکہ تمام علوم کی بنیاد حواس خمسہ اور ان کے ذریعہ شعور پر ہے۔ اس لئے پستالوزی نے اشیاء کے ذریعے بچوں کو تعلیم دینی شروع کی۔ اور انہی بنیادی خیالات کی روشنی میں پستالوزی نے اپنے تعلیمی افکار کے ذریعے ذہنی نشوونما کے لئے نصاب مرتب کیا کہ "زبان اور حساب کی تعلیم" اشیاء کے سبق کی مدد سے دی جائے۔

مطالعہ قدرت، جغرافیہ، دستکاری، آرٹ، ڈرائنگ، موسیقی ابتدائی تعلیم کے نصاب میں شامل کئے جائیں۔ پستالوزی روسو کا ہم خیال ہونے کی وجہ سے تاریخ کو ابتدائی تعلیم کے نصاب میں شامل نہیں کرتا۔ اس لئے تاریخی واقعات میں حسی تجربات کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسی طرح پستالوزی نصاب تعلیم کے ساتھ طلباء کی طبعی عمروں کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ تین تعلیمی ادوار کا تعین کرتا ہے کہ ۸ سال سے کم عمر بچوں کو ابتدائی تعلیم ابتدائی نصاب کے مطابق دی جائے اور آٹھ سال سے گیارہ سال کے بچوں کا دوسرا درجہ کی تعلیم قرار دیتا ہے کہ جس میں تعلیمی لیول کو بڑھنا چاہیئے اور اسی طرح گیارہ سال سے اٹھارہ سال کی عمر کے بچوں کے لئے تیسرا درجہ قرار دیتا ہے کہ جس میں طلباء کو حساب، جغرافیہ، ڈرائنگ موسیقی زبان پر عبور حاصل کے ساتھ مذہبی تعلیم، اخلاقی تعلیم اور تاریخ سے واقفیت ہونا از حد ضروری ہے۔

**ذہنی تعلیم کے اصول:-** پستالوزی نے اپنے تعلیمی افکار کے ذریعے بچوں کی ذہنی تعلیم کے کچھ اصول متعین کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

پہلا اصول یہ ہے کہ بچہ جس چیز کو جانتا ہے اُس کی مدد سے نئی معلومات حاصل کرتا ہے یعنی معلوم سے نامعلوم کو پہچانتا ہے۔ یہ ایک ایسا اصول ہے جو کہ ہر شخص جانتا ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے۔ دوران تعلیم اس کے برعکس عمل کیا جاتا ہے۔ بچہ کو نامعلوم کی مدد سے نامعلوم کی طرف سمجھانے کی کوشش بلکہ لاطینی یا انگریزی زبان کے الفاظ اور فقرے بغیر سوچے سمجھے رٹائے جاتے ہیں جو کہ سراسر غلط اور مضحکہ خیز ہے۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ "پہلے اشیا اور پھر ان کا تصور"

بالفاظ دیگر خاص سے عام کی طرف جو کہ بغیر حسی تجربات کے الفاظ کے معنی و شکل کا بتانا نہایت غلط ہے۔

اسی لئے پستالوزی نے اپنے طریقہ تعلیم یعنی طریقۂ تدریس میں تفصیلاً اس بات کی نشاندہی کرتے ہوئے انسانی دماغ اور اس نشوونما کے تین مدارج کا تصور پیش کرتے ہوئے ایک نئی تربیت دی جو کہ اس نئی دماغی تربیت کا جاننا اساتذہ کے لئے ازحد ضروری ہے تاکہ وہ اسی ترتیب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے طلباء کی صحیح معنوں میں تعلیم و تربیت کر سکیں۔

## Intellectual development:
## انسان کی دماغی نشوونما کے تین مدارج

۱۔ دماغ کی ابتداء دھندلے اور غیر واضح احساسات سے ہوتی ہے۔ دنیا بچے کے سامنے ایک غیر واضح احساسات کے سمندر کی طرح ہوتی ہے جو ایک دوسرے میں مل کر غائب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پھر احساسات واضح اور صاف ہو جاتے ہیں۔ چند باتیں دیگر احساسات کے مقابلے میں نمایاں ہو جاتی ہیں، اور وہ بچے کا تجربہ بن جاتی ہیں۔

۲۔ دوسرا درجہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب نمایاں احساسات واضح ہو جاتے ہیں۔ واضح ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی شکل یا ان کے اوصاف دماغ پر مرتسم ہو جاتے ہیں یا دماغ ان کو سمجھنے اور پہچاننے لگتا ہے۔ اس وقت تک بھی چیزوں کی اصل حقیقت ان پر واضح نہیں ہوتی۔ صرف ظاہری حالت ان پر واضح ہو جاتی ہے۔

۳۔ تیسرا درجہ اس وقت آتا ہے جب دماغ اس حد تک نشوونما پا جاتا ہے کہ ان واضح اور صاف شکلوں کے متعلق باقاعدہ خیالات پیدا ہو جاتے ہیں جس سے ان کی حقیقت اس پر واضح ہو جاتی ہے۔ پہلے جو چیزیں اس کے سامنے محض ایک انفرادی حیثیت رکھتی تھی اب وہ اس ربط کے ساتھ واضح ہو جاتی ہیں جو دوسری چیزوں سے ان کو ہے۔ اس طرح خیالات میں ان تمام چیزوں کی ایک مربوط شکل اس کے سامنے آجاتی ہے۔

یہی بات تعلیم میں یوں آتی ہے کہ بچہ جب کسی چیز کو دیکھتا ہے، اس کو ہاتھ میں لے کر الٹتا پلٹتا ہے۔ تو اس کے دماغ میں بہت سے احساسات پیدا ہوتے ہیں لیکن وہ احساسات اتنے غیر واضح ہوتے ہیں کہ وہ ان کو سمجھ نہیں سکتا۔ لیکن ان تمام چیزوں سے پہلی واقفیت ہو جاتی ہے۔ اگر بچہ میں کسی چیز کو دیکھ کر یا اسے ہاتھ میں لے کر صرف غیر واضح احساسات پیدا ہوتے ہیں لیکن اس کی دماغی نشوونما اتنی مکمل نہیں ہوتی کہ اس چیز کو سمجھ سکے۔ استاد ان احساسات کے غیر واضح پن کو دور کرتا ہے۔ اس میں جو احساسات ایک دوسرے سے متعلق ہیں انہیں یکجا کرتا ہے تاکہ وہ واضح ہو جائیں اور اس طرح وہ احساسات خیال میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہی تعلیم کا کام ہے۔

پستالوزی مشاہدۂ ذات پر بہت زور دیتا ہے یعنی جس چیز پر سبق دیا جائے وہ چیز بچے خود مشاہدہ کریں۔

پستالوزی کے اصولوں کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ مشاہدہ یا تاثر حسی تعلیم کی بنیاد ہے۔

۲۔ الفاظ (زبان) کا ربط ہر وقت مشاہدہ یعنی جو چیز دیکھی جائے یا اس کے لوازم سے ہونا چاہیے۔

۳۔ سیکھنے کا وقت، فیصلہ یا تنقید کا وقت نہیں ہوتا۔

۴۔ علم کی کوئی قسم ہو تدریس کو آسان ترین چیزوں سے شروع ہونا چاہیے اور بچے کی نشوونما کے ساتھ اسے چلنا چاہیے۔ یعنی اسے نفسیات کے اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے۔

۵۔ پڑھاتے وقت ہر نکتے پر کافی وقت دینا چاہیے تاکہ بچے اسے اچھی طرح سمجھ لیں۔

۶۔ تدریس کا مقصد نشوونما ہے، کسی چیز کو غیر استدلالی طور پر سکھانا نہیں۔

۷۔ معلم کو متعلم کی انفرادیت کا پاس ہونا چاہیے۔

۸۔ ابتدائی تعلیم کا مقصد بچے کو معلومات اور استعداد بہم پہنچانا نہیں ہے بلکہ اس کے سمجھنے کی قوت کو ترقی دینا ہے۔

۹۔ معلم اور متعلم کا رشتہ بالخصوص نظم و ضبط کے معاملہ میں محبت پر قائم ہونا چاہیے۔

۱۰۔ تدریس تعلیم کے اعلیٰ مقصد کے تحت ہونی چاہیے۔

**طریقہ تدریس** پستالوزی نے اپنی تصانیف کے ذریعے جدید طریق تدریس کی نشاندہی کی ہے جس کی بنا پر اس کو ترقی پسند طریق تدریس کا بانی کہا جاتا ہے۔ اور اس کے تیار کردہ طریقہ ہائے تدریس آج بھی تعلیمی اداروں میں اس قدر مقبول ہیں جن کا بیان کرنا ازحد ضروری ہے جو کہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) تعلیم بچوں کی نفسیات کے مطابق ہونی چاہیئے۔ تاکہ طلباء کی دلچسپیوں کے مطابق ان کو تعلیم دی جا سکے۔ بچوں پر علم کو ٹھونسا نہ جائے۔ بلکہ ان کی خوابیدہ صلاحیتوں اور ان کے قواموں کو تحریک دے کر انہیں ان کے اظہار کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ کیونکہ یہ بچوں کی نفسیاتی ضرورت ہے۔

(۲) پستالوزی کے نزدیک سب اچھا طریقہ فطری طریقہ تدریس ہے اس میں معلوم سے نامعلوم کی طرف سادہ سے پیچیدہ کی طرف اور متقرون سے مجرد کی طرف اقدام کیا جائے پہلے سابقہ معلومات کا خیال رکھتے ہوئے جائزہ لیا جائے اور وہ چیزیں پیش کی جائیں جن کا وہ مشاہدہ اور تجربہ کر سکیں۔ تجرباتی علم کو نظریاتی علم پر ترجیح دی جائے کیونکہ بچوں کے لئے ان چیزوں کا سمجھنا آسان ہوتا ہے جو اُن کے تجربے اور مشاہدے میں آ سکیں۔

(۳) پستالوزی کے نزدیک دوران تدریس سمعی بصری اعانات کا استعمال ازحد ضروری ہے تاکہ قوت مشاہدہ ترقی کرے اور الفاظ کا رابطہ مشاہدہ کے لوازم یعنی اشیاء سے ہو۔

(۴) حواس اور ہاتھوں کا استعمال زیادہ سے زیادہ کرایا جائے۔ شکلوں کا فہم اور تحریر کی مشق ڈرائنگ کے ذریعے ہو۔

(۵) دوران تدریس طلباء پر ناجائز سختی نہ کی جائے بلکہ محبت و شفقت بھرے انداز میں ان کو پڑھایا جائے۔

, primary school and activity methods:

## (پرائمری) اسکول کے مضامین پڑھانے کے طریقے

پستالوزی نے اپنے طریقہ ہائے تدریس کے ذریعے اسکول کے مضامین پڑھانے کے بھی کچھ گر بتائے ہیں۔ پستالوزی نے اپنے جدید طریقہ تدریس کے ذریعے حساب، ڈرائنگ، جغرافیہ، موسیقی اور زبان کے تدریسی طریقوں میں ایسی تبدیلیاں کیں جن کی وجہ سے یہ مضامین بچوں کے لئے دلچسپ ہو گئے۔ مثلاً۔

**حساب** عموماً اساتذہ بچوں کو اعداد رٹا دیا کرتے تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ بچے ان کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ پستالوزی نے اس احمقانہ طریقہ کی سخت مخالفت کی اس نے اشیاء کی مدد سے بچوں کو اعداد کا صحیح تصور دیا اور ڈرل کے ذریعے اس کو ذہن نشین کرایا اس سے پہلے حساب ان بچوں کو پڑھایا جاتا تھا جو دس سال کے ہو جاتے تھے۔ پستالوزی کے طریقے سے بہت کم عمر کے بچے حساب سیکھنے لگے اور آجکل بھی پستالوزی کا طریقہ تدریس استعمال کیا جاتا ہے۔

**جغرافیہ** اس مضمون کی تدریس کے لئے پستالوزی نے قدیم طریقہ چارٹس اور درسی کتب کا استعمال چھوڑ کر قدرتی ماحول کا متعلقہ مقام پر جاکر مطالعہ شروع کیا بلکہ اس کے ایک شاگرد نے جغرافیہ پڑھنے کا طریقہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

"جغرافیہ کے ابتدائی اصول سمجھانے کے لئے ہمیں کھلے میدانوں میں لے جاتے تھے۔ ہم "وردون" کے قریب دریائے "یوردن" کی وادی میں گھومتے پھرتے تھے۔ اس طرح وادی کا صحیح اندازہ ہو جاتا تھا۔ پھر ہمیں یہ ہدایت کی گئی کہ ہم وادی کی مٹی جمع کر لیں اور اس کو کاغذ کے تھیلوں میں جمع کر لیں۔ یہ مٹی ہم اپنے ہمراہ سکول میں لے آتے اور اس کی مدد سے میزوں پر وادی کے نمونے تیار کرتے اس طرح ہم برابر جغرافیہ پڑھتے رہے۔ ہم کو "وردون" کے نشیب و فراز کا بخوبی اندازہ ہو گیا۔ اور ہم نے ہر جگہ کے نمونے تیار کر لئے اس کے بعد ہم نے نقشے بنانے شروع کر دیئے کیونکہ ہمارے ذہن میں صاف اور واضح خیالات نقش ہو گئے تھے۔"

**ڈرائنگ** پستالوزی کے نزدیک ڈرائنگ کا تعلق بھی حسیاتی نقوش سے ہے اس مضمون کے ذریعے طلباء کو مشاہدہ کی تعلیم ملتی ہے اور واضح خیالات کی بنیاد پڑتی ہے۔ بچوں کو شکلیں بنانے میں مزہ آتا ہے اور ڈرائنگ کا تحریر سے بہت قریب کا تعلق ہے۔ اس لئے پستالوزی نے تحریر سے قبل ڈرائنگ کی تعلیم دینے کی سفارش کی ہے۔

**زبان** پستالوزی مادری زبان کی تعلیم پر زور دیتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے صحیح خیالات قائم ہوتے ہیں اس کے ساتھ جدید زبانوں کی تعلیم کو بھی ترجیح دیتا تھا۔ پستالوزی نے زبان کی تعلیم کے لئے اشیاء کا استعمال عمل میں لے آیا۔ اشیاء کے بغیر الفاظ رٹانا نہ صرف مہمل بلکہ مضر ہے پہلے استاد کو ایسی اشیاء دینی چاہیئے جن سے بچے بخوبی واقف ہوں اور ان کے متعلق بچوں سے گفتگو کرنی چاہیئے۔ اس طرح بچے اپنے خیالات ظاہر کرنا سیکھیں گے۔

**موسیقی** زبان کی طرح موسیقی کی بنیاد سماعی نقوش ہیں پستالوزی نے موسیقی پر خاص توجہ دی چھوٹے بچوں کو نرسری گیت اور بڑے بچوں کو قومی ترانے سنائے و سکھائے و یاد کرائے جاتے تھے۔ پستالوزی کے مدرسہ میں موسیقی کے کامیاب طریقے استعمال کئے گئے ہیں[1]

**اساتذہ کی تربیت و فرائض** پستالوزی نے اپنے فلسفہ تعلیم میں اساتذہ کی مخصوص تربیت اور ان کے فرائض کا تعین بھی کیا ہے۔ اس کے تعلیمی ادارے "برگ ڈارف" میں بچوں کی تعلیم کے ساتھ اساتذہ کو بھی ٹریننگ دی جاتی تھی جہاں پر انہیں جدید طریقہ ہائے تدریس کے گر سکھائے جاتے تھے۔ اور روائتی طریقہ ہائے تدریس سے ہٹ کر ان کو عقلی، حسی اور مشاہداتی تجربات کے نتائج کی روشنی میں تعلیم دی جاتی تھی۔ اس تربیتی تعلیمی ادارے کی بڑی مشہوری ہوئی۔ اخبارات اور رسائل میں ان پر مضامین لکھے جانے لگے۔ جس کے نتیجے میں دنیا کے مختلف ممالک سے طلباء اور اساتذہ حصول علم و تربیت کی خاطر داخل ہوئے اور اپنے مطلوبہ مقاصد میں کافی حد تک کامیاب ہو گئے۔

جہاں تک اساتذہ کے فرائض کا تعلق ہے تو پستالوزی نے اساتذہ کی تربیت کے ساتھ ساتھ ان کے فرائض سے بھی انہیں آگاہ کیا ہے کہ اساتذہ کو طلباء کے ساتھ پیار بھرے مشفقانہ رویے سے پیش آنا چاہیئے۔ اور انہیں سخت قسم کی سزاؤں سے گریز کرنا چاہیئے۔ اساتذہ کو باقاعدہ کلاس میں پڑھانے کے لئے پہلے سے تیاری کر کے آنا چاہیئے۔ پستالوزی اس بات پر زور دیتا ہے کہ استاد اور طلباء میں وہی تعلق ہو جو کہ ایک باپ اور بیٹے میں ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ پستالوزی شاگردوں پر بھی اس بات کا زور دیتا ہے کہ وہ استاد کا احترام اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ تعلیمی اداروں میں ڈسپلن سخت نہ ہو۔

پستالوزی کے خیالات کا اثر بہت دور رس ثابت ہوا۔ تمام دنیا نے بالعموم اور یورپ نے بالخصوص اس کے نظریات سے استفادہ کیا۔

---

[1] تاریخ التعلیم۔ خالد یار خان۔ صفحہ ۱۶۰ تا ۱۶۲

## نظام تعلیم پر پیستالوزی کے تعلیمی افکار کے اثرات

مفکرین تعلیم اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ

تعلیمی دنیا میں پیستالوزی کو اپنے منفرد فلسفہ تعلیم کی بدولت ایک بلند مقام حاصل ہے پیستالوزی کامیاب ناکامیوں کی فہرست میں اول انعام پانے کا مستحق ہے۔ اس نے جو کام شروع کیا اس میں ناکامی ہونے کے باوجود حوصلہ نہ ہارا بلکہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں مستحکم رہا اور مقصد کو ہر ممکن طور پر حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے باوجود بادشاہوں، حکومتوں اور فضلاء نے اس کو عزت بخشی۔ اس کے طریقہ تعلیم کی طرز پر بہت سے ممالک میں مدارس قائم ہوئے۔ پیستالوزی کو اپنے قائم کردہ اصولوں سے بے پناہ محبت تھی اور وہ ان اصولوں پر تاحیات قائم رہا لوگ زیادہ تر پیستالوزی کے تعلیمی اصولوں کے مقابلہ میں اس کے اسکول کی زندگی کو اس کا سب سے بڑا کارنامہ قرار دیتے ہیں۔ اس کی تصانیف بار بار چھاپی جا چکی ہیں اور اس کے تعلیمی افکار کو سراہا جا رہا ہے۔ پیستالوزی پر مصنفین کتابوں پر کتابیں لکھ رہے ہیں۔ جو شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ پیستالوزی کے کارناموں اور اس کی شخصیت کی تشریح علامہ اقبال کے اس شعر سے روز روشن کی طرح اجاگر ہو جاتی ہے:

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامین پیدا

پیستالوزی کی خدمات کا اندازہ اس کتبہ کی عبارت سے لگایا جا سکتا ہے۔ جو اس کے ہم وطنوں نے اس کی قبر پر آویزاں کیا۔

"یہاں ہنری پیستالوزی سو رہا ہے"

"جو زیورچ میں ۱۲ جنوری ۱۷۴۶ء کو پیدا ہوا جس کا انتقال برگ ڈورف میں ۱۷ فروری ۱۸۲۷ء میں ہوا۔ "نیوہاف" کے غریبوں کا محافظ، اسٹانز کے یتیموں کا باپ "برگ ڈورف" کے مشہور مدرسہ کا بانی، "ورڈن" میں بنی نوع انسان کا معلم، صحیح معنوں میں ایک انسان، سچا عیسائی، اور عمدہ شہری۔ اس نے دوسروں کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ لیکن اپنے لئے کبھی کچھ نہیں کیا"۔ ۔ ۔ ۔ "خدا اس کی روح کو سکون دے"۔[1]

---

[1] تاریخ التعلیم از خالد بار خان۔ صفحہ ۱۶۸ تا ۱۶۹

# تعلیمی نظریہ کا تنقیدی جائزہ

جدید تعلیمی نظریات پیش کرنے والوں میں پستالوزی کا بھی نام لیا جاتا ہے اس مفکر نے تعلیم میں نفسیاتی رجحان کی شمولیت پر شدید زور دیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے ہمیں افلاطون، ارسطو اور روسو کے تعلیمی نظریات میں نفسیاتی تقاضوں کی جھلک ملتی ہے۔ روسو نے تعلیم میں بچے کی فطرت اور اس کی نفسیاتی ضروریات کی اہمیت کو واضح کیا ہے لیکن پستالوزی نے جس انداز سے سارا تعلیمی نظام نفسیات سے ہم آہنگ کیا ہے اسی کی وجہ سے جدید تعلیمی نظریات میں اس کا نظریہ تعلیم بہت شہرت اختیار کر گیا ہے۔ اس نے نصاب تعلیم نظم و ضبط اور طریقہ تدریس کو بچوں کی خواہشات ان کی دلچسپیوں اور روزمرہ کی سرگرمیوں سے مربوط کیا ہے۔ اس نے تعلیم میں فرد کی متوازن نشوونما کے مقصد کو محور قرار دیا ہے اور مشاہدات، عمل و تجربات کے ذریعہ تعلیمی سرگرمیوں کو انجام دینے کی سفارش کی ہے۔ بعض نے تعلیم میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اس کے زمانے کی بہ نسبت زیادہ فعال، موثر اور مفید نتائج دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اگر ہم پستالوزی کے زمانے کے تعلیمی نظام کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس زمانے کا تعلیمی نظام نہایت ہی مایوس کن اور فرسودہ تھا۔ تعلیم صرف چند مذہبی عقیدوں تک محدود تھی۔ ذہنی نشوونما اور حافظے کی تربیت پر زور دیا جاتا تھا۔ نصاب بہت ہی فرسودہ اور طریقہ تدریس غیر دلچسپ تھا۔ جس کی وجہ سے افراد تعلیم کی طرف کم راغب ہوتے تھے۔ علم کی کمی اور جہالت کی زیادتی کی وجہ سے لوگوں کے کردار غیر تسلی بخش تھے۔ بے راہ روی عام تھی۔ عزت نفس خودداری اور خود کفالت کا نوجوانوں میں ذرا بھی احساس نہ تھا اور اس بے عملی کی وجہ سے افراد غربت و افلاس میں مبتلا تھے۔ پستالوزی نے ان حالات سے شدید اثر لیا اور دل میں معاشرے اور افراد کی اصلاح کا ارادہ کیا۔ معاشرے کے حالات نے اسے سخت مصیبتوں اور دشواریوں میں مبتلا رکھا۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور اپنے تعلیمی افکار کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کاوشش کرتا رہا۔ اس نے اپنے مختلف اسکولوں میں اپنے خیالات کو عملی روپ دینے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ اس کے خیالات نے دنیا کو متاثر کیا۔ اور وہ بحیثیت ایک تعلیمی مفکر مشہور ہوا۔

جہاں تک اس کے نزدیک تعلیم کی نوعیت اور مقاصد کا تعلق ہے تو اس کے نزدیک تعلیم انسان اور معاشرے کی اصلاح کا زبردست ذریعہ ہے۔ اس نے اپنے زمانے کی ناگفتہ غربت و افلاس کو دور کرنے کے لیے تعلیم کو ایک ذریعہ قرار دیا اور اس کے نزدیک تعلیم کا بنیادی مقصد فرد و معاشرے کی اصلاح کرنا ہے ان میں تبدیلی پیدا

کرنا ہے اور ایسی تبدیلی جو مثبت ہو، تعمیری ہو اور جس سے فرد و معاشرہ دونوں خوشحال ہوں۔ تعلیم کا دوسرا مقصد فرد کی فطری صلاحیتوں کی نشوونما کرنا اور ایک متوازن شخصیت کی تشکیل کرنا ہے۔ بالفاظ دیگر فرد کی جسمانی، ذہنی اور جذباتی و اخلاقی نشوونما کرنا تعلیم کا مقصد ہے۔ پستالوزی تعلیم کے ذریعے اپنے معاشرے کے بے حس اور کاہل فرد کی عملی قوتوں کو فروغ دینا، ان میں عزت نفس پیدا کرنا، ان میں کچھ کر کے زندگی بسر کرنے کی امنگ پیدا کرنا اور خود کفالت کا احساس فروغ دینا چاہتا تھا۔ اس مفکر نے دل و دماغ اور ہاتھ تینوں کو تعلیم سے ہم آہنگ کیا ہے۔ بالفاظ دیگر جسمانی تربیت کے لیے کھیل کود اور دیگر فعالی سرگرمیاں، ذہنی نشوونما کے لیے مشاہدات، عمل و تجربات اور جذباتی و اخلاقی نشوونما کے لیے ماں کی آغوش اور گھر کی مذہبی تعلیم و تربیت ضروری قرار دی ہے۔ اس تعلیمی عمل میں تینوں شعبوں میں ربط و ہم آہنگی ہونی چاہیے، تاکہ فرد کی متوازن شخصیت کی تعمیر ہو۔ اخلاقی تعلیم کے لیے ماں اور بچہ کے درمیان محبت کا جذبہ بڑا معاون ثابت ہوتا ہے۔ ماں پیار و محبت سے اپنے بچے میں صبر و تحمل، ہمدردی و محبت اور اطاعت گزاری کی عادت پیدا کرتی ہے اور بچہ اپنی ماں کی مسلسل محبت و چاہت اس کی مستقل مزاجی اور یکسانیت اور خدا کے بارے میں اس کی سادہ گفتگو سے اپنے میں اعتماد اور تحفظ کے احساس اور والدین کی اطاعت کی عادت پیدا کرتا ہے اور استاد کا یہ اہم کام ہے کہ وہ بچے کی ان عادات و احساسات کی حفاظت کرے۔

پستالوزی نے اخلاقی تعلیم کی ذہنی نوعیت کو واضح کیا ہے اس کے نزدیک فرد میں شریفانہ احساسات پیدا ہوں اور وہ اپنے نفس پر قابو پائے اور ذاتی معیار قائم کرے اور ہماری جسمانی، ذہنی اور اخلاقی قوتیں اپنی فطری سطح پر نشوونما پائیں۔ بالفاظ دیگر وہ مصنوعی ذرائع سے متاثر نہ کی جائیں۔ ان میں اخلاقی حسنات عمل و تجربات کے ذریعے پیدا کی جائیں۔ یہ مفکر جان لاک کے تعلیمی نظریے سے بھی متاثر ہوا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ فرد کی ذہنی اور استدلالی قوتیں عملی سرگرمیوں سے فروغ پائیں۔ بالفاظ دیگر فرد اپنی استدلالی قوت کو استدلال سے فروغ دے۔

پستالوزی نے تعلیم میں عمل و تجربات سے فرد کی عملی قوتوں کو فروغ دینے پر توجہ دی ہے اور اس کے لیے چیزوں پر مشتمل سبق کو پیش کرنے کی سفارش کی۔ یہ پہلا مفکر ہے جس نے تعلیم کی باریک باتوں اور لطیف نکتوں کی وضاحت کے لیے امدادی اشیاء کو معاون سمجھا ہے اور اس کا استعمال تدریس میں فائدے مند قرار دیا ہے۔ پستالوزی بچوں کی نفسیات و خواہشات کے مطابق چیزوں کے اسباق کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کے نزدیک ریاضی، جغرافیہ، زبان اور دستکاری کے مضامین امدادی اشیاء کی مدد سے بڑی کامیابی کے ساتھ پڑھائے جا سکتے ہیں۔ پستالوزی کے زمانے میں تعلیمی خدمات پنشن یافتہ فوجی اور نکمے ماندے افراد انجام

دیتے تھے۔ جن کو تعلیم سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ وہ اقتصادی آسودگی کی خاطر معلمی کا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ پستالوزی نے معلم کی تربیت پر زور دیا اور اپنے تعلیمی ادارے میں فروبل جیسے ماہرِ تعلیم نے بھی طریقِ تدریس میں تربیت حاصل کی۔ اس مفکر کا کہنا ہے کہ ابتدائی تعلیم کا کام خواتین بڑی خوبی سے انجام دے سکتی ہیں۔ ان کا لب و لہجہ ہمدردانہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ابتدائی تعلیم میں جس قدر محبت و پیار، ہمدردی و الفت کی ضرورت ہوتی ہے وہ خواتین سے پوری ہو سکتی ہے۔ پستالوزی نے تعلیمی ماحول کو بھی بہتر بنانے کی سفارش کی ہے اور طلباء کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کرنے کی تلقین کی ہے۔

غرضیکہ پستالوزی کے تعلیمی افکار نہ صرف اس کے زمانے میں انقلابی ثابت ہوئے بلکہ آج بھی اس کے تعلیمی افکار کا نتیجہ ہے کہ ہمارے تعلیمی نظام میں بچے کی فطرت، اس کے نفسیاتی تقاضے، اس کی عملی سرگرمیاں، مشاہدات و تجربات اور تدریسی امدادی اشیاء کے استعمال کو پسند کیا جا رہا ہے۔ آج ہمارے ملک میں ابتدائی تعلیمی خدمات کے لئے خواتین کی موزونیت اور اساتذہ کی تعلیم و تربیت کی جو ضرورت محسوس کی جا رہی ہے وہ اسی مفکر کے تعلیمی افکار کے اثرات کا نتیجہ ہے۔ اس نے اپنے تعلیمی افکار سے نہ صرف حواسِ خمسہ کی تربیت پر زور دیا ہے بلکہ فرد کی متوازن شخصیت کی تعمیر پر توجہ دی ہے۔ اس کے طریقہ تدریس کا اہم نکتہ یہ ہے کہ طلبہ خود اپنی کوشش و تجربے سے مضامین کا علم حاصل کریں۔ اور اساتذہ تعلیمی تجربات سے ان کی رہنمائی کریں۔ اس کا یہ خیال طریقہ تدریس میں بڑی ندرت اور تاثر پیدا کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس مفکر کو تدریسی دنیا میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔[۱]

---

[۱] فلسفہ تاریخ التعلیم از فرخندہ جبین صفحہ نمبر ۱۲۶ تا ۱۲۸

بارہواں باب

# جان فریڈرک ہربارٹ

Herbert:

۱۷۷۶ء تا ۱۸۴۱ء

جان فریڈرک ہربارٹ ۴ مئی ۱۷۷۶ء کو جرمنی کے شہر اولڈن برگ میں ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا قدیم یونانی سیکنڈری سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ باپ وکیل اور اعلیٰ عہدیدار تھا۔ اس کی والدہ ایک معزز گھرانے کی عورت تھی۔ بدقسمتی سے ابتدائی عمر میں ہربارٹ گرم پانی کے ٹب میں گرنے کی وجہ سے کمزور ہو گئے۔ لیکن اسکی ماں نے اپنی ساری زندگی اپنے بچوں کی نگرانی اور تعلیم و تربیت کے لئے وقف کر دی۔

ہربارٹ نے ۱۲ سال تک ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ اس دوران اس نے مقامی Gymnasium میں حصہ لیا وہاں آپ نے تمام مضامین میں سبقت حاصل کی۔ ۱۴ سال کی عمر میں ہربارٹ نے ایک مضمون لکھا جس کا عنوان (Concerning the Doctrine of human freedom) اور اس کے تین سال بعد اس نے "فلسفہ اخلاق اور اس کے اصول" پر ایک باضابطہ تقریر کی جس کا عنوان "The commonest causes that effect the groth and decay of morality." تھا۔ ۱۷۹۴ء میں ہربارٹ نے باقاعدہ طور پر جینا (Jena) یونیورسٹی میں پروفیسر (Fichte) کے زیرنگرانی تعلیم حاصل کی (Jena) جینا یونیورسٹی میں اُس عہد کے قابل ترین اور بااثر لوگوں سے اس کا واسطہ پڑا جن میں Harder Fichte Gocthe اور Schiller قابل ذکر ہیں۔ ان تمام لوگوں کا اس عہد کے سماجی کاموں میں بڑا دخل تھا۔ مگر ہربارٹ نے اپنی تعلیمی دلچسپیوں سے منہ نہ موڑا بلکہ تعلیمی فلسفہ پر مختلف موضوعات کے حوالے سے کئی مضامین لکھے جس سے اسے کافی شہرت ملی۔ ۱۷۹۷ء سے ۱۸۰۰ء تک ہربارٹ سوئٹزرلینڈ کی (Interlaken) یونیورسٹی میں بطور ٹیوٹر کام کرتے رہے۔ وہاں کے گورنر کے تین بیٹوں کے اتالیق بھی رہے۔ اسی دوران پستالوزی
Reformers
سے آپ کی واقفیت ہوئی اور اس کے سکول کے معائنہ پر اسے پہلی بار پستالوزی کے طریقہ تعلیم کا پتہ چلا جس سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ ۱۸۰۲ء میں (Gottingen) یونیورسٹی سے سند یافتہ ہونے کے بعد اسے وہاں پر ۱۸۰۵ء میں ایک غیر معمولی پروفیسر کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ ۱۸۰۸ء میں وہ کونسبرگ یونیورسٹی میں بطور فلسفہ کے پروفیسر ("کانٹ" کے جانشین) تعینات ہوئے۔ ہربارٹ ۱۸۳۳ء تک

بحیثیت پروفیسر وہیں خدمات سرانجام دیتے رہے۔

## تصانیف

اسی دوران ہربارٹ نے اپنے تعلیمی نظریات پیش کئے اور "علم و تعلیم" کے موضوعات پر باریکی کے ساتھ تفصیلاً متعدد مضامین ورسائل اور کتب تحریر کیں۔ جو حسب ذیل ہیں جن کی اشاعت کئی مرتبہ ہو چکی ہے۔

1. The Aesthetic presentation of the world as the main purpose of education.
2. General principles of pedagogy reduced from the aim of educatio
3. A work on General mataphysics.
4. The moral and Eithical revelations of the world.
5. Aligenenine mataphysics
6. Encyclopedia of philosophy

## وفات

ہربارٹ آخر تک اپنی یونیورسٹی میں باقاعدگی سے اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے حتیٰ کہ اپنی وفات سے دو دن قبل وہ حسب معمول کلاس میں لیکچر دیتے رہے۔ شدید نقاہت کی وجہ سے ہربارٹ ۱۴ اگست ۱۸۴۱ء میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔

# فلسفۂ حیات

ہربارٹ کی سوانح حیات اور اس کی متعدد تحریروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر ایک فلسفی تھے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر تھے کہ کوئی فلسفہ جس کا تعلق زندگی کے گہرے مسائل اور دنیا سے ہو اس کو قابو میں لانے کا صرف اور صرف ایک ہی ذریعہ کہ اسے تعلیم سے منسلک کر دیا جائے۔

ہربارٹ کی زندگی میں ادبی ذوق کا رجحان اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ ایک باذوق احساس کا مالک تھا۔ بلکہ ایک غیر معمولی شخصیت کا حامل تھا۔ وہ ایک باوقار، کم گو، سنجیدہ اور معزز عالم تھا۔ وہ اپنی ثقافتی اور دانشورانہ زندگی سے کافی مطمئن تھا۔

ہربارٹ کے فلسفۂ حیات سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اس کی زندگی میں اس کے

ذاتی تجربات کا عمل دخل موجود ہے جس میں وہ عوام الناس کو اخلاقی تعلیم کا درس دیتا نظر آتا ہے۔ اس کے نزدیک سب سے اہم بات انسانیت اور مقام انسانیت کی پہچان اور خدمت انسانیت ہے۔ اگرچہ اس نے اپنی پوری زندگی میں کبھی بھی کسی راسخ العقیدہ، سیاسی نظریات و اصول کا تذکرہ یا عملاً پابند ہونے کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ مگر اس نے اخلاقی نقطہ نظر سے حکومت کے ظلم کے خلاف کھلم کھلا مخالفت کی اور مظلومین کی حمایت کا اعلان کیا۔

ہربارٹ نے اپنے نظریات کی روشنی میں اپنے فلسفہ حیات کو اجاگر کرنے کی خاطر اخلاقی نشوونما کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے اپنے افکار کا اظہار کیا ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

## اخلاقی نشوونما

Theory of moral development:

ہربارٹ نے اخلاقی تعلیم اور تنظیم کے لئے نئے نظریات پیش کئے اس نے مذہبی تعلیم اور اخلاقیات کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ اس نے کہا کہ مذہبی تعلیم مذہبی عبادت گاہ (گرجا) میں دی جائے۔ اور اخلاقی تعلیم استاد دے گا۔ سقراط کے نظریہ کے مطابق ہربارٹ کا خیال تھا کہ اگر صحیح طریقہ تدریس اختیار کیا جائے تو خود بخود نیک کردار نشوونما پائے گا۔ اسی طرح اس کا یہ بھی نظریہ تھا کہ اگر تجربات اور صحیح طریقہ تدریس کی مدد سے راسخ خیالات پیدا کر دیئے جائیں تو قوت عمل نشوونما پاتی ہے اور اس قوت عمل کی نوعیت سابقہ خیالات پر مبنی ہوگی کردار یا طرز عمل تدریس کے صریح نتائج ہوتے ہیں۔ تدریس کے ذریعے قوت عمل نشوونما پاتی ہے جس طرح رات کے بعد دن آتا ہے۔ اسی طرح نیک کردار صحیح علم کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔

ہربارٹ نیک کردار اور خیالات کے متعلق اپنے خیالات کی تشریح اس طرح کرتا ہے۔

"کہ تدریس نظریات پیدا کرتی ہے۔ اور تعلیم کردار تعمیر کرتی ہے اور کردار کا دارومدار خیالات پر ہے۔"

ہربارٹ اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر یہ سمجھتا تھا۔ "کہ انسان ہمیشہ علم پر عمل نہیں کرتے"۔ لہذا اس نے سزا و جزا کے تصور کو پیش کیا اور اس بات پر بھی یقین تھا کہ نیک کردار کی تعمیر کی جا سکتی ہے۔

"اگر آغاز میں ہی ہم نے مطالعہ کو تکلیف دہ بنا دیا تو سمجھ لو ہم نے سب کچھ کھو دیا۔"

لہذا اس کا فلسفہ حیات اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ کسی قسم کی سختی نہ کی جائے جس سے فطرتاً انسانی اخلاقی نشوونما پروان چڑھتی ہے۔ انسان اپنے مقصد حیات کو پا لیتا ہے اور غور و فکر کے ذریعے اپنے وسائل کے اعتبار سے اپنے مسائل کا حل ڈھونڈھ لیتا ہے

# فلسفۂ تعلیم

ہربارٹ کے تعلیمی نظریات اسکی سوانح حیات اس کا کردار اور اس کی سائنسی تجرباتی تحقیقات کی روشنی میں بیان کئے جا سکتے ہیں۔ ہربارٹ نے اپنی زندگی میں بحیثیت ایک بڑے فلسفی اور پروفیسر "کانٹ" کے ایک اچھے جانشین ہونے کی وجہ سے بڑا نام اور عزت حاصل کی۔ تاہم اس کے ہم عصر اس کی عالمانہ اور ناصحانہ معلومات سے متاثر ہونے میں ناکام رہے اور اسے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑا۔

"میری کمزور فن تعلیم اپنی آواز اٹھانے کے قابل نہ ہو سکی۔"

مگر اس کی وفات کے ۲۵ سال بعد اس کی شہرت بحیثیت استاد پھر سے ابھرنے لگی حتیٰ کہ بعد کے دوسرے لوگوں نے اس کے تعلیمی نظریات کو اپنے نظریات سے جوڑ لیا۔ ہربارٹ کو جدید نفسیات کا ایک اہم معاون و مددگار معلم ماہر تعلیم تسلیم کیا جاتا رہا۔ بلکہ اس کو ہر دور کے عظیم ترین نظریات رکھنے والوں میں سے ایک اہم شخصیت سمجھا جاتا رہا ہے۔

ہربارٹ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سابقہ تعلیمی نظریات کے بانیوں اور Reformers میں ایک عجیب جوش و جذبہ تھا جن کا تعلق افراد کی علاقائی خوبیوں اور ترقی پر تھا۔ ہربارٹ کا نظریہ تعلیم دوسرے نظریات کے ساتھ بھی تعلق رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ Psychology Ethics اور Metaphysics وغیرہ کے ساتھ ملا جلا نظر آتا ہے۔

مگر اس کا یہ نظریہ تھا کہ طریقہ تعلیم بذات خود ایک سائنس ہے اور اس سائنسی طریقہ تعلیم کی ایجاد پر اور لوگوں کے اصرار کی وجہ سے وہ ایک کامیاب ہادی و رہنمائے تعلیم سمجھا جاتا ہے۔ ہربارٹ کے نزدیک صحیح اور مکمل تعلیم وہ ہے جو بچہ میں متعدد دلچسپیاں پیدا کرے جس سے بچہ کو مادی اور قدرتی اشیاء سے دلچسپی ہونی چاہیئے۔ درحقیقت دلچسپی تو تعلیم کا نتیجہ بھی ہے اور تمہید بھی۔ ہربارٹ دلچسپی کو تعلیم کا ذریعہ بھی سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک معلم کا دلچسپ ہونا بھی نہایت ضروری ہے۔ بلکہ معلم کا دلچسپی سے خالی ہونا سب سے بڑا گناہ ہے۔ ہربارٹ معلم کو دماغ کا خالق تصور کرتا ہے۔ اور اپنے فلسفۂ تعلیم میں معلم کو بہت بلند مقام عطا کرتا ہے۔ معلم نہ صرف طلباء کا بلکہ معاشرہ کا بھی رہنما ہے۔ بنی نوع انسان کی ترقی کا دارومدار بھی استاد پر ہے۔

aim of education;

**مقاصد تعلیم** ہر بارٹ کے نزدیک تعلیم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ فرد کو اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ موجودہ معاشرہ میں مناسب طریقہ سے زندگی گزار سکے جس کا وہ بذات خود ایک حصہ ہے۔ انفرادی موزونیت، فطری نشوونما، خالص معلومات اور ذہنی قوت تعلیم کے حتمی مقاصد کے لیے تو ناکافی ہیں، بلکہ شخصی کردار اور معاشرتی اخلاق کی بہتری ہی حقیقی مقاصد تعلیم ہیں۔

ہر بارٹ اپنے فلسفہ تعلیم میں مسلمان مفکر تعلیم "امام غزالی" کے نظریہ کے مطابق اخلاق کو تعلیم حقیقی مقصد قرار دیتا ہے۔ اخلاق سے مراد اعلیٰ کردار اور سماجی ہم آہنگی ہے۔ اس کے نزدیک روایتی کردار کی رسمی تقلید کا نام اخلاق نہیں۔ تعلیم کے مقاصد میں سچائی کے تصورات، دیانتداری، اچھائی اور شائستگی شامل ہونی چاہیئے۔ ایک عملی اور موثر اخلاقی ڈھانچہ قائم کرنا تعلیم کا سب سے اہم مقصد منزل ہے۔ ہر بارٹ کے نزدیک شخصی کردار کوئی فطری نعمت نہیں ہے اور نہ ہی صلاحیتوں کا فطری مجموعہ ہے۔ بلکہ یہ معاشرے میں پسند کیے جانے والے خیالات اور نظریات کے غلبے کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ شخصی کردار ہمیشہ افراد کے ماحول میں رہنے سے جنم لیتے ہیں یا بالخصوص دوسرے انسانوں کے ساتھ باہمی میل جول کی وجہ سے نشوونما پاتے ہیں۔

ہر بارٹ کے نزدیک صرف وہی افراد مکمل اعتماد کے ساتھ بہترین اخلاقی اقدار کا تعین کر سکتے ہیں جو وسیع البنیاد تجربے اور دلچسپیوں کے حامل ہوتے ہیں۔ اچھے اخلاقی تخلیقی سماجی کردار کی ہمہ گیر دلچسپیوں کی ایک مطلوبہ ترکیب ہے۔ جس سے حسب ذیل مقاصد تعلیم کی وضاحت ہوتی ہے۔ (۱) عملی اخلاق کی تکمیل۔ (۲) اعلیٰ شخصیت کی تعمیر۔ (۳) اعلیٰ کردار کی نشوونما۔ (۴) پیشہ ورانہ تربیت۔ (۵) اکتساب علم۔ (۶) عمل صالح کا عادی بنانا۔ (۷) قوت فیصلہ کی نشوونما۔ (۸) وسیع تجربات۔ (۹) مختلف مشاغل میں دلچسپی کا اظہار (۱۰) مکمل اعتماد۔

المختصر مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ فن تدریس کے موثر اصول دریافت کیے جائیں اور ایسا نصاب تعلیم تربیت دیا جائے جس سے اعلیٰ صفت کے حامل افراد کی نشوونما و تربیت ہو سکے۔

**نصاب** Curriculum ہربارٹ کے نزدیک نصاب کا مقصد یہ تھا کہ وہ طلباء کو انسان اور اس کے اردگرد کی دنیا کے بارے میں وسیع اور ممکن علم دے۔ اس کی نگاہ میں بچے کی شخصیت کی نشوونما تیزی سے اس انداز کی پیروی کرتی ہے جو اس کے اور ثقافت کے مختلف مدارج میں برقرار رکھی گئی ہوتی ہے۔ ہربارٹ نے یہ نظریہ جینا یونیورسٹی میں سے اخذ کیا تھا۔ مگر اپنے اس نظریے کو تفصیلاً بیان کرنے سے قاصر رہا

ہربارٹ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ تعلیم کا ایک خاص نظام تمام اوقات میں اس بات پر زور دیتا ہے کہ تمام مضامین کے درمیان ایک باہمی رشتہ ہے اور متحرک دائرہ وسوچ میں یکجا کام کرتے ہیں۔ ہربارٹ کے نصاب کے مضامین تاریخی اور سائنسی نوعیت کے ہیں۔ اول الذکر نصاب میں تاریخ، ادب، اور زبانیں شامل ہیں اور موخر الذکر میں ریاضی اور فطری سائنس (علوم) شامل ہیں۔ ان مضامین کو جدا نہیں کرنا چاہیے اور جہاں تک ممکن ہو ان کو اپنے کردار کے مطابق انسانی نسل کے ترقی یافتہ ثقافتی تجربے کے ساتھ منسلک کرنا چاہیئے۔ تاہم ہربارٹ اور اس کے پیروکاروں کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ انہوں نے ادنی درجے کے سکولوں میں ادب، تاریخ، جغرافیہ اور سماجی مطالعہ جیسے مضامین کو متعارف کرایا۔

ہربارٹ کے نزدیک نصاب اس طرح مرتب ہو کہ اس کے تمام مضامین باہم مربوط ہوں مختلف کورسوں کے نفیس مضمون کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ کسی ایک دن یا ہفتے کے دوران میں پڑھائے جانے والے تمام عنوانات کا ایک دوسرے سے ربط ہو اور اس کے پیچھے یہ فلسفہ کارفرما ہے۔ کہ ایک طرح کے خیالات ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اور ان کا ذہن میں رکھنا آسان ہو جاتا ہے۔

## فن تدریس کے اہم اصول

educational principles:

ہربارٹ نے اپنے فلسفہ تعلیم کے ذریعے اپنی مختلف تصانیف میں فن تدریس کے ایسے اہم اصول مرتب کیے ہیں جن کا واقف ہونا شعبہ تعلیم سے متعلقہ افراد کے لئے ضروری ہے اور خصوصاً اساتذہ کے لئے نہایت لازم ہے کہ وہ ان اصولوں سے واقف ہوں۔ ہربارٹ کا یہ خیال ہے کہ دماغ بوقت پیدائش بالکل خالی ہوتا ہے۔ اس میں صرف ایک پیدائشی قوت ہوتی ہے جس کو وہ قوت احساس

کے نام سے یاد کرتا ہے۔ دماغ اُن اثرات سے مل کر بنتا ہے جو کہ بیرونی اشیاء سے دماغ تک بذریعہ حواس خمسہ پہنچتے ہیں۔ تعلیم کا اصل مقصد تو کارآمد معلومات بہم پہنچانا ہے۔ یہ معلومات اس طرح پہنچائی جائیں کہ بہت جلد اور آسانی سے جزو دماغ بن جائیں۔ اس لئے اساتذہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ حسب ذیل فن تدریس کے اصولوں کا خاص خیال رکھتے ہوئے طلباء کی تعلیم و تربیت کریں۔

۱۔ بچوں کی دلچسپیوں سے واقف ہونا چاہیئے۔
۲۔ تعلیم طلباء کی ذہنی استعداد کو مدنظر رکھ کر دی جائے۔
۳۔ مضامین کا انتخاب طلباء کی قابلیت پر منحصر ہونا چاہیئے۔
۴۔ اوقات کار کا خاص خیال رکھا جائے۔
۵۔ مختلف مضامین کی تدریس مضامین کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے وقت اور حالات کو مدنظر رکھا جائے۔
۶۔ ایک موضوع کو مختلف حصوں میں منقسم کرکے ہر پہلو پر روشنی ڈالی جائے۔
۷۔ فطری انداز میں طلباء کی رہنمائی کی جائے۔ آسان آسان پیرائوں میں انکو تعلیم دی جائے۔
۸۔ کم وقت میں زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی کوشش کی جائے۔
۹۔ استخراجی اور استقرائی طریقۂ تدریس کو خاص بنا کر مختلف طریقہ ہائے تدریس سے استفادہ کیا جائے۔
۱۰۔ ہر اعتبار سے دانشمندانہ طریقۂ تدریس اپنایا جائے۔

## طریقۂ تدریس (Method of teaching)

ہربارٹ نے اپنے فلسفۂ تعلیم کے ذریعے جو طریقۂ تعلیم یا تدریس تجویز کیا ہے وہ زندہ خیالات تعمیر کرنے کا طریقہ ہے۔ اس کے نزدیک تدریس کے خاص اجزاء یا مضامین کے جوڑنے کا انتخاب اس مضمون کے پڑھانے کے صحیح طریقہ پر مبنی ہونا چاہیئے۔ ہربارٹ نے تدریس کے چار مدارج کا ایک جامع منصوبہ بنایا اور اس منصوبہ کو (Harbartianism) کے نام سے یاد کرتے ہیں جس کے چار پہلو ہیں۔

1. Clearness
2. System
3. Association
4. Method

مندرجہ بالا چار پہلوؤں نے پڑھائی یا مطالعہ کے دوران مزید پانچ رسمی اقدامات کی حمایت کی جن کو (Five formal steps) کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اور انہیں ہربارٹ کے اقدامات سبق بھی کہتے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

# ہربارٹ کے اقداماتِ سبق

(۱) ترغیب یا تیاری Preparation (۲) پیشکش یا اظہار استحضار Presentations

(۳) تعلق، ربط، تلازم۔ Association (۴) تعمیم (وہ کلیہ جو بہت کم مثالوں پر قائم کیا گیا ہو) Generalization

(۵) اطلاق، استعمال Application

یہ پانچوں اقدامات نفسیات کے اصولوں پر مشتمل ہیں۔ تدریس بچہ کے سابقہ تجربات پر نئی عمارت تعمیر کرتی ہے۔ شروع میں بچہ کے تجربات منتشر اور غلط ہوتے ہیں۔ مختلف خیالات دماغ میں بلا کسی تنظیم کے جمع ہو جاتے ہیں اور ان میں کوئی ترتیب نہیں ہوتی۔ تدریس ان منتشر خیالات کو ترتیب دیتی ہے اور اس کے ساتھ نئی اور ٹھوس معلومات کا اضافہ بھی کرتی ہے۔ پہلے سابقہ معلومات کی توجیہ ضروری ہوتی ہے۔ اس کے بعد نئے اور پرانے خیالات ترتیب دیئے جاتے ہیں۔ اس طریقۂ تدریس سے ہی علم قابل عمل ہو سکتا ہے۔

## (۱) ترغیب یا تیاری Preparation

ہربارٹ کے نزدیک اس اقدام کا مقصد یہ ہے کہ استاد جب اپنا سبق بنائے تو اسے شاگرد کے پس منظر سے اور متعلقہ عناصر سے واقف ہونا چاہیئے۔ کمرہ جماعت میں استاد کو سوالات یا کسی اور طریقہ سے ہر شاگرد سے ان خیالات کا جواب معلوم کرنا چاہیئے جو شاگرد کیلئے چیز کے سیکھنے کے عمل میں غالب ہوں۔ یہ ایک ایسا طریقہ ہے جو متعلقہ گزشتہ خیالات یا یادداشت کو نئے مواد سے وابستہ کرتی ہے تاکہ شاگرد کو زیر غور (Topic) میں زندہ دلچسپی مل سکے یا فراہم ہو سکے۔ تیاری اور اظہار کے مراحل کے دوران استاد کی کامیابی کا انحصار اس مہارت پر ہوتا ہے جس سے وہ تعلم کو اخذ کرنے والے اصولوں کی مدد لیتا ہے اور سبق کا اعلان کرتا ہے۔

## (۲) استحضار۔ پیش کش Presentation

ہربارٹ کے نزدیک اعلانِ سبق کے بعد دوسرا اقدام اصولِ نفسیات کے تحت استحضار یا پیش کش ہے۔ اب نیا سبق پیش کیا جاتا ہے۔ بچوں کو نئی معلومات اور مہارتیں دی جاتی ہیں۔ اس طرح کہ شاگرد ان کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ استاد مطالب کی وضاحت کرتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اس اقدام میں مادی اور ٹھوس اشیاء استعمال کی جاتی ہیں تاکہ حسی تجربات ذہن پر نقش ہوں۔ اگر سبق کا تعلق اخلاقیات سے ہے تو ایسی سادہ اور آسان آسان مثالوں سے سمجھانا چاہیئے جو بچے آسانی سے سمجھ سکیں۔

(۳) تلازم۔ ربط یا تعلق Association سابقہ معلومات کی روشنی میں نئے علم کا جائزہ لیا جاتا ہے اور دونوں میں مشابہت اور فرق تلاش کرتے ہیں۔ ربط پیدا کرنے والے اقدام میں استاد اس مواد کو استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس نے کسی اور مضمون اور تجربے سے حاصل کیا ہوتا ہے۔ مؤثر اور دیرپا تعلم کے لئے نئے خیالات کو سابقہ تجربات کی مدد سے ذہن نشین کرانا ہوتا ہے۔ سابقہ اور نئے تجربات میں جو فرق پایا جاتا ہے اس کو واضح کیا جاتا ہے اس طرح نئے تجربات ذہن نشین ہوتے ہیں۔ مؤثر ربط کسی بھی تدریسی طریقے کے لئے بنیادی اہمیت رکھتا ہے جو نامیاتی یعنی زندہ نشوونما کو جنم دیتا ہے۔

(۴) تعمیم Generalization اس اقدام میں عام خیالات کو تشریحات سے اساتذہ اور طلباء باہمی تعاون سے خارج کر سکتے ہیں یا پھر ان سے کوئی قاعدہ ، کلیہ یا نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ جو تیاری، اظہار اور ربط پیدا کرنے کے دوران سامنے آئے تھے۔ یہ عمل ایسے طلباء کو پڑھانے میں کارآمد ثابت ہوتا ہے جو سنِ بلوغ کو پہنچ چکے ہوں۔ اس اقدام کو مختصر انداز میں سلیس زبان میں پیش کرنا چاہیئے تاکہ آسانی سے سمجھ میں آسکے۔

(۵) اطلاق۔ استعمال Application آخری اقدام میں قاعدے، کلیئے یا نتیجے اور اصولوں کا عملی صورتوں میں اطلاق کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر خیال جو حاصل کیا جاتا ہے وہ زندگی کو سمجھنے میں مدد دے سکے۔ یہ اس وقت ممکن ہے۔ جبکہ بچے اس نئے تخیل کو استعمال کریں۔ استاد کی یہ کوشش نہیں ہونی چاہیئے کہ وہ کو محض بار بار کے بیانات یا رسمی مشق سے تقویت نہ پہنچائے۔ بلکہ نئی نئی مہارتوں کی مشق کرائے کلیات اور نتائج کو نئی معلومات کی روشنی میں برتا جائے۔ تاکہ بچوں کے ذہنوں میں کارآمد قسم کی معلومات جمع ہوں۔ اور وہ اپنے لئے بہتر راہ اختیار کرنے میں سوجھ بوجھ رکھتے ہوں۔

**نتائج** مندرجہ بالا اقدامات کو انیسویں صدی کے آخر میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور ان کا رواج نہ صرف یورپ بلکہ امریکہ تک جا پہنچا۔ اگرچہ اب ان کو کم و بیش متروک قرار دیا جا چکا ہے۔ اس کے باوجود تعلیمی دنیا میں اب بھی سبقی اشارات کسی نہ کسی صورت میں انہی اقدامات کی روح میں سموئے ہوئے ہیں۔

# ہربارٹ کے نزدیک تعلیمی نفسیات کا تصور

ہربارٹ نے نفسیات پر ایک اہم مراسلہ لکھا تھا۔ جس نے شعور اور لاشعور کے مختلف اور مستقل سطحوں پر طاقت کے ایک نظام کے چلنے کو تسلیم کیا۔ اس نے ان تمام Clusters یعنی مجموعوں کے لئے Complex کا لفظ استعمال کیا ہے جس نے نئے اظہاروں کے قبولیت کو یا تو دبا دیا اور یا آسان بنا دیا اس کام میں Carl gustar Jung کا مثبتی رد تھا جس نے اسی Term کو بعد میں لاشعور کے خاص احوال کے ساتھ دوبارہ متعارف کرایا۔ ہربارٹ نے تاہم اس بات کی تاکید کی کہ کوئی بھی چیز حقیقتاً ضائع نہیں ہوتی اور دبائے گئے خیالات باغیانہ سرگرمی کی حالت میں برقرار رہتے ہیں اور بے اطمینانی جبر و استبداد اور ناراضگی کے جذبات ابھارتے ہیں عملی شعور کے دہلیز کے تحت دبائے گئے خیالات قوتوں اور صلاحیتوں میں بدل جاتے ہیں اور وہ شعوری ذہن تک رسائی حاصل کرنے کے لئے مستقل اور مسلسل کوشش کرتی ہیں۔

یہ دبائے گئے خیالات شعور میں واقعات کے وقوع پذیری کو معلوم کرنے کے لئے ایک اہم Factor تصور کئے جاتے ہیں۔ ہربارٹ کے بقول جب اظہار دوسرے اظہار کی مدد سے ابھرتا ہے اور دوسرا تیسرے کی مدد سے ابھرتا ہے تو اس سے خواہشات جنم لیتے ہیں اگر اس تصادم میں اظہار کسی قوت اور رضامندی کے مرحلے میں پہنچ جاتے ہیں تو اس کے نتیجے میں رضامندی یا تشدد کا عمل وجود میں آتا ہے۔ خاص انتخاب کرنے میں یہ تشدد کا استعمال ہے جسے ہربارٹ زندہ تصور کرتا ہے۔

ہربارٹ کے خیال میں ذہن یا روح اندر سے نہ تو اچھا ہوتا ہے اور نہ برا بلکہ یہ بیرونی اثرات کے وجہ سے نشو و نما پاتا ہے۔ یہ اثرات ذہن پر ان اظہاروں کے ذریعے اثر پذیر ہوتے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور ان کے جذب ہونے کا انداز فیصلہ کن ہوتا ہے۔

وسیع پیمانے پر سوسائٹی اور رسمی تعلیم کا سامنا فرد کو اس بات کے اخذ کرنے پر مجبور کرتا ہے جو کچھ اس کا ذہن محسوس کرتا ہے یعنی وہی کچھ کہہ دیتا ہے یا کر دیتا ہے۔

اظہاروں کی پیچیدگیوں اور Apperceptive سرگرمیوں کو جنم دینا افراد کے

کے کردار اور سماجی بہتری کو اخذ کرتا ہے اس لحاظ سے تدریس Instruction ذہن کو قابو کرنے کی حالت یا Form ہے۔ مگر تدریس Instruction بذات خود بھی قابو کیا جاسکتا ہے۔ تعلیم ایک ایسا طریقہ ہے جو Apperceptive Masses کو بناتا ہے اور جو انفرادی اور سماجی طور پر پسند کیا جاتا ہے۔ ایک استاد کو تجربات احتیاط سے منتخب کرنے چاہئیں جس میں طالب علم کا ذہن واضح کرنا ہو یعنی جس میں طالب علم کی ذہنیت کا اندازہ لگانا ہو روایتی طور پر دنیا نے " پیدائشی اساتذہ " بڑے جوش وخروش اور جذبے سے قائم رکھے ہیں بلکہ ہربارٹ اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ شریفانہ ارادے اور وجدان کی تصدیق پڑھانے کے لیے ناکافی ہے حتیٰ کہ ایک وقف شدہ اور باخبر استاد بھی اپنے مضمون پر عبور کی تصدیق کرے گا تو حقیقی تعلم کس طرح ہوتا ہے اسے صرف ایک اچھا اور منظم طریقہ کار مطلوبہ نتائج کو یقینی بنا سکتا ہے۔ ہربارٹ دلائل پیش کرتا ہے اور Apperceptive masses جو تعلیم کو کامیاب بناتے ہیں اور اسے مزید ممکن بناتے ہیں یہ خالص خیالات کے علیحدہ مجموعے نہیں ہیں۔

جن چیزوں کو عام طور پر تصورات، یادداشت، عقل یا وجوہات، قوت ارادی کے محرکات اور علیحدہ نفسیاتی طریقہ کار اور طاقت کے سلسلے کا خیال رکھا جاتا ہے۔ حقیقت ذہن کے محسوس کردہ تمام اظہاروں کا مجموعی نتیجہ ہوتا ہے وہ طریقہ جس سے ایک شخص خاص مصیبت یا حالت کو ردعمل دکھایا جاتا ہے کا دارومدار ( Apperceptice complex ) پر ہوتا ہے جو نیا اظہار واقع ہونے کے وقت اس پر غالب آئیں۔ مختلف اشخاص ایک ہی وقت یا یہی ایک شخص مختلف اوقات میں مختلف قسم کے ردعمل دکھاتا ہے بشرطیکہ دونوں کو ایک ہی حالت میں رکھا جائے۔

افراد کا منظم شدہ System of presentation ایک منتخب فعل سرانجام دیتا ہے جو مناسب خیالات کے جذب کرنے کو آسان بنانے کی طرف مائل ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ نامناسب خیالات کے انجذاب کو رد کرنے کی طرف بھی مائل ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی بھی نئے خیال کا انجام کسی فرد کے سابقہ ذہنی نشوونما کے ساتھ یوں ملا ہوا ہوتا ہے جو کبھی بھی جدا نہیں ہوسکتا یہ وہ نفسیاتی حقیقت ہے جو اس قول کو حق بجانب قرار دیتا ہے کہ بچہ صرف وہی سیکھتا ہے جو اس نے پہلے ہی سے سیکھا ہو۔

# ہربارٹ کے نظریہ تعلیم کے اثرات

Influence of herbartianism

ہربارٹ کے نظریات کو چونکہ خاص Experimental data کا سہارا حاصل نہیں ہے لہٰذا یہ جدید معیار کے مطابق سائنسی نوعیت کے نہیں ہیں تاہم پھر بھی ہربارٹ کے تجزیات گہرے اور ثمر آور تھے اس نے Wilhelm max woundt کو کافی متاثر کیا جس نے ۱۸۷۹ء میں Leipzig میں دنیا کی سب سے پہلی نفسیاتی Laboratory قائم کی ہربارٹ نے بہت سے تجرباتی یا عملی ماہرین نفسیات کو بھی متاثر کیا جن میں Fechner Thorndike Gatton اور Ebbinghaus. قابل ذکر ہیں۔

ایک متاثر کن درجے تک ہربارٹ کے خیالات کو سکولوں میں بھی اختیار کیا گیا Paulmonroe کا اندازہ جو نصف صدی پہلے لگایا گیا تھا اب بھی صحیح معلوم ہوتا ہے مثلاً اس کے مطابق "کسی بھی شخص نے تدریس کے جدید کام سے متعلقہ کوئی بھی تحریر زیادہ گہری بصیرت یا زیادہ معنی خیز انداز میں یا زیادہ گہری فلسفیانہ فہم و فراست کے ساتھ نہیں لکھی" ۱۹۲۳ء، صفحہ نمبر ۶۳۸

مندرجہ بالا جملہ Paul Monroe کی ایک کتاب سے ماخوذ ہے۔

ہربارٹ نہ تو کسی عقیدے کا پرچار کرنے والا تھا اور نہ ہی وہ ایک مصلح تھا مگر اس حقیقت کے باوجود اس کے نظریات نے سائنسی اور تعلیمی میدان میں بنیادی اور انقلابی تبدیلیاں برپا کیں۔

۱۸۶۵ء میں Leipzig یونیورسٹی کے Tuiskan Ziller نے ایک کتاب شائع کی جس کا نام "The basis dectrine of educative instruction as a moral force" اس کام نے ہربارٹ کے نظر انداز شدہ تعلیمی خدمات کی طرف لوگوں کی توجہ ایک بار پھر اتنی مبذول کی کہ ۱۸۶۸ء میں Dresdon میں ایک سوسائٹی قائم کی گئی تھی جس کا نام "Society for scientific pedagogy". Ziller اس سوسائٹی کا سب سے پہلا صدر تھا اور وہ اس سال کی نئی کتاب کا سب سے پہلا ایڈیٹر تھا ۱۸۷۴ء میں Rein Wethelm کی ہدایت پر Jena

یونیورسٹی میں ایک Pedagogical seminary قائم کی جس نے زیلر کے خیالات کے مطابق اپنا ایک Practice school کھولا۔ زیلر اور رین کے جوش و جذبے نے Herbartian تحریک کی روح پھونک دی جو جرمن تعلیمی طریقہ کار کی از سرِ نو تعمیر کی ذمہ دار ٹھہری۔

یہ تحریک ۱۸۸۰ء کے اواخر میں Charles De Garmo کے ذریعے United States of America پہنچ گئی اس تحریک کو USA تک پہنچانے میں Charles and Frank Memurry اور ایک دوسرا Young american بھی شامل تھے۔ یہ لوگ Leipzig میں Jena یونیورسٹی میں ہربارٹ کے نظریات سے بھی متاثر ہو چکے تھے۔

ہربارٹ کے وہ خیالات جو زیلر Ziller اور رین Rein نے USA کو منتقل کئے تھے امریکہ والوں نے بڑے جوش و جذبے سے ان کا خیر مقدم کیا Charles De Garmo ۱۸۹۵ء میں National Herbart society for the scientific study of education کے سب سے پہلے صدر بن گئے۔ اس سوسائٹی کو اس مقصد کے تحت منظم کیا گیا کہ وہ امریکہ میں Herbartian اصولوں کو رائج کرے ۱۹۰۱ء میں اس سوسائٹی نے ہربارٹ کی شہرت کو کم کر دیا کیونکہ اس کے اصول Doctrines اُن کے مفادات پر مزید پورا نہیں اتر سکتے تھے آٹھ سال بعد اس سوسائٹی نے National society for the scientific study of education کی شکل اختیار کی Herbartian کئی سالوں تک عام سکولوں اور کالجوں میں پروان چڑھ گئی ہربارٹ کا اثر USA سکولوں کے اضافی نصابوں میں ہمارے تعلیمی نظام کے جدید طریقہ تدریس میں آج بھی زندہ ہے۔

**تبصرہ:۔** ہربارٹ کے طریقہ تدریس کی ضرورت سے زیادہ رسمی تقلید نے لوگوں کو اس جانب سے دل برداشتہ کر دیا ہے اس کے ذمہ دار زیادہ تر ہربارٹ کی تقلید کرنے والے ہیں۔ ہربارٹ کا یہ مقصد نہیں تھا کہ اس کے رسمی اقدامات پر اتنی سختی

سے عمل کیا جائے کبھی تو ہربارٹ فرد کی ذہنی خصوصیات نظر انداز کر دیتا ہے اور دماغ کو کلی طور پر بیرونی اثرات کی پیداوار تصور کرتا ہے اور کبھی وہ یہ بھی تسلیم کر لیتا ہے کہ کچھ پیدائشی میلانات بھی ہوتے ہیں جو کہ دماغ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

انفرادیت کے اس اعتراف کی بنا پر وہ ہدایت کرتا ہے کہ اُستاد طالبعلم کے خیالات اور میلانات کا بھی مشاہدہ کرے۔ ہربارٹ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ہر مضمون کو اگر ممکن ہو تو دلچسپ بنایا جائے اور سبق اس طرح پیش کیا جائے جو بچوں کو کھیل معلوم ہو لیکن وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ہر سبق کو دلچسپ نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر غیر دلچسپ اسباق کو دلچسپ بنانے کی کوشش کی جائے گی تو مطلب ختم ہو جائے اگر طلباء سے محنت نہ کرائی جائے تو اپنی استعداد سے ناواقف رہ جائیں گے۔ ہربارٹ اکثر اوقات اس بات کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ بہترین طریقے سے بھی کبھی کبھی طلباء کی توجہ حاصل نہیں کر سکتے اور پھر مجبوراً ایسے طریقے استعمال کرنے پڑتے ہیں کہ طلباء کو خلافِ مرضی توجہ دینی پڑے ہربارٹ کے معتقدین اس کے پانچ رسمی اقدامات کو سبق میں ترتیب وار اس قدر پابندی سے استعمال کرتے ہیں کہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسمی اقدامات تعلیم یا سبق کے مقصد ہیں ذریعہ نہیں ہیں واقعہ یہ ہے کہ ہربارٹ خود اس بات کو ضروری نہیں سمجھتا تھا کہ یہ رسمی اقدامات ہر مضمون اور ہر سبق میں اتنی پابندی سے استعمال کئے جائیں گے۔

ہربارٹ پر بعض مفکرین نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے اپنے فلسفہ تعلیم میں مذہبی تعلیمات کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے اس کے علاوہ بچوں کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں کوئی سیلیبس کا تصور نہیں اور نہ ہی کسی کھیل کود ورزش اور جمناسٹک کو نصاب میں شامل ہونے پر زور دیا ہے۔

ہربارٹ کا تعلیمی فلسفہ پیشہ ورانہ تربیت اور جنگی چالوں سے عاری ہے حالانکہ کسی بھی معاشرہ کی بقا ان دو علوم پر مشتمل ہے جبکہ اس کے علاوہ اس نے کہیں بھی اپنے فلسفہ تعلیم میں تعلیم نسواں کا ذکر تک نہیں کیا اور نہ ہی اُن کے لئے کسی مخصوص نصاب کے تعین کا تذکرہ کیا ہے۔ حالانکہ عورتیں معاشرہ میں مردوں کے برابر کا درجہ رکھتی ہیں اور برابر کا کردار ادا کرتی ہیں۔

الغرض ہربارٹ کا فلسفہ تعلیم چند ایک خامیوں کے باوجود سائنسی دنیا میں اور تعلیمی نفسیات کے تصور کی حیثیت سے بنیادی حیثیت کا حامل ہے جس سے بچوں کو اس طور پر سائنسی تعلیم کے حصول میں مدد دی جا سکتی ہے

تیرہواں باب

# فریڈرک فروبل

## ۱۷۸۲ء تا ۱۸۵۲ء

Froebel:

### سوانح حیات

بانی کنڈر گارٹن فریڈرک فروبل ۱۷۸۲ء میں شمالی جرمنی کے ایک گاؤں "اوبر وز بیک" میں پیدا ہوا فروبل ابھی بچہ ہی تھا کہ اس کی والدہ فوت ہو گئی۔ اس کے والد نے دوسری شادی کر لی۔ سوتیلی والدہ نے اس کی کوئی خاص تربیت نہ کی بلکہ اکثر اسے گھریلو کام میں لگائے رکھتی۔ جبکہ اس کا والد پادری ہونے کے باوجود فروبل کی تعلیم و تربیت پر کوئی خاص توجہ نہ دے سکا الٹا اپنی نئی بیوی کے کہنے پر لگا رہتا۔ جس سے فروبل کو ناخوشگوار حالات کا سامنا کرنا پڑا اور وہ گھر سے باغی ہو گیا۔

۱۷۹۲ء میں فروبل اپنے ماموں کے ہاں چلا آیا ـــــ اس کے ماموں نے اس کی کافی تعلیم و تربیت کی۔ جہاں پر اسے اپنے والدین کی کمی محسوس نہ ہوئی فروبل کے ماموں نے سولہ سال کی عمر میں اسے محکمہ جنگلات میں ملازم تعینات کروا دیا۔

فروبل نے جنگلی زندگی اور مظاہر قدرت کا اپنی گہری نظروں سے مطالعہ کیا۔ جہاں پر اس نے فطرت سے محبت کرنا سیکھی اور یہیں سے اسے تخلیق کائنات کے سربستہ رازوں کو جاننے کا شوق ابھرا۔ جس سے فروبل نے دو سال بعد ملازمت ترک کر دی۔

۱۸۰۰ء میں فروبل جینائی یونیورسٹی میں حصول علم کے لئے داخل ہو گیا جہاں پر اسے اس وقت کے مشہور فلسفیوں ہیگل، فطشے اور شیلانگ جیسے فلاسفروں کی تحریریں پڑھنے اور ان کے افکار کے مطالعے اور ملاقاتوں کے مواقع نصیب ہوئے جن سے فروبل کافی متاثر ہوا دوران تدریس فروبل نے ریاضی، طبیعات اور کیمیا کا علم حاصل کیا۔ مالی پریشانیوں کی بنا پر اسے تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا۔ جس سے اس نے مختلف پیشے اختیا

گئے تاہم "درڈدن" کے مقام پر ایک مقامی سکول میں بطور معلم ملازم ہوگیا۔ اس سکول میں بچوں کی "پستالوزی" کے طریقہ تدریس کے مطابق تربیت کی جاتی تھی جس سے فردبل کافی متاثر ہوا۔ اور متواتر تین سال تک اسی تعلیمی ادارے میں پڑھاتا رہا مزید تعلیم کی خاطر فردبل "برلن" یونیورسٹی میں داخل ہوگیا۔ جہاں پر اس نے روسو، ارسطو، افلاطون اور سقراط جیسے عظیم فلاسفروں کے طریقہ ہائے تدریس کا بغور مطالعہ کیا۔

فردبل مندرجہ بالا مفکرین تعلیم کے طریقہ ہائے تدریس سے متاثر ہو کر بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے فکرِ جدید کے ساتھ اپنے ذہن میں نئے طرز کا (کنڈر گارٹن) ایک تعلیمی پروگرام ترتیب دیا اور ایک جدید تعلیمی ادارہ بنانے کا مصمم ارادہ کیا۔ لیکن اسی دوران جرمنی پر نپولین نے قبضہ کر لیا جس سے جرمنی والوں نے اپنے وطن کو آزاد کرانے کے لئے آزادی جنگ شروع کردی فردبل بھی اس آزادی کی جدوجہد میں شریک ہوگیا۔ ایک سال بعد ۱۸۱۴ء میں فردبل نے "کیلیو" کے مقام پر ایک مشترکہ سکول کھولا۔ لیکن بعض حالات کی بنا پر اسے سکول کو چھوڑنا پڑا۔ پھر جلد ہی اس نے دوبارہ ۱۸۱۶ء میں "گریشم" کے مقام پر چھوٹے طرز کا (کنڈر گارٹن) سکول کی بنیاد رکھی۔ جہاں پر فردبل نے پیٹالوزی طریقہ تعلیم پر عمل کیا۔ بچوں کی نشوونما کیلئے اس نے بہتر سے بہتر انداز اختیار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی فردبل نے اپنے تعلیمی تجربات کی روشنی میں مختلف تعلیمی مضامین پر دو مشہورِ زمانہ تصانیف لکھیں جو حسب ذیل ہیں۔

**تصانیف**

The Education of man

Pedagogies of the Kinder Garten

فردبل نے اپنی پوری زندگی اپنے تعلیمی نظریات اور طریقہ ہائے تدریس کی اشاعت کے لئے وقف کر دی اور اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اس نے جرمنی کے مختلف شہروں میں جا کر تقریریں کیں۔ اور اپنے تعلیمی نظریات سے لوگوں کو آگاہ کیا اور ساتھ ہی اساتذہ کی تربیت پر زور دیا۔

۱۸۲۷ء کا سال فردبل کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اسی سال فردبل نے پہلی مرتبہ "بلیکن برگ" میں اپنے پسندیدہ طریقہ تعلیم کے مطابق "کنڈر گارٹن" کے

سکول کی بنیاد رکھی۔ جہاں پر فروبل نے اپنی پوری زندگی بچوں کی تعلیم و تربیت میں گزار دی فروبل کے اس قائم کردہ تعلیمی ادارے میں دور دراز سے لوگ آتے تھے۔ جہاں پر وہ اساتذہ کو بھی تعلیم دیتا تھا اور انہیں پڑھانے کے طریقے بتایا کرتا تھا اور اکثر یہ کہا کرتا تھا۔

"کہ آیئے ہم اپنے بچوں کے لئے زندہ رہیں"

فروبل کے سکول کی اس قدر شہرت ہوئی کہ دور دراز سے لوگ وہاں تعلیم کے لئے آتے تھے۔ جہاں ہر سال اس کے سکول میں بچوں کا میلہ لگتا تھا جس میں تعلیمی اور ہم نصابی سرگرمیوں کے مقابلے ہوا کرتے تھے۔

**وفات** دنیا کا عظیم مفکر تعلیم فریڈرک فروبل ستر سال کی عمر میں ہنستا بستا اس سکول کو چھوڑ کر ۱۸۵۲ء میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا۔

## فلسفۂ حیات

فریڈرک فروبل کا "فلسفۂ حیات" مشہور زمانہ فلاسفر "ہیگل" سے ملتا جلتا نظر آتا ہے لیکن وہ اس کے ساتھ اس وقت کے فلاسفر نطشے اور شیلانگ کے نظریات سے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا فروبل کے نظریات میں ارسطو، افلاطون اور سقراط جیسے فلسفیوں کے افکار کی جھلک بھی نمایاں طور پر محسوس کی جا سکتی ہے۔ اگر مزید بنظرِ غور اس کے فلسفۂ حیات کا مشاہدہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مسلم مفکرین ابنِ عربی ابنِ تیمیہ، ابن خلدون اور امام غزالی کے نظریات سے متاثر ہو کر اپنے فلسفۂ حیات کو ترتیب دیا ہے۔

جبکہ وہ اپنی مشہور زمانہ تصنیف "انسان کی تعلیم" کائنات میں اور خالقِ کائنات کے بارے میں یوں رقم طراز ہے۔

"کہ کائنات کی ہر چیز ایک منبع سے نکلی ہے اور وہ منبع باری تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس طرح انسان اور کائنات میں ایک روح کام کر رہی ہے۔ اور یہ

روح ہر چیز کو ایک "اکائی" کی شکل دیتی ہے اور تمام اشیاء کو باہم مربوط کر دیتی ہے"۔
اسی بناء پر اس نے "ذات باری تعالیٰ" کو "وحدت" اور "نظام فطرت" کو کثرت کا نام دیا ہے۔ فروبل کے نزدیک۔

" کائنات کی ہر شے میں خدا کی روح کی چنگاری موجود ہے جو اسے بالیدگی کی راہ پر آگے کی طرف لے جاتی ہے اور ہر چیز اس سرچشمے کی طرف آگے بڑھنے پر مجبور ہے جس نے اسے جنم دیا۔ اور یہ اندرونی قوت (روح) ہر چیز کو غیر منقطع ترقی کی راہ پر لگائے رکھتی ہے۔"

فروبل اپنے فلسفۂ حیات کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ۔
" دنیا کی ہر چیز کسی خارجی طاقت کے بغیر از خود آگے بڑھنے پر مجبور ہے۔"

فروبل انسانی زندگی میں اس کی پیدائش سے لیکر آخری وقت تک کے زمانہ میں بچپن کو ایک اہم زمانہ قرار دیتا ہے۔ اور یوں بیان کرتا ہے کہ۔
" بچپن کا زمانہ روحانیت کے ارتقاء اور دنیاوی زندگی میں خدائی اوصاف کے نفوذ کے لئے ایک نشانِ منزل کی حیثیت رکھتا ہے۔"

فروبل اپنے فلسفۂ حیات میں تخلیقِ انسانی کو "روح" اور مادہ" کے ملاپ کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ اور انسان کو ان دونوں کے باہمی اتحاد کا مظہر قرار دیتا ہے۔ فروبل انسان کو بیک وقت "خدا" اور نظام فطرت کا ایک جزو (بچہ) قرار دیتا ہے اور ساتھ ہی انسان کے مقاصدِ حیات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اسے۔

" خدائی، سماوی اور ارضی مطلق و مقید صفات کے متوازن مجموعہ کا عملی نمونہ ہونا چاہیئے۔"

فروبل "کانٹ" کے نظریات کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنے فلسفۂ حیات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تخلیقِ انسانی اور حیاتِ انسانی کے مقاصد کا صرف عقل ہی احاطہ نہیں کر سکتی اور نہ ہی عقل کے اختیار میں یہ سب کچھ ہے۔ اس لئے ہمیں عقل کے ساتھ ساتھ وجدان (وحی اور الہام) کو رہنما بنانا پڑے گا۔ جو ہمیں نیکی

اور بدی کا شعور دلائے گی اور حقائق کی طرف لے جائے گی۔

فروبل زندگی کو بے مقصد قرار نہیں دیتا بلکہ بامقصد سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس زندگی سے ہیں اصل مقاصد زندگی کی تکمیل میں ہر وقت سرگرداں رہنا چاہیئے تاکہ ہم انسان کے فطری تقاضوں اور نفسیاتی ضرورتوں کو سمجھ کر تکمیل کا سامان میسّر کر سکیں اور یہی انسان کی معراج اور کامیابی ہے۔ فروبل اپنے فلسفہ حیات میں انفرادی اور اجتماعی زندگی میں پیار و محبت کی تعلیم کا خواہاں ہے اور قانون فطرت کے اصولوں پر عمل پیرا ہوتا نظر آتا ہے۔

ایک اور جگہ فروبل بیان کرتا ہے کہ۔

"خدا نے انسان کو اپنے مثل تخلیق کیا ہے۔ اس بنا پر انسان کو بھی اپنی ہم مثل تخلیق کا ایک فطری شوق ہے۔"

فروبل خود کاری اور تخلیق کے ذریعے خودی کو آشکار کرنا چاہتا ہے اس کے نزدیک انسانی شخصیت انسان کی خودی میں پوشیدہ ہے۔ اور انسان کی خودی کو اس کے افعال کے ذریعے ظاہر ہونے سے روکا نہ جائے۔ جو کچھ وہ کرنا چاہے اسے کرنے دیا جائے بلکہ اس کی خودی کو عملی جامہ پہنانے میں اس کی رہنمائی کی جائے۔

فروبل کا فلسفہ حیات شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کے شعر کے مصداق ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

## فلسفۂ تعلیم

فریڈرک فروبل کے فلسفۂ تعلیم سے مراد اس کے تعلیمی افکار ہیں جو کہ اس نے اپنی مشہور زمانہ تصانیف "انسان کی تعلیم" اور "کنڈر گارٹن" میں مختلف مضامین کے توسط سے بیان کئے ہیں۔ فروبل کا فلسفۂ تعلیم اس کے فلسفہ حیات کی عکاسی کرتا ہے۔ جو کہ اس نے عملی طور پر اپنے کنڈر گارٹن کے طریقۂ تعلیم میں آنہ ماکر پوری دنیا میں شہرت

حاصل کی فروبل نے تعلیمی دنیا میں صرف تعلیمی نظریات ہی پیش نہیں کئے بلکہ عملی طور پر متقدمین، مفکرِ تعلیم کے نظریات کو اپنے نظریات کی بنیاد بنا کر ایک عملی انقلاب برپا کر دیا کہ جس سے پوری دنیا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی کیونکہ اس کا فلسفۂ تعلیم انسانی عظمت کا قائل ہے۔ اور اس عظمت کو قائم رکھنا انسان کا فطری حق تصور کرتا ہے۔

فروبل نے فطرت انسانی کے تقاضوں اور اس کی نفسیاتی ضرورتوں کو بھانپتے ہوئے اپنے فلسفۂ تعلیم کو کچھ اس طرح ترتیب دیا ہے۔ اس کے نزدیک۔

"تعلیم کا حصول ہر انسان کے لئے اس کا فطری حق ہے جسے وہ فطری اطفال کے نام سے موسوم کرتا ہے۔"

**فطری اطفال**

فروبل اپنی مشہور زمانہ تصنیف "بنی نوع انسان کی تعلیم" میں یوں بیان کرتا ہے کہ۔

"کس قدر افسوسناک بات ہے کہ آج بھی انسان کو بدکار سمجھا جاتا ہے کہ وہ گناہوں کی پاداش میں اس دنیا میں تخلیق ہوا ہے۔ اور یہ تصور سراسر غلط ہے کہ انسان بغیر "کوڑے" کے درست نہیں ہو سکتا۔"

فروبل نے سب سے پہلے لوگوں کے ذہنوں سے اس بات کو ختم کرانے کی کوشش کی کہ "انسان گناہ گار ہے لہٰذا وہ ذہنوں کی سختیاں جھیلنے کے لئے اس دنیا میں پیدا ہوا ہے"۔ فروبل نے کہا کہ نہیں یہ سب غلط ہے بلکہ "انسان تو معصوم ہے اور اس معصوم کی فطرت کو سمجھنا ہم سب کا فرض بنتا ہے۔"

فروبل نے اپنے تعلیمی ادارے کنڈر گارٹن میں بچوں کی صحبت میں کافی عرصہ رہ کر خوب تحقیق کی اور اس کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا اور کہا کہ۔

"بچہ کی کمزوری کا علاج انسان کی فطری خوبی میں مضمر ہے۔ جس خوبی کو ابھرنے کا موقع نہیں ملتا اس کو دریافت کر کے ابھرنے کا موقع دیا جائے تو بچے کی کمزوری خود بخود دور ہو جائے گی۔"

اس امر کی مثال وہ ایک بیج کی صورت میں پیش کرتا ہے کہ جس طرح ایک بیج میں

مکمل درخت بننے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ اگر اسے مناسب ماحول عطا کر دیا جائے تو وقت کے ساتھ ساتھ اس کی نشوونما خود بخود ہوجاتی ہے اسی طرح ایک بچے میں بھی ایک مکمل انسان بننے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ اگر اسے بھی مناسب ماحول عطا کر دیا جائے تو وہ بھی فطرت کے اصولوں کے مطابق خود نشوونما پاتا اور پروان چڑھتا رہتا ہے۔

۱۔ فرڈبل کہتا ہے کہ۔

"اس بات سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بچہ میں خود بینی، اجنبیت، اور گستاخی اور انتقامی کاروائی اہم مقدار میں پائی جاتی ہے جبکہ اس کے برعکس سادگی، رحم دلی، برداشت اور صبر کا مادہ بچہ میں کم مقدار میں پایا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تعلقات والدین اور بچوں کے درمیان آغاز عمر میں ہی نہیں ہوتے۔"

۲۔ فرڈبل ان خراب عادتوں کو ختم کرنے کے لئے کھیل کو سب سے زیادہ کارآمد قرار دیتا ہے۔ اور بچپن کے کھیلوں کو روحانی مشغلہ قرار دیتا ہے۔ کہ کھیل سے محبت مسرت، آسودگی اور سکون قلب اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ کھیل تمام نیکیوں کا ماخذ اول ہے۔

۳۔ فرڈبل بچوں کی شرارتوں کے متعلق یوں بیان کرتا ہے کہ۔

"بچے معصوم ہوتے ہیں ان کو اپنی لاشعوری شرارتوں کے نتائج کا کچھ علم تک نہیں ہوتا اور نہ تجربہ۔ اس کی مثال اس طرح بیان کرتا ہے کہ جب ایک بچہ کسی پڑوسی کے دروازے پر پتھر مارتا ہے تو اس کو اس بات کا علم تک نہیں ہوتا کہ پتھر شیشے پر لگے گا اور شیشہ ٹوٹ جائے گا۔ مگر جب شیشہ پر پتھر لگتا ہے اور شیشہ ٹوٹ جاتا ہے تو وہ بچہ حیران و پشیمان ہو کر اس شیشہ ٹوٹے ہوئے دروازے کو دیکھتا ہے اور اپنی غلطی کا احساس کئے بغیر دوڑ پڑتا ہے۔"

## خودکاری اور تخلیق

فردبل اپنے فلسفۂ تعلیم میں بچہ کی خودکاری اور تخلیق کا قائل نظر آتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی تصنیف "بنی نوع انسان کی تعلیم" میں ہی بیان کرتا ہے کہ۔

"خدا نے انسان کو اپنے مثل تخلیق کیا ہے۔ اس لئے انسان کو بھی فطری طور پر اپنے ہم مثل پیدا کرنے کا شوق ہے۔"

لہٰذا انسان اس خواہش تخلیق کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خودکاری کے عمل کو بروئے کار لاتا ہے۔ جس میں وہ اپنی خودداری اور انانیت کو اولیت دیتا ہے۔ اور اسی خودکاری اور تخلیق کے ذریعے "خودی" کو آشکار کرنا چاہتا ہے۔ فردبل اس نظریہ کا بھی یکسر قائل نظر آتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ۔

"فرد کو جو وہ کرنا چاہتا ہے اسے کرنے دیا جائے اور اسی طرح اسے تعلیم کے مواقع میسر کیے جائیں۔"

اس کے تعلیمی نظریات کا لب لباب یہ ہے کہ خود کو ظاہر ہونے دیا جائے اور اس کو عملی جامہ پہننے دو یعنی بچہ جو کچھ کرنا چاہے اسے کرنے دو۔

## سماجی مشاغل

فردبل اپنے تعلیمی افکار میں فرد کی انفرادیت اور اجتماع کی اجتماعیت کا قائل ہے اس کے اس نظریہ پر پسٹالوزی کے سماجی مشاغل کی ضرورت کی چھاپ نظر آتی ہے کیونکہ اس کے نزدیک فرد کی بقاء معاشرہ اور اجتماع میں ہے اور اس کی پہچان سماج سے ہے۔ لہٰذا سماج کی بقا اعلیٰ اور عام تعلیم میں ہی ممکن ہے۔

فردبل سکول کو ایک مملکت سے تشبیہہ دیتا ہے کہ جس طرح کاروبار مملکت چلانے کے لئے مختلف اداروں کی ضرورت ہے۔ اسی طرح فرد کے اندر فطری صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے۔ جس سے سماج کے لئے اچھے افراد مہیا کرنا ہے تاکہ سماج کی اجتماعیت کو برقرار رکھا جا سکے اور اسی بنا پر فردبل اپنے تعلیمی افکار میں اجتماعی تعلیم کو بہتر گردانتا ہے۔

**مقاصد تعلیم**

ہر مفکر تعلیم اپنے فلسفۂ تعلیم کی بنیاد پر مقاصد تعلیم کا تعین کرتا ہے جہاں تک فروبل کا تعلق ہے اس نے براہ راست روسو اور دوسرے متقدمین مفکرین تعلیم کے نظریات کو یکجا کر کے جدید تصور کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔ اس کے نزدیک اس کی مشہور زمانہ تصنیف "بنی نوع انسان کی تعلیم" میں درج ذیل مقاصد تعلیم بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ بچے کی ہمہ گیر نشوونما۔
۲۔ بچے کی مکمل شخصیت کی تعمیر۔
۳۔ اخلاقی تعلیم کو پروان چڑھانا۔
۴۔ بچے میں مذہبی استحسان کا پیدا کرنا۔
۵۔ بچے کو مکمل معلومات کی فراہمی۔
۶۔ بچے میں آزادئ فکر پیدا کرنا۔
۷۔ بچے میں جذبۂ اخوت کو بیدار کرنا۔
۸۔ بچے کی ذہنی صلاحیتوں کی نشوونما اور جذبۂ تجسس کو ابھارنا۔
۹۔ حقائق فطرت سے روشناسی۔
۱۰۔ فلسفۂ حیات کے مقاصد کے حصول کی جدوجہد پیدا کرنا۔

**تعلیمی نصاب**

فروبل کے نزدیک تعلیم میں نصاب کی ایک خاص اہمیت ہے وہ اپنی تصنیف Education of man میں بیان کرتا ہے۔ کہ۔

"کوئی بھی تعلیمی پروگرام کامل نہیں ہو پاتا جس میں نصاب کا تعین نہ کر دیا جائے۔ اسی وجہ سے فروبل نے اپنے پیش رو روسو کے تعلیمی نصاب کی ترجمانی کرتے ہوئے مزید بہتر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے اس کے نزدیک نصاب کو زیادہ واضح اور غیر مبہم ہونا چاہیئے۔"

اسی بنا پر فروبل نصاب کے بارے میں کچھ یوں رقم طراز ہے کہ۔

"نصاب میں مضامین شامل کر دینا ہی حصول منزل نہیں بلکہ نصاب میں شامل مضامین بچے کی مکمل شخصیت کی نشو و نما کی ضمانت دیں"۔

فروبل نے طبعی عمروں کو ملحوظ رکھتے ہوئے نصاب کو کچھ اس طرح ترتیب دیا ہے۔

بچپن میں —— وہ بچوں کے لئے صرف کھیل کود اور زبان دانی کو شامل نصاب قرار دیا ہے۔

لڑکپن میں —— وہ عملی سرگرمیوں یعنی کام، محنت اور لگن کو اہمیت دی ہے۔ مدرسے کے باقاعدہ طلباء کے لئے وہ باغبانی، دینی تعلیم، مذہبی گیت، مطالعہ قدرت، سیر و سیاحت، ریاضی، خطاطی، زبان دانی اور دستکاری کے مضامین کو نصاب میں شامل ہونے پر زور دیا ہے۔

فروبل کے نزدیک نصاب اس قسم کا ہونا چاہیئے جو نہ صرف حواس کی ترقی کا ذریعہ بنے بلکہ حقائق قدرت کی پہچان میں معاون ثابت ہو اور ذاتِ باری تعالیٰ کا قرب دلائے۔

## طریقۂ تدریس

فروبل نے اپنے فلسفۂ تعلیم میں جدید قسم کے طریقۂ تدریس کو بیان کیا ہے۔ اس کے نزدیک "کسی فلسفۂ تعلیم کو کامیابی کے کنارے تک پہنچانے والا عمل اس کا طریقۂ تدریس ہوتا ہے"۔

فروبل نے اپنے طریقہ تدریس کے ذریعے روایتی تعلیمی انداز کو یکسر بدل کے رکھ دیا اور ایک انقلابی طریقہ اپنایا۔ کہ جس کے ذریعے آج پورے یورپ میں والدین اپنے بچوں کو اس طریقۂ تدریس کے مطابق تعلیم و تربیت دلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں کیونکہ فروبل نے اپنے طریقہ تدریس میں اولیت، اصول فطرت اور فطرت انسانی کو عطا کی ہے۔

۱:۔ فروبل کے نزدیک تعلیم میں وہی طریقہ تدریس کامیاب ہو سکتا ہے جو فطرت یعنی بچوں کی فطرت کے زیادہ قریب ہو۔ وہ اپنے طریقہ تدریس میں کھیل کھیل میں بچوں کو پڑھانے کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ اس کے نزدیک وہ علم زیادہ دیرپا ہوتا ہے جو طلبار کی ذہنی پسندیدگی کو مدنظر رکھ کر دیا جائے۔ کھیل ہی تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے، جو انسان کو روحانی سکون عطا کرتا ہے۔

۲:۔ فروبل اپنے طریقہ تدریس میں نسل کی نشوونما کا قائل ہے کہ بچوں کو باقاعدگی کے ساتھ تعلیمی اسباق پڑھائے جائیں۔ جن میں ان کی نفسیات کا خاص خیال رکھا جائے۔ بچوں کی پسندیدہ عادات کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ تاکہ بچے میں حق پسندی، راست گوئی، تعاون، ہمدردی وغیرہ جیسے بلند اوصاف پیدا ہوں۔

۳:۔ فروبل اپنے طریقہ تدریس میں آسان سے مشکل کی طرف چلنے کا طریقہ بتاتا ہے کہ پہلے آسان آسان اسباق پڑھائے جائیں اس کے بعد جب علم میں اضافہ ہو جائے تو قدم بقدم مشکل کی طرف چلا جائے۔

۴:۔ فروبل اپنے طریقہ تدریس میں بچوں کی آزادی کا حامی ہے کہ انہیں زبردستی مضامین نہ پڑھائے جائیں۔ بلکہ مضامین کے چناؤ میں انہیں اپنی پسند و ناپسند کا اختیار دیا جائے۔

۵:۔ فروبل کا طریقہ تدریس طلبار پر سختی اور سزا کے خلاف ہے کہ طلبار کو کسی قسم کی سزا سے نہ گزارا جائے۔ بلکہ غلطی کی اصل وجہ معلوم کی جائے کہ کس بنا پر بچے سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ پھر اس کے بعد بچے کو پیار بھرے انداز میں سمجھا دیا جائے ساتھ ہی اسے اس کی غلطی کا احساس دلا دیا جائے تاکہ پھر دوبارہ اس غلطی کا مرتکب نہ ہو۔

## تربیت اساتذہ

فروبل نے اپنے تعلیمی افکار کے ذریعے نہ صرف جدید طریقہ تعلیم سے واقفیت دلائی ہے بلکہ اس نے تعلیم اور تعلیمی خامیوں کی نشان دہی بھی کی فروبل نے اساتذہ کے طریقہ تدریس کو بھی اپنے فلسفۂ تعلیم میں بیان کیا ہے اور کہا کہ جب تک اساتذہ کو جدید تعلیمی اصولوں

اور بچوں کی نفسیات سے واقفیت نہیں دلائی جاتی اس وقت تک تعلیم کا عام اور تعلیمی مقاصد کا حصول ناممکن ہے۔ اسی بنا پر فروبل نے اپنی قائم کردہ تعلیمی درس گاہ کنڈرگارٹن میں باقاعدہ اساتذہ کی تربیت کا علیحدہ بندوبست کیا جہاں پر دور دراز سے اساتذہ سالانہ میلے کے موقع پہ نئے تعلیمی اصولوں سے واقفیت حاصل کرتے اس نے تربیت اساتذہ میں خصوصاً عورتوں کی تربیت پہ کافی زور دیا جس کے نتیجے میں کافی عورتیں پیشہ معلمی کی طرف رجوع کرنے لگیں۔

فروبل اساتذہ کو اپنے تعلیمی افکار کے ذریعے اس طرح مداح بنالیا اور انہیں قائل کیا کہ وہ تعلیم میں بچوں کی آزادی، ان کی پسند ناپسند کا خاص خیال رکھیں گے اور تعلیم کو بچوں کی نفسیات کے مطابق ڈھالیں گے اور دوران تدریس سختی، مار پٹائی سے احتراز کریں گے۔ کھیل کھیل میں بچوں کی پیار بھرے انداز میں تربیت کریں گے۔

## تعلیم نسواں

فروبل نے اپنے فلسفۂ تعلیم میں عورتوں کی تعلیم پر بھی کافی زور دیا ہے اس کے نزدیک عورتوں کی تعلیم بھی اس قدر ضروری ہے جتنی ایک مرد کے لئے۔ کیونکہ وہ عورتوں کو بچوں کی پرورش گاہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ۔

"اگر پرورش گاہ درست اور ٹھیک سلجھی ہوئی ہوگی تو خود بخود بچے بھی اچھی عادتیں لیکر پروان پڑھیں گے۔ کیونکہ مائیں ہی بچوں کی بہتر انداز میں تربیت اور رکھوالی کر سکتی ہیں۔ مائیں جس قدر بچوں کی زبان دانی لطیف گفتگو، اخلاقی تعمیر، پیار و محبت، ہمدردی و اخوت، رحم و صبر جیسی خوبیاں پیدا کر سکتی ہیں اس طرح کا دنیا کا کوئی بھی بڑے سے بڑا ادارہ ایسی خوبیاں پیدا نہیں کر سکتا اور نہ ہی کر سکے گا۔"

فروبل اپنے طریقہ ہائے تدریس لیڈی ٹیچرز کے کردار کو بڑے فخر سے گردانتا ہے کہ تعلیمی اداروں میں اگر عورتیں ہوں تو بچے احسن طریقے سے علم حاصل کر سکتے ہیں اس بنا پر وہ اپنے کنڈرگارٹن سکول میں خواتین اساتذہ کو مامور کرتا ہے اور خواتین اساتذہ کی تربیت کے لئے انتخاب کرتا ہے۔

# کنڈر گارٹن

کنڈر گارٹن جرمن زبان کی اصطلاح ہے جو دو الفاظ کنڈر اور گارٹن کا مجموعہ ہے جس کے لغوی معنی بالترتیب بچے اور باغ کے ہیں۔ یعنی "بچوں کا باغ" دنیا کے اندر سب سے پہلے فروبل نے ۱۸۲۷ء میں اپنے مدرسے کنڈر گارٹن کی بنیاد رکھی۔ فریڈرک فروبل نے اپنے فلسفۂ تعلیم میں کنڈر گارٹن ذریعہ تعلیم کو بہت سراہا ہے اور اس نے اس طریقۂ تعلیم کے ذریعے بچوں کو پودوں سے مشابہت دی ہے اور مدرسہ کو باغ سے تشبیہہ دی اور استاد کو باغبان سے مشابہت دی ہے۔

فروبل اپنی شہرۂ آفاق تصنیف " Education of man " میں یوں کنڈر گارٹن کے بارے میں رقم طراز ہے۔ کہ

"جس طرح پودے اپنی سرشت کے اندرونی تقاضوں کے مطابق باغ میں بلا روک ٹوک نشوونما پاتے ہیں اور باغبان کا کام محض اس نشوونما کے لئے سہولتیں مہیا کرنا ہے اسی طرح بچوں کی تربیت سے مراد یہ ہونی چاہیئے کہ بچے اپنے فطری تقاضوں کے مطابق آزادی اور ہمدردی کی فضاء میں کھیلیں کودیں اور پڑھائی لکھائی کے متعلق جو کچھ سیکھیں کھیل ہی کھیل میں سیکھیں۔"

فروبل نے بچپن کے زمانے کو نہایت اہم اور سنہری زمانے سے تشبیہہ دی ہے فروبل نے محکمہ جنگلات میں ملازمت کے دوران جنگل میں بڑھتے ہوئے پودے اور بڑھتے ہوئے بچے میں جو مشابہت دیکھی اس کی بنیاد پر کنڈر گارٹن کے طریقے کو جنم دیا۔ فروبل کے نزدیک عمر کا یہ حصہ انتہائی قیمتی ہوتا ہے اور یہ وہ بنیاد ہے جس پر سیرت وکردار کی عمارت تعمیر کی جاتی ہے۔ اگر یہ بنیاد کمزور پڑ جائے تو ساری کی ساری عمارت کھوکھلی رہ جائے گی۔

فروبل مزید وضاحت کرتا ہے کہ جس طرح ایک بیج میں پھل دار پودا یا درخت کے بننے کی صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں بشرطیکہ اسے سازگار موسم میں بویا جائے اور اس

کی نگہداشت و پرورش کی جائے تو اسی مناسبت سے بچے کے اندر بھی ہر قسم کی نیک صلاحیتیں وافر مقدار میں موجود ہوتی ہیں استاد کا کام صرف بچے کو سازگار ماحول فراہم کرنا اور اس کی رہنمائی کرنا ہے۔ اسی طرح بچہ پودے کی طرح خود بخود اصولِ فطرت کے مطابق پروان چڑھتا جائے گا۔

فروبل کہتا ہے کہ بچے کو پروان چڑھانے کے لئے کھیل کود کا ماحول دیا جائے جہاں پروہ اپنی آزادی کے ساتھ اپنی جبلی خواہشات کا اظہار کر سکے اور وہ اپنے فطری تقاضوں کی تکمیل کر سکے۔

فروبل کا خیال ہے کہ کھیل میں بچے کی تخلیقی قوتیں، محبت اور آزادی کے خوشگوار ماحول میں ترقی کریں گے جس سے اس کی قوتِ تخیل اور اس کے حواس اور قوت اظہار بڑھے گا۔

فروبل اپنے کنڈرگارٹن کے بچوں کو کتابوں کے بوجھ سے آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔ اس بنا پر فروبل نے کتابوں کی جگہ مختصر قسم کے تین رسائل پیش کئے ہیں۔

۱۔ مذہبی گیت۔ ۲۔ جسمانی ورزشیں۔ ۳۔ تعمیری کام (ڈرائنگ)

فروبل اپنے فلسفۂ تعلیم کے تحت کنڈرگارٹن کے استاد کو پڑھانے کے لئے چند ایک نصیحتیں کرتا ہے۔ کہ استاد سب سے پہلے

۱۔ بچوں کو کہانی سنائے۔

۲۔ گیت کے انداز میں کہانی کے واقعات کو دہرایا جائے۔

۳۔ مختلف کردار کو اشکال کی صورت میں کاغذ پر لکڑی کے ٹکڑوں کے ذریعے اور خط کشی کے ذریعے بنانے کا ڈھنگ بتایا جائے۔

۴۔ جسمانی ورزش کے بچوں کو گیت یاد کرائے جائیں جو کہ دوران ورزش گائیں۔ کیونکہ ہر گیت میں کوئی نہ کوئی اخلاقی تعلیم ضرور موجود ہوتی ہے۔

فروبل کہتا ہے کہ ان تمام کاموں میں استاد بھی ساتھ ساتھ حصہ لیتا رہے تاکہ طلبا دلجمعی سے اپنے کام میں مشغول ہوں۔

# فروبل کی تعلیمی سکیم

فریڈرک فروبل کی تعلیمی سکیم کو تعلیمی مدارج یا تعلیمی ادوار کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ فروبل نے دوسرے مفکرین تعلیم کی طرح تعلیم کے اندر بچوں کی طبعی عمروں کو مدِنظر رکھتے ہوئے درجہ بندی کی ہے جیسے وہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف میں فرد کی تربیت کے لئے مختلف تعلیمی ادوار ترتیب دیتا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

(۱) بالک پن۔ (۲) بچپن۔ (۳) لڑکپن۔ (۴) جوانی۔

فروبل کے مندرجہ بالا تعلیمی مدارج کو ہم درج ذیل سطور میں وضاحت سے بیان کرتے ہیں:

**بالک پن** فروبل اس عمر کے بچے کے لئے والدہ کی پرورش کو اہم ذمہ داری سے منسوب کرتا ہے کہ بچے کو عورتیں جتنی آسانی سے سنبھال سکتی ہیں وہ مرد کے لئے کافی مشکل ہے۔ اس عمر میں خصوصاً حسی تربیت کا خاص خیال رکھا جائے۔ کیونکہ بچہ سے جس قسم کا رویہ اختیار کیا جائے گا وہ اسی رویہ کے مطابق نشوونما پائے گا۔

فروبل کہتا ہے کہ ماں نرم دل ہوتی ہے وہ بچے کو ہمیشہ پیار بھرے الفاظ سے پکارتی ہے۔ جس سے بچہ بہت جلدی شناسا ہو جاتا ہے اور مختلف باتوں کو سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتا

**بچپن** فروبل کے نزدیک بچے کی عمر کا یہ دور سب سے زیادہ اہم اور اصل دور سمجھا جاتا ہے۔ وہ اساتذہ کو اس بات پر زور دیتا ہے کہ اس عمر میں بچوں کی زبان دانی پر خصوصی توجہ دی جائے۔ ذہن کی نسبت ان کی جسمانی نشوونما کا خاص خیال رکھا جائے۔ تاکہ وہ جسمانی لحاظ سے توانا ہوں اور تعلیم میں چستی کا مظاہرہ کریں۔ کھیل کو وہ تعلیم کا ایک روحانی حصہ قرار دیتا ہے۔

**لڑکپن** فروبل کے نزدیک جس طرح بچپن کے لئے کھیل اور ورزش ضروری ہے اسی طرح لڑکپن میں بچہ کے لئے عملی مشاغل اور سرگرمیاں ہیں جن میں وہ بھرپور انداز میں حصہ لیتا ہے۔ اور اپنی کامیابی کے جوہر دکھانے کی تگ و دو کرتا ہے۔ کامیابی پر وہ اپنے اندر روحانی خوشی محسوس کرتا ہے آگے آگے جانے میں اس کے اندر صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں جن سے وہ جرأت اخوت محبت کا نمونہ بن کر نکھرتا ہے۔ اور اس عمر میں ہی بچے کی متوازن شخصیت پروان چڑھتی ہے۔

**جوانی کا دور** فروبل کے نزدیک جوانی کا زمانہ بھی نہایت اہم اور فیصلہ کن مراحل کا دور ہوتا ہے جس میں وہ اپنی زندگی کے راستے متعین کرنے کے فیصلے کرتا ہے اس دور کے لئے وہ بچوں کو ہر قسم کی تعلیم پر زور دیتا ہے جس سے ان کی شخصیت اور کردار میں اخلاقی اور مذہبی تعلیم کی جھلک نمایاں ہو اور وہ معاشرے میں ایک شریف اور مہذب شہری کی حیثیت سے جانا پہچانا جائے۔

## فروبل کے تعلیمی تحائف

فروبل بچوں کو کھیل کھیل میں تعلیم دینے کیلئے کئی قسم کے کھیل ایجاد کئے۔ فروبل کے یہ تعلیمی کھیل اس کے تعلیمی تحائف کے نام سے بھی یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ دیکھنے میں محض کھلونے نظر آتے ہیں مگر یہ خالص تعلیمی مقاصد کو مدنظر رکھ کر وضع کئے گئے ہیں۔ فروبل اپنے تحائف کے ذریعے طلباء کی قوت باصرہ اور لامسہ کی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتا ہے۔ فروبل نے یہ سب کھیل خود ہی تیار کئے تھے اس کے تحفوں کی تعداد بیس کے قریب ہے۔ مگر پہلے سات کھیل زیادہ اہمیت کے حامل ہیں جو درج ذیل ہیں

**(۱) پہلا چھ رنگین اونی گیندوں کا تحفہ** فروبل ان چھ رنگ برنگی گیندوں کے ذریعے طلباء سے رنگوں اور مختلف سمتوں کی پہچان کرواتا ہے۔ یہ چھ گیندیں سفید، کالی، زرد، نارنگی، سرخ اور نیلے رنگ کی بنی ہوئی ہیں۔ جنہیں وہ بار بار اِدھر اُدھر ڈال کر ان کی ذہنی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتا ہے۔

(۲) دوسرا تین لکڑی کے بنے ہوئے ٹکڑوں کا تحفہ فروبل نے دوسرے تحفے میں تین مختلف لکڑی کے بنے ہوئے گولے نما، مکعب نما اور بیلن نما ٹکڑوں سے بچوں کو تعلیم و تربیت کرنے کا ایک طریقہ بتایا ہے جس سے طلباء یہ جان جاتے ہیں کہ مکعب ہمیشہ ایک جگہ پڑا رہتا ہے۔ گولہ حرکت کرتا رہتا ہے۔ اور بیلن میں یہ دونوں متضاد خصوصیات ہیں۔

(۳) تیسرا لکڑی کا بڑا مکعب نما تحفہ فروبل نے ایک بڑا لکڑی کا مکعب نما تحفہ تیار کیا جس میں مزید آٹھ چھوٹے چھوٹے لکڑی کے مساوی مکعب میں تقسیم ہوتا ہے۔ جن سے بچے سیڑھیاں، پل دروازے، میز، کرسیاں وغیرہ بناتے ہیں اور اسے تعمیری ڈبہ بھی کہتے ہیں جس سے طلباء کو گنتی۔ جمع، تفریق وغیرہ بھی سکھائی جاتی ہے۔

(۴) چوتھا آٹھ اینٹوں کا تحفہ فروبل اینٹوں کی شکل کے آٹھ مستطیل ٹکڑوں میں لکڑی کے ڈبے ہوتے ہیں جن سے بچے مختلف نمونے وغیرہ بنانا سیکھتے ہیں عمارتیں، شکلیں وغیرہ۔

(۵) پانچواں بہت بڑا مکعب نما تحفہ فروبل کا یہ پانچواں بڑا مکعب نما تحفہ ۲ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے بنا ہوا ہوتا ہے جو کہ علیحدہ علیحدہ ہو جاتے ہیں ان سے طلباء دوسرے تیسرے اور چوتھے تحفوں کو ملا کر آپس میں کھیلتے ہیں اور مختلف قسم کی شکلیں، نمونے، مکان وغیرہ بناتے ہیں جن سے ان کی تخلیقی قوتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۶) چھٹا مستطیل نما ٹکڑوں کا تحفہ چھٹا تحفہ چوتھے تحفے سے ملتا جلتا ہے اس میں ۱۸ چھوٹے چھوٹے مستطیل نما ٹکڑے ہوتے ہیں جن سے بچے کھیل کھیلتے ہیں۔

(۷) ساتواں عمدہ لکڑی کی تختیوں کا تحفہ فروبل کا یہ ساتواں تحفہ عمدہ لکڑیوں کے مربع اور تکونی مختلف تختیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ تختیاں دو رنگوں پر مشتمل ہوتی ہیں اس

تحفے کی مدد سے بچے طرح طرح کی ہندسی شکلیں اور نقش و نگار بنانا سیکھ لیتے ہیں۔
اس کے علاوہ فروبل کے اور بھی کئی کھیل ہیں مثلاً گاغذ اور گتے کے کھیل، کشیدہ کاری کرنا، ٹوکریاں بنانا، ماڈل تیار کرنا وغیرہ۔ جن سے فروبل بچوں کی تربیت کرتا تھا اور دوران تدریس درج ذیل تحائف کو لازم گردانتا ہے۔

**تبصرہ** فریڈرک فروبل کا فلسفۂ تعلیم تعلیمی دنیا میں ایک خاص مقام کا حامل ہے اور اس کی شہرت بوجہ کنڈرگارٹن پوری دنیا میں آج بھی تسلیم کی جاتی ہے۔

فروبل دنیا کا وہ پہلا مفکرِ تعلیم ہے جس نے مدرسے کو "کنڈرگارٹن" یعنی بچوں کا باغ کہا اور مدرسے کو ایک دلکش اور خوشگوار جگہ میں تبدیل کر دیا درج ذیل نمایاں تعلیمی خصوصیات کی بنا پر فروبل کو خاص مقام حاصل ہے۔

**(۱) خوف کا خاتمہ** فروبل کے تعلیمی افکار میں بچوں کے لئے دلچسپی کا سامان موجود ہے۔ جہاں پر بچے آزادی کے ساتھ بغیر ڈر اور خوف کے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس نے اپنے تعلیمی ادارے کنڈرگارٹن کو اس طرح سجایا ہوا تھا کہ ہر آنے والا بچہ اس میں گم ہو جاتا تھا۔ یعنی وہ اس قدر کھیلوں میں مصروف ہو جاتا کہ اسے کوئی دوسری بات یاد ہی نہ رہتی۔

**(۲) سماجی ادارہ** فروبل کا فلسفۂ تعلیم ایک اجتماعی معاشرت کا درس دیتا ہے۔ جہاں پر انفرادی تعلیم کے ساتھ اجتماعی تعلیم کا درس بھی ملتا ہے۔ اس کے نزدیک مدرسہ ایک مملکت کی حیثیت رکھتا ہے وہ ننھے ننھے بچوں کو مدرسے کی عوام قرار دیتا ہے جہاں پر وہ سب ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں اور رضاکارانہ طور پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

**(۳) کھیل اور بچپن کے گیت** فروبل کا طریقۂ تدریس اس نوعیت کا ہے جہاں پر بچوں کو کھیل کھیل میں تعلیم دی جاتی ہے اور بچپن میں وہ کھیل کو لازمی سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ کھیل بچوں کی روحانی غذا ہے جو کہ انہیں سکون قلب کا سامان مہیا کرتی ہے۔ فروبل مذہبی گیتوں

کو بھی پسند کرتا ہے اور انہیں شامل نصاب پر زور دیتا ہے اس کے نزدیک یہ گیت نہایت ضروری ہیں اور اخلاقی تعلیم کا ایک حصہ ہیں۔

**(۴) حواس خمسہ کی نشوونما** فردبل کا فلسفۂ تعلیم بچوں کی حسی تربیت کا ضامن ہے جو کہ ان کی قوت باصرہ اور لامسہ کو کھیل کھیل میں قوت فراہم کرتا ہے۔ جن سے بچے مختلف تحائف سے گنتی جمع تفریق اور مختلف اشکال و ڈیزائن بنانا سیکھتے ہیں۔

**(۵) مذہب کی پرچار** فردبل اپنی تعلیمی درسگاہ کنڈر گارٹن میں بچوں کو خدا کی ذات اور تخلیق انسانی کے مقاصد کے بارے میں بتاتا ہے اور گیتوں کے ذریعے اپنے مذہب کا پرچار کرتا ہے جس سے اس کے طریقۂ تعلیم کی کافی شہرت ہوئی امریکہ میں دھڑا دھڑ کنڈر گارٹن طرز کے سکول کھلنے لگے جبکہ اس کے ساتھ ساتھ فرانس میں بھی اس طریقۂ تعلیم کو خاص اہمیت دی جانے لگی۔

مندرجہ بالا خصوصیات اور خوبیاں ہونے کے باوجود فردبل طریقۂ تعلیم اور اس کے تعلیمی افکار پر کافی اعتراضات بھی کیے گئے جو کہ درج ذیل ہیں۔

**(۱) بچوں سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کرنا** فردبل اپنے طریقۂ تدریس میں بچوں سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کیے ہوئے نظر آتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ بچہ بچہ ہی ہوتا ہے اس سے ہر قسم کی غلطی کا احتمال کیا جا سکتا ہے۔ جدید ماہرین تعلیم بچوں کی ساتھ ساتھ رہنمائی پر زور دینے میں بہتری سمجھتے ہیں جبکہ وہ انہیں آزاد اور کھلا چھوڑنے کا نظریہ پیش کرتا ہے جو کہ خلافِ فطرت ہے۔

**(۲) فلسفیانہ اصول** فردبل کے فلسفۂ تعلیم میں فلسفیانہ باتیں نظر آتی ہیں جبکہ نفسیاتی تقاضوں کو اور معاشرتی ضرورتوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے تعلیمی نصاب میں کوئی ربط نظر نہیں آتا۔ نظمیں بہت پرانی ہیں اور جن کی زبان نہایت مشکل ہے

**(۳) مشاغل کا فقدان** فروبل کے فلسفۂ تعلیم میں نصابی سرگرمیوں کا فقدان پایا جاتا ہے وہ بچے کو صرف کھیل کا تو عادی بنا دیتا ہے لیکن معاشرے کی ضرورتوں کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔

**(۴) انفرادی توجہ کا فقدان** فروبل کے فلسفۂ تعلیم میں بچوں کی انفرادیت پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی بلکہ آزاد اور کھلے ماحول میں جانوروں کی طرح بہتر سمجھا گیا ہے۔ جو کہ معراجِ انسانی کے خلاف ہے۔

المختصر، فریڈرک فروبل کے فلسفۂ تعلیم میں جہاں خوبیاں پائی جاتی ہیں وہاں پہ کچھ خامیاں بھی ہیں۔ فروبل کی خوبیاں اس کی خامیوں پہ فوقیت رکھتی ہیں جس کی وجہ سے آج پوری دنیا میں اس کے فلسفۂ تعلیم پہ عمل کیا جاتا ہے۔ عورتوں کا بحیثیت استاد پڑھانا یہ سب فروبل کا کمال تھا کہ اس نے ان کی تربیت کی اور جدید فلسفۂ تعلیم کو رواج دیا۔



☆

چودھواں باب

# ڈاکٹر جان ڈیوی

سنہ ۱۸۵۹ء ـــــــ سنہ ۱۹۵۲ء

John Dewey:

## سوانح حیات

ڈاکٹر جان ڈیوی انیسویں اور بیسویں صدی کی وہ مایۂ ناز شخصیت ہے جس کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے. جان ڈیوی کی شخصیت اس وجہ سے بلند و بالا دکھائی دیتی ہے کہ اس نے اپنے فلسفہ تعلیم کے ذریعے تعلیمی انقلاب برپا کیا جس سے پوری دنیا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

جان ڈیوی ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ء کو بمقام برلنگٹن (ریاست ورمنٹ) میں پیدا ہوا۔ اس کے والد کا نام آرکبالڈ ایسن ڈیوی تھا اور والدہ کا نام لوسینا رچ تھا۔ ابتدائی تعلیم اس نے اپنے والد سے حاصل کی۔ بعد میں وہ ایک مقامی سکول میں داخل ہو گیا جہاں سے اس نے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم کی اسناد اعلیٰ نمبروں میں حاصل کیں۔ اس کے بعد ورمانٹ یونیورسٹی سے ۱۸۷۹ء میں گریجوایشن کی ڈگری حاصل کی۔

جان ڈیوی نے مختلف فلاسفروں کے نظریات کا مطالعہ کیا جن میں "ڈاروِن" اور "ہکسلے" کا ذکر خاص کر آتا ہے۔ اسی دوران اسے خالق کائنات اور تخلیق انسانی کی حقیقت کے بارے میں جاننے کا شوق ابھرا اس شوق کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اس نے باقاعدہ فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ سنہ ۱۸۸۴ء میں ہاپکسن یونیورسٹی سے فلسفہ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ مشی گن یونیورسٹی میں ڈیوی سنہ ۱۸۸۶ء تک فلسفہ کی تعلیم دیتا رہا اس کے بعد اسے منی سوٹا یونیورسٹی والوں نے اپنے ہاں پڑھانے کی دعوت دی جہاں پر وہ صدر شعبہ فلسفہ کی حیثیت سے ۱۸۸۹ء تک کام کرتا رہا۔ اس کے بعد ڈیوی دوبارہ مشی گن یونیورسٹی آ گیا جہاں پر اس نے سنہ ۱۸۹۴ء تک کام کیا۔ جب اس کی شہرت ہوئی تو اسے شکاگو یونیورسٹی میں پڑھانے کی دعوت ملی تو وہاں پر سنہ ۱۹۰۴ء تک آپ پڑھاتے رہے۔ کولمبیا یونیورسٹی والوں نے آپ کو پڑھانے کی دعوت دی جہاں پر آپ سنہ ۱۹۰۷ء تک کام کرتے رہے۔

آپ نے مختلف انتظامی عہدوں پر کام کیا۔ ورمانٹ یونیورسٹی نے آپ کی قابلیت کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو ۱۹۱۰ء میں ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری عطا کی گئی
جان ڈیوی وہ خوش نصیب ماہر تعلیم ہے جنہیں ان کی زندگی ہی میں پوری دنیا میں شہرت نصیب ہوئی۔ دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں نے اپنے ہاں لیکچر دینے کی دعوت دی تاکہ وہ جان ڈیوی کے تعلیمی افکار سے استفادہ حاصل کر سکیں حتیٰ کہ چین، روس ترکی اور ٹوکیو کی حکومتوں نے اپنے نظام تعلیم کی تنظیم نو کرائی۔ جان ڈیوی مختلف بین الاقوامی انجمنوں کا رکن و صدر بھی رہا۔ جان ڈیوی کے کئی مضامین اور لیکچرز دنیا کے مختلف رسالوں میں شائع ہوئے اور اس کی شہرت، یورپ و ایشیا تک پھیل گئی۔ جان ڈیوی کے تعلیمی افکار کو نہ صرف امریکہ میں پسند کیا گیا بلکہ پوری دنیا میں اس کے نظریات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔

**تصانیف** جان ڈیوی کی پوری زندگی تعلیم و تعلم میں گزری اس نے اپنے تجربات کے پیش نظر درجنوں مضامین اور کئی کتب تصنیف کیں۔ جان ڈیوی کا فلسفہ تعلیم اس کی مختلف کتابوں سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔

جان ڈیوی کی مشہور زمانہ تصانیف کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) جمہوریت اور تعلیم۔ (۲) کل کے مدرسے۔
(۳) سکول اور معاشرہ۔ (۴) سکول اور بچہ۔
(۵) بچہ اور نصاب۔ (۶) آج کی تعلیم۔
(۷) ہم کیسے سوچیں۔ (۸) ثقافت اور آزادی۔
(۹) تعلیم میں دلچسپی اور سعی کا مقام۔ (۱۰) میرا تدریسی عقیدہ۔
(۱۱) فلسفہ پر ڈارون کا اثر۔

جان ڈیوی نے مندرجہ بالا تصانیف کے ذریعے اپنے افکار کا اظہار کیا ہے جس میں اس نے فلسفہ حیات، اخلاقیات، منطق، اصولِ نفسیات اور فن تعلیم کے شعبوں میں ایک ذہنی اور عملی انقلاب برپا کیا اور جس سے اس نے معاشرے کے تمام مسائل

کا عمل منقولات سے معقولات کی طرف، تقلید سے اجتہاد کی طرف اور روایت سے درایت (عقل واستدلال) کی طرف قدم اٹھانے میں کامیابی کا زینہ قرار دیا اور اسی سوچ کے حصول میں انسانی فلاح وبہبود کو ذریعہ بنانے کا درس قرار دیا۔

**وفات** دنیا کا عظیم مفکرِ تعلیم جان ڈیوی ۹۲ سال کی عمر میں یکم جون ۱۹۵۲ء کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گیا۔

## جان ڈیوی کا فلسفۂ حیات اور اسکی تعمیرِ نو

جان ڈیوی کا "فلسفۂ حیات" فلسفہ برائے فلسفہ نہیں ہے بلکہ اس کے نزدیک اس کا "فلسفۂ حیات" باقاعدہ کچھ معاشرتی مقاصد کا حامل ہے اور ان مقاصد کے حصول میں فکرِ انسانی کی تگ ودو ہی دراصل اس کے فلسفۂ عملیت کا اظہار رہا ہے اور اسی بنا پر اس کے "فلسفۂ حیات" کا آغاز اس کی تعمیرِ نو سے ہوتا ہے۔

ڈیوی کے فلسفۂ حیات اور اس کی تعمیرِ نو پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں اس نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے کہ ڈیوی روایتی فلسفۂ حیات پر عمل پیرا ہونے سے منحرف نظر آتا ہے بلکہ وہ جدید مفکرین، حکماء اور فلسفیوں مثلاً ڈیکارٹ، ڈارون، چارلس، پیرس، ولیم جیمس، بیکن اور برگسان سے متاثر نظر آتا ہے اور ان کے فلاسفہ میں حالات کے تقاضوں کے مطابق تبدیلی لاکر تعمیرِ نو کے ذریعے پیش کر رہا ہے۔ اس کے نزدیک "تصورِ حقیقت" چند مربوط تصورات کا مجموعہ ہے جنہیں وہ اپنی تصانیف میں حقیقی اور ابدی تصورِ حقیقت تسلیم نہیں کرتا بلکہ "تخلیقِ کائنات کو ایک مجموعہ تصور کرتا ہے نہ کہ وحدت"۔ ڈیوی تخلیقِ انسانی کے بارے میں ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کا بہت بڑا حامی اور پیروکار اپنے آپ کو گردانتا ہے۔ اس کا فلسفۂ حیات ڈارون کے جدید ارتقائی حیاتیاتی تصور پر قائم ہے اور انسانی تجربہ کو اصل حقیقت گردانتا ہے اور یہ تجربات باقاعدہ تسلسل کے تحت عمل پیرا ہوتے ہیں اور ان کے اندر زمانہ کے حالات واقعات کے مطابق ردوبدل ہوتا رہتا ہے۔ حیاتِ انسانی مختلف تجربات کا نچوڑ ہے اور فکرِ انسانی اس کی بنیاد ہے۔ پروفیسر

جان ڈیوی اپنی تصنیف "فلسفہ پر ڈاروِن کا اثر" میں کچھ یوں رقم طراز ہے کہ "ڈاروِن کا نظریۂ ارتقاء (فطرت) کا سب سے بڑا مضبوط ترین ستون ہے"۔

ایک اور مقام پر یوں لکھتا ہے۔

"کہ جب "ڈیکارٹ" نے یہ کہا کہ اشیاء طبعی کی ماہیت اس وقت زیادہ آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے جب ان اشیاء کو تدریجی طور پر موجود ہوتے دیکھا جائے۔ بمقابلہ اس کے کہ ان پر اس حیثیت سے غور کیا جائے کہ وہ یکبارگی مکمل اور تکمیلی حالت میں وجود میں آگئی ہیں"

اسی بنا پر ڈیوی فلسفۂ حیات کے ذریعے ہمارے نظریات میں تبدیلی کا خواہاں ہے۔ اس کے نزدیک فلسفہ (علم) مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ فطرت پر قابو پانے کا ایک ذریعہ ہے اور روایتی عقلیت پسندی کا زبردست مخالف ہے۔ اس کے نزدیک فلسفہ کو ہر اعتبار سے عملی اور تحقیقی ہونا چاہیئے۔ اس کے نزدیک انفرادی اور اجتماعی نکتہ نظر میں تبدیلی کا وقوع پذیر ہونا از حد ضروری ہے۔ اور فرد کی کامیابی اجتماعیت میں ہی پنہاں ہے اور معاشرہ سے کسی فرد کا الگ رہ کر زندہ رہنا ناممکن ہے۔

ڈیوی کا خیال ہے۔

"حیات انسانی کا منتہائے مقصود اکملیت نہیں بلکہ تکمیل، پختگی، شائستگی اور پاکیزگی کے حصول میں پیہم جدوجہد کرنا ہے۔ برا آدمی وہ ہے جس میں باوجود گزشتہ اچھائیوں کے اب انحطاط کے آثار نمایاں ہونے لگیں اور وہ سماج کے لئے کم مفید ثابت ہو۔ اچھا آدمی وہ ہے جس میں باوجود گزشتہ اخلاقی برائیوں کے فضائل و محاسن میں ترقی کرنے کی سرگرمی اور جدوجہد پائی جائے ایسا نظریہ ایک انسان کو اپنی ذات پر نکتہ چینی کرنے میں سخت گیر بنا دیتا ہے اور دوسروں کی سیرت کا اندازہ کرنے میں کریم النفس"۔

اس کے نزدیک انسانی زندگی میں اصل اہمیت ذات کو حاصل ہے۔ اس لئے زندگی کا سب سے بڑا مقصد خوشی اور خوشحالی قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک پہلی اخلاقی

قدریں جدید دور کے لوگوں کے لئے ناکافی اور ناقابل عمل ہیں لہذا ان قدیم اخلاقی اقدار کو ترک کر دینا چاہیئے اور ان میں نئے سرے سے نئے انداز کے مطابق انسانوں کے اجتماعی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے فطری خواہشات، ضروریات کی تکمیل کا سامان میسر ہو ایسی اخلاقی قدریں متعین کی جائیں اور ان میں تجرباتی تکنیک کا استعمال بہت مفید ہے۔

جان ڈیوی کسی مذہب کا پیروکار نظر نہیں آتا اور نہ ہی وہ کسی مذہب کو تقویٰ اور پارسائی کا اجارہ دار تسلیم کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مندرجہ بالا حقیقتوں کا اظہار فن لطیف، سائنس، فلسفہ اور اخلاقیات وغیرہ میں بھی مل سکتا ہے۔ اور مذہب کو بھی ترقی پذیر ہونا چاہیئے اور حالات کے تحت اسے بھی بدلنا چاہیئے جیسے سائنس تغیر پذیر ہے اور اسی طرح وہ کسی مطلق سیاسی نظریہ کو بھی تسلیم نہیں کرتا اور نہ ہی کسی خونریز انقلاب کا حامی ہے بلکہ وہ معاشرہ میں اخلاقی تعلیم کے تحت پرامن تبدیلی کا قائل ہے اور فاشزم اور کمیونزم نظریات کا شدید مخالف ہے لیکن اس کے باوجود لوگوں کے دلوں پر اس کے نظریات، تعلیمی افکار کا اس قدر گہرا اثر پڑا کہ وہ اپنی تحریر و تقریر اور شاگردوں کی وجہ سے پڑھنے والے امریکی دماغوں کے لئے علمی کیف سرچشمہ بن گیا۔

## فلسفۂ عملیت

جان ڈیوی کا "فلسفہ عملیت" فلسفہ تجربیت یا فلسفہ افادیت کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے جو کہ ایک تجرباتی فلسفہ ہے۔ یہ یونانی لفظ پریگ میٹزم (پریگما) سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی عمل یا تجربے کے ہیں۔ فلسفۂ عملیت (فلسفہ تجربیت یا فلسفۂ افادیت) کا تصور سب سے پہلے مسٹر چارلس ایس پیرس نے ۱۸۷۸ء میں "خیالات کو کس طرح واضح بنایا جائے" مضمون کے عنوان سے پیش کیا۔ اس کے بعد ولیم جیمس نے اس فلسفہ افادیت پر توجہ کی اور اسے مذہبی تصورات کے ذریعے فلسفیانہ انداز میں پیش کیا۔

ڈیوی نے ولیم جیمس کے فلسفۂ افادیت (تجربیت یا عملیت) کا جب مطالعہ کیا

تو وہ اس کے فلسفہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ڈارون کے "ارتقائی حیاتیاتی نظریات" کا بھی باقاعدہ مطالعہ کر چکا تھا اور ان نظریات کا اثر بھی اس کے ذہن پر موجود تھا اس بنا پر جان ڈیوی نے فلسفہ عملیت (تجربیت یا افادیت) کو ایک نئے انداز میں یعنی مذہبی تصور۔ فلسفیانہ انداز اور ارتقائی تصورات کو آپس میں باہم ملا کر ایک نئے انداز میں پیش کیا۔ جو کہ ساری دنیا میں مقبول ہوا۔ اور آج تعلیمی دنیا میں ڈیوی کے فلسفۂ عملیت پر ہی عمل کیا جا رہا ہے۔ مشہور زمانہ فلسفی "ڈیورائٹ" "ڈیوی" کے فلسفۂ عملیت کے بارے میں یوں رقم طراز ہے۔

"کہ اس نے اہل امریکہ کے واقعیت پسند اور جمہوریت پرست مزاج کو فلسفیانہ رنگ دے دیا ہے۔"

ڈیوی اپنے فلسفۂ عملیت کو اپنی مشہور تصنیف "جمہوریت اور تعلیم" میں کچھ اس طرح بیان کرتا ہے۔ کہ۔

"عمل و تجربات ہی انسان کو ہمکنار کرتے ہیں۔ بلکہ ہماری دنیا عمل و تجربات کی بدولت ہی اپنی ارتقائی منزلیں طے کر رہی ہے۔ کیونکہ دنیا متحرک اور ارتقا پذیر ہے اور اپنی تکمیل کے مراحل طے کر رہی ہے۔ اور اس میں ہر لمحہ تبدیلی اور تغیر رونما ہو رہا ہے اور اس دنیا میں جس قدر تغیرات اور ارتقائی عمل جاری ہیں وہ سب عمل و تجربات کا نتیجہ ہیں۔ انسان اس دنیا میں تبدیلی کرنے والا ایک نمائندہ ہے۔ لہٰذا اسے متحرک رہنا چاہیئے کیونکہ معاشرہ میں مطابقت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب فرد عمل و تجربات سے اپنی صلاحیتوں کو فروغ دے۔"

فلسفۂ عملیت کا اصل مقصد یہ ہے کہ "اشیاء کو ان کے ماحاصل کی کسوٹی پر جانچا جائے۔" تاکہ جو عمل سرزد ہو وہی اصل حقیقت ہے اور اس حقیقت کی تلاش زبانی تدابیر، استدلال، مقررہ اصولوں، محدود طرز فکر اور تصوراتِ مطلق کو چھوڑ کر مخصوص واقعات اور ٹھوس تجربی کوائف کی طرف رجوع کرنے میں ہی ممکن ہے۔

جان ڈیوی نے فلسفۂ عملیت کے تحت زندگی کے ہر شعبہ پر اپنے اسی مخصوص انداز میں تصورات پیش کیے۔ اس کے نزدیک بچہ تجربے اور عمل کے ذریعے علم حاصل کرتا ہے اگر علم بذریعہ تجربہ نہ ہو تو وہ محض معلومات بن کر رہ جاتا ہے۔ جو شخصیت کا حصہ نہیں بنتا اور بہت جلد بھول جاتا ہے۔ اس بنا پر جان ڈیوی کہتا ہے کہ حقیقی علم وہ ہے جو انسانوں کو اپنے ہم جنسوں اور فطرت کی جانب صحیح قسم کا رویہ اختیار کرنا سکھائے اور یہ رویہ عقلی بھی ہو اور جذباتی بھی۔ اس کے فلسفے کے نزدیک اقدار حتمی یا دائمی نہیں بلکہ جو چیز یا تجربہ فائدہ دے وہ اچھا ہے اور جس سے نقصان ہو وہ برا ہے۔ اس فلسفہ میں کسی چیز کی قدر کی بنیاد اس کی افادیت پر ہے۔ اس لئے اسے سوداگری کا فلسفہ بھی کہتے ہیں۔

## فلسفۂ عملیت کے چند اہم نکات

(۱) **تعلیم بھی ایک تجربہ ہے** جس طرح دوسرے تجربات انسانی زندگی میں تبدیلیاں لاتے ہیں اسی طرح یہ تجربہ بھی فرد میں تبدیلیاں پیدا کرتا ہے۔ زبانی کاموں کی بجائے عملی کام کروایا جائے تاکہ طلباء کام کے فن سے واقف ہوں۔

(۲) **تعلیم نشوونما ہے** تعلیم کے عمل سے جو تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں وہ شخصیت میں نمو پیدا کرتی ہیں اس سے فرد کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں میں بالیدگی آتی ہے لہٰذا یہ تجربہ (تعلیم) بالیدگی اور نمو کا عمل ہے۔

(۳) **انفرادی اختلافات** ہر فرد فطری طور پر ذہنی، جسمانی، جذباتی اور معاشرتی اعتبار سے دوسرے افراد سے مختلف ہوتا ہے لہٰذا ان انفرادی اختلافات کو تعلیم کے عمل سے سنوارا یا ختم کیا جا سکتا ہے۔ تجربات کے ذریعے ہی بچوں کے پیدائشی رجحان کو مدِ نظر رکھا جائے۔

(۴) **شخصی آزادی و دلچسپی** انفرادی اختلافات کی وجہ سے بچے کو شخصی آزادی ملنی چاہیئے اور وہ اپنے تجربات سے اپنی زندگی کی راہیں منتخب کرے اور اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ لگائی جائے بلکہ ان کی ذاتی دلچسپیوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

(۵) **مسلسل عملِ جمہوریت** فرد کی شخصیت میں ترقی کا انحصار مسلسل عملِ جمہوریت پر ہے اجتماعی زندگی گذارنے کے لئے انہیں جمہوری انداز میں تعلیم سے روشناس کرایا جائے۔ انہیں فکر و عمل کے اظہار کی آزادی ہو اور ان کی صلاحیتوں کی بھرپور نشوونما کے مواقع میسر ہوں۔

ڈیوی فلسفۂ عملیت کے ذریعے فلسفہ اور تعلیم کو زندگی کی اصلاح کا علم اور ذریعہ بنا کر ان دونوں کو متحد کرنے کا قائل نظر آتا ہے۔

## فلسفۂ تعلیم

عہد حاضر کے مشہور اور ماہر تعلیم جان ڈیوی کا فلسفۂ تعلیم یا نظریۂ تعلیم اس کی مشہورِ زمانہ تصنیف "جمہوریت اور تعلیم" میں ملتا ہے اس کے فلسفۂ تعلیم کی بنیاد اپنے فلسفۂ عملیت یا تجربیت پر استوار کی ہے۔ اس کے نزدیک تعلیم کی نوعیت حرکی ہے کیونکہ "تعلیم فرد کے اندر موجود ان تمام صلاحیتوں کی نشوونما ہے جو فرد کو ماحول پر قدرت رکھنے اور اپنے عقائد کو پورا کرنے میں مدد دیتی ہے"۔ اس کے نزدیک فرد کی زندگی کو معاشرے سے ہم آہنگ کرنے اور اس کی عملی صلاحیتوں کو فروغ دینے والی قوت تعلیم ہی ہے اس بنا پر فرد کو عملی تربیت دیکر اس میں ایسے معاشرتی اوصاف پیدا کیے جائیں جو اس کے تغیر پذیر دنیا میں بہتر طور پر مطابقت دینے میں مددگار ثابت ہوں۔ اس بنا پر جان ڈیوی کے نظریہ تعلیم نے جدید دور میں کافی مقبولیت حاصل کی۔

تعلیم کی تعریفات کے بارے میں وہ اپنی مختلف تصانیف میں یوں رقم طراز ہے

## تعلیم کی تعریفات

جان ڈیوی کے نزدیک تعلیم کی تعریفات درج ذیل ہیں۔

۱۔ "تعلیم تجربے کی اس تعمیر نو یا تنظیم نو کا نام ہے جس سے تجربے کے معانی میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جس کے طفیل بعد میں آنے والے تجربے کا رخ متعین کرنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔"

۲۔ "تعلیم وہ عمل ہے جو ہر لحظہ (انسان میں) کانٹ چھانٹ اور تبدیلیاں پیدا کرتا رہتا ہے۔"

۳۔ "تعلیم فرد کے اندر ان تمام صلاحیتوں کی نشو و نما ہے جو فرد کو ماحول پر قدرت رکھنے اور اپنے عقائد کو پورا کرنے میں مدد دیتی ہے۔"

۴۔ "تعلیم ایسے تجربات کی تعمیر نو کا نام ہے جو فرد اور سماج دونوں کی ترقی اور بہتر کارکردگی کے ضامن ہوں۔"

## تعلیم کے بنیادی اصول

جان ڈیوی اپنے نظریہ کی عمارت مندرجہ ذیل چار بنیادی اصولوں سے تعمیر کرتا ہے۔

(۱) عمل نفسیاتی۔ (۲) عملِ سماجی (معاشرتی)

(۳) عمل تفکراتی (۴) عملِ تجربیت

## (۱) عمل نفسیاتی

جان ڈیوی کے نزدیک تعلیم بچوں کی نفسیات سے مربوط ہے کیونکہ بچے نفسیاتی فطری طور پر متحرک رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس لئے طلباء کو دوران تعلیم ان کی پسند اور ناپسند کا خاص خیال رکھا جائے جس سے وہ ہر عمل کے کرنے میں خوشی کا اظہار کریں گے۔ کام کی فراغت و تکمیل کے بعد ایک حقیقی و فطری راحت کو محسوس کریں گے۔ اس لئے جان ڈیوی اس بات پر زور دیتا ہے کہ نصاب اس قسم کا تشکیل دیا جائے جو طلباء کی عین نفسیات کے مطابق ہو۔ اور خصوصاً طلباء کھیل کود میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ لہٰذا ان کی نفسیات کو مد نظر رکھتے ہوئے بچوں کی آموزش بذریعہ فطری عمل (نفسیات) کے کی جائے۔

(۲) **عملِ سماجی** ڈیوی کے نزدیک تعلیم ایک سماجی عمل ہے اور تعلیم کا مقصد معاشرے کی فلاح و بہبود ہے اس کے نزدیک مدرسہ ایک چھوٹا سا معاشرہ ہے اس لئے مدرسہ کا یہ فرض عین ہے کہ وہ طلباء کو معاشرتی مطابقت کے لئے تیار کرے اور معاشرتی اقدار، ثقافتی روایات بذریعہ تعلیم ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل کرے۔ جان ڈیوی کہتا ہے کہ اگر ہم ان سماجی اصولوں کو پیشِ نظر نہیں رکھتے تو ہم بہتر فرد کہلانے کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

جان ڈیوی اپنی ایک تصنیف "سکول اور معاشرہ" کے اندر یوں رقم طراز ہے۔

"اسکول اصل میں ایک سماجی ادارہ ہے اور تعلیم ایک سماجی مشغلہ ہے۔ اس لئے اسکول کو ایک چھوٹا سماج بنا دیا جائے۔ تاکہ بچہ سماجی مشاغل سے بہرہ ور ہو سکے۔"

ڈیوی کے نزدیک سب سے بڑی اور اخلاقی خوبی یہ ہے کہ فرد میں معاشرتی شعور ہو آپس میں مل جل کر رہنے اور تعاون و ہمدردی کا جذبہ اس قدر پایا جائے کہ وہ محنت و عظمت ہمدردی و اخوت، صبر و تحمل، ایثار و قربانی کے پیکر نظر آئیں۔ اس کے نزدیک یہی سماجی عمل طلباء میں عمرانی زندگی کا شعور پیدا کرے گا۔

(۳) **عملِ تفکر** جان ڈیوی کے نزدیک تعلیم انسانی عمل تفکر کا نتیجہ ہے کیونکہ اس کے نزدیک کوئی بھی عمل بغیر کسی سوچ و فکر کے پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ وہ اپنی کتاب "ہم کیسے سوچیں" میں فکرِ انسانی کو پانچ مراحل میں تقسیم کرتا ہے اور یوں رقم طراز ہے۔ کہ۔

"پہلے پہل مشکل کا احساس پیدا ہوتا ہے پھر وہ مسئلہ درپیش آتا ہے۔ دماغ ان حالات پر غور کر کے مشکل کی اصل نوعیت دریافت کرتا ہے اس کے بعد اس کا دماغ مشکل کے حل کی مختلف تجاویز پیش کرتا ہے۔ پھر استدلال کے ذریعے حالات و واقعات کو مدِنظر رکھتے ہوئے مشکل کے حل کے طریقہ کو واضح کرتا ہے۔ آخر میں مشاہدہ اور تجربہ کی بنیاد پر دماغ حل اختیار کر لیتا ہے یا

رد کر دیتا ہے۔"

جان ڈیوی اس عمل کو وہ عملِ تفکر کے نام سے منسوب کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تعلیم میں عمل تفکر کو اپنا کر طلباء میں ذہنی (سوچ و فکر کے مادے کو پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔

(۴) **عملِ تجربیت** ڈیوی کے نزدیک تعلیم عمل تجربیت کا نچوڑ ہے۔ کیونکہ تعلیم ایک تجربے کو دوسرے تجربے کے لئے کارآمد بنانے میں سہولت پیدا کرتی ہے۔ ہم اپنے گزشتہ تجربات کو آئندہ نئے اور بہتر تجربات کی تعمیر کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ جن سے تجربات کو استحکام حاصل ہوتا ہے وہ اپنی تصنیف "میرا تدریسی عقیدہ" میں لکھتا ہے۔ کہ

"سکول کا یہ فرض ہے کہ وہ طلباء کو ایسے تجربات مہیا کرے جو تعلیمی اعتبار سے سودمند ثابت ہوں۔"

"تاکہ ہر فرد اپنی اصلیت کی انتہا تک ان سے استفادہ کر سکے۔"

اسی بنا پر جان ڈیوی نے تعلیم کو تجربے کی تنظیم نو اور تعمیر نو کا نام دیا ہے کیونکہ یہ تعریف زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

**مقاصدِ تعلیم** جان ڈیوی اپنے فلسفۂ تعلیم میں مقاصد تعلیم یوں بیان کرتا ہے۔ کہ جس طرح حیات انسانی اپنے اندر کچھ مقاصد رکھتی ہے اسی طرح تعلیم بھی اپنے ہاں کچھ مقاصد رکھتی ہے جو کہ فکر انسانی کو مضبوط تر بنانے میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ جان ڈیوی تعلیمی عمل کو نشو و نما کا عمل قرار دیتا ہے کہ جس طرح عمر کی مناسبت سے انسان کی جسمانی نشو و نما ہوتی ہے اسی طرح تعلیمی عمل سے اس کے ذہنی اور اخلاقی نشو و نما پروان چڑھتے ہیں اس کے نزدیک درج ذیل مقاصد تعلیم ازحد اہم ہیں۔

۱۔ فرد میں قوتِ فکر پیدا ہو تاکہ وہ اپنے اور کائنات کے سربستہ رازوں سے واقف ہو سکے۔

۲۔ فرد میں متوازن ذہنی، جسمانی اور اخلاقی نشو و نما ہو۔

۳۔ مقاصد تعلیم وسیع اور ہمہ گیر ہوں جس سے تمام انفرادی اور اجتماعی مسائل کے

حل کا فہم حاصل ہو۔

۴۔ فرد میں سماجی مسائل کا حل پیدا ہو تاکہ فرد سماج کے مطابق اپنی سرگرمیوں کو منظم کر سکے۔

۵۔ تعلیم کا مقصد فرد میں احساسِ ذمہ داری پیدا ہو تاکہ وہ اپنے فرائض احسن طور پر نبھا سکے۔

۶۔ تعلیم افراد کو عملی زندگی سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بہتر معاشی تربیت فراہم کرے

۷۔ فرد میں اخلاقی و روحانی اقدار کی تربیت فراہم ہو۔

آخر میں ایک اور مقام پر جان ڈیوی تعلیمی مضامین کے اندر یوں رقم طراز ہے کہ

"تعلیم کا کوئی مقصد نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ تعلیم بذات خود ایک منزل اور مقصد ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ہم تعلیمی مقاصد متعین کریں تو تعلیمی عمل خود بخود رک جائے گا۔ اور ہم کبھی بھی ترقی نہ کر سکیں گے۔ اس کے نزدیک تعلیم ایک جاری رہنے والا عمل ہے۔ کہ "مہد سے لے کر لحد تک" اور یہ عمل جاری رہنا چاہیئے"

## نصابِ تعلیم

جان ڈیوی پہلا مفکر تعلیم ہے جس نے تعلیمی نصاب کو معاشرے سے ہم آہنگ کیا اور نصاب میں معاشرتی اور سماجی عمل پر بہت زور دیا ہے اپنی مایہ ناز تحقیقی تصنیف "نصاب اور بچہ میں" یوں رقم طراز ہے۔

"کہ نصاب میں توجہ کا مرکز بچہ ہو نہ کہ نفس مضمون بچہ ہی آغاز ہو اور بچہ ہی انجام۔ نصاب کا مطمع نظر بچہ کی نشوونما ہو۔ تمام علوم بچہ کی نشوونما کی ضروریات کے تابع ہو"

ڈیوی کے نزدیک تعلیم کا عمل بچے کی نشوونما ہے اس مقصدِ تعلیم کو حاصل کرنے کے لئے نصاب میں بچہ اور اس کی سرگرمیاں ہونی چاہیئں۔ چنانچہ اس کے اس نکتۂ نظر کا تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی خاص قسم کے نصاب کو لاگو کرنے کا قائل نظر نہیں آتا۔ بلکہ اس کے نزدیک نصاب کو غیر رسمی اور لچکدار ہونا چاہیئے جو کہ بچوں پر زبردستی ٹھونسا نہ جائے۔ بلکہ نصاب میں وحدت ہو اور وہ ایک ترقی پذیر نصاب ہو جس میں

معاشرہ کی ضروریات کے تحت تبدیلی لائی جا سکے۔

ڈیوی نے نصاب سے متعلق چند اصولوں کا ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ نصاب کو بچوں کی دلچسپی اور ضروریات کے مطابق ہونا چاہیئے۔

۲۔ نصاب کو معاشرہ اور معاشرتی ضروریات کا نمائندہ ہونا چاہیئے۔

۳۔ نصاب کو ذہنی، جسمانی اور معاشرتی نشوونما کا ذریعہ ہونا چاہیئے۔

۴۔ نصاب اس قسم کا ہو جو بچوں کی قوت تخیل کو بالیدگی بخشے اور اس میں تنقیدی انداز فکر پروان چڑھے۔

۵۔ نصاب میں جو مضامین پڑھائے جائیں ان کا آپس میں ربط نہایت ضروری ہے

۶۔ نصاب کے ذریعے طلباء کی سکول اور گھر کی مصروفیات کو ہم آہنگ کیا جائے

۷۔ نصاب اس قسم کا ترویج کیا جائے جو طلباء میں حصول علم کی جستجو پیدا کرے۔

۸۔ نصاب اس قسم کا ہونا چاہیئے جو طلباء میں اخلاقی و روحانی اقدار پہ عمل پیرا ہونا سکھائے۔

جان ڈیوی کے نزدیک نصاب میں درج ذیل اقسام کے مشاغل کو شامل کیا جائے تاکہ پیشہ ورانہ تعلیم کو بھی معاشرے میں پروان چڑھایا جا سکے۔

۱۔ لکڑی اور اوزاروں کے ذریعے کام کرنے کے گر۔

۲۔ امور خانہ داری، کھانا پکانا۔ بنائی سلائی وغیرہ۔

جان ڈیوی کے نزدیک مندرجہ بالا اصول نصاب بنیادی اہمیت کے حامل ہیں جو کہ معاشرہ کے بنیادی مشاغل کا عملی نمونہ نظر آتے ہیں۔ اس کا اس بات پہ مکمل یقین ہے کہ ان اصولوں کی وساطت سے مدرسہ اور مدرسہ کے باہر (گردونواح) کی زندگی میں وحدت و تسلسل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم رکھا جا سکتا ہے۔

### طریقۂ تدریس

جان ڈیوی نے دوران تدریس منصوبی اور مشلی طریقہ تدریس کو اپنانے پر زور دیا ہے اور اسی منفرد طریقہ تدریس کی بناء پر کافی شہرت حاصل کی وہ اپنے فلسفۂ عملیت کے تحت تعلیمی نصاب کو منصوبی اور

مسئلی طریقہ تدریس کے ذریعے پورا کرتا ہے۔ اس کے نزدیک ہر مضمون میں طلبار کی ذہنی اور عملی استعداد کے مطابق اور معاشرے کے تقاضوں کے ہم آہنگ منصوبے دیئے جانے چاہیئں تاکہ طلباء ان منصوبوں کو باہمی اشتراک و تعاون ہمدردی و محبت صبر و تحمل کے ذریعے پورا کریں اور عمل و تجربات کے ذریعے کوئی نتیجہ اخذ کریں اور وہی نتیجہ ان کے لئے علم ہوگا تعلیمی ماحول آزادانہ اور تعمیری ہونا چاہیئے تاکہ طلباء پر تعلیم و تدریس کے خوشگوار اثرات مرتب ہوں۔ جان ڈیوی نے اپنے تعلیمی نظریے میں آموزش بذریعہ عمل کی تلقین کی ہے۔ اس کے نزدیک کوئی علم ایسا نہیں ہے جو تجربات کی سوٹی پر پرکھا نہ جائے۔ اس لئے جس مضمون کے بارے میں علم حاصل کرنا ہو اور اس کے حقائق سے واقف ہونا ہو اسے عمل و تجربات کے ذریعے سکھایا جائے۔

جان ڈیوی اپنے منفرد طریقہ تدریس کے ذریعے انفرادی اختلافات کو سمجھنے پر زور دیتا ہے تاکہ تدریس طلبار کی دلچسپیوں اور صلاحیتوں کے مطابق کی جائے تدریسی سبق شروع کرنے سے پہلے جان ڈیوی طلباء میں آمادگی پیدا کرنے پر زور دیتا ہے۔ تاکہ کام میں شریک تمام افراد بھرپور توجہ دے سکیں اور طلباء کی استعداد کے مطابق ان میں شرکت ہو سکے۔

جان ڈیوی اپنے طریقہ تدریس کے ذریعے طلبار میں سوچ و بچار کا مادہ پیدا کرنے کا قائل نظر آتا ہے اور اس کے ساتھ اپنے طریقہ تدریس کے ذریعے طلبار میں ذہنی نشوونما پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے طریقہ تدریس میں خوداعتمادی کا درس ملتا ہے۔ اور اس سے قوت فیصلہ اور قوت عمل کی تربیت ملتی ہے۔

جان ڈیوی اپنے طریقہ تدریس میں نفسیاتی اصولوں کے مطابق تعلیم دینے پر زور دیتا ہے۔ کہ طلباء کو ان کی نفسیات کے مطابق تعلیم دی جائے تاکہ وہ آسانی سے بات کو سمجھ سکیں۔

جان ڈیوی کے نزدیک تعلیم میں ایسا طریقہ تدریس اپنایا جائے جس سے طلباء میں تحقیق و جستجو کا جذبہ پیدا ہو تعلیم نظری نہیں، بلکہ عملی ہو۔ کیونکہ عمل کی عادت زندگی میں ہر قدم پر کام آتی ہے جس سے طلباء عملی زندگی کا بہترین نمونہ بن جاتے ہیں۔

# جان ڈیوی کے نظریۂ تعلیم کی خصوصیات

جان ڈیوی کے تعلیمی افکار کی خصوصیات درج ذیل ہیں جو ہمیں اس کے فلسفۂ تعلیم میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ اور جن کی وجہ سے اس کا تعلیمی فلسفہ پورے یورپ میں اپنا ثانی نہیں رکھتا اور آج بھی جدید ماہرین تعلیم کا مشعل بردار تسلیم کیا جاتا ہے۔

**(۱) فلسفۂ حیات** جان ڈیوی کے تعلیمی افکار کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اپنے تعلیمی افکار کی عمارت نظری فلسفۂ حیات پر رکھی ہے۔ جو کہ اس معاشرے کے طرز حیات کی عکاسی کرتا ہے۔

**(۲) فلسفۂ عملیت** جان ڈیوی کا فلسفۂ عملیت جدید تصورات پر مبنی ہے۔ جو کہ عمل تجربیت کی طرف مائل کرنے کا درس دیتا ہے جس سے لوگوں کے ذہنوں میں عمل کے ذریعے انقلاب کا درس ملتا ہے۔

**(۳) علم برائے عمل** ڈیوی کا فلسفہ تعلیم ہمیں علم کے حصول میں علم برائے عمل کا سبق ملتا ہے کہ عمل کی خاطر علم حاصل کیا جائے تاکہ احسن طریقے سے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جا سکے۔ اس کے نزدیک علم برائے علم کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ علم برائے عمل کے حاصل کیا جائے۔

**(۴) نفسیات سے ہم آہنگ** جان ڈیوی کے طریقہ تعلیم میں یہ بات نمایاں نظر آتی ہے کہ اس نے تعلیم کو بچوں کی نفسیات کے مطابق ہم آہنگ کیا ہے اس کے نزدیک بچوں کی خواہشات رجحانات اور دلچسپیاں تعلیم کے محرکات ہیں۔ علم کے لئے نفسیات کو بطور رہنما پیش کرتا ہے۔

**(۵) معاشرتی رجحان** اس کے فلسفہ تعلیم میں معاشرتی رجحان کی شمولیت پر بہت زور نظر آتا ہے اس کے نزدیک تعلیم ایک معاشرتی عمل ہے جو کہ معاشرے کے ارتقاء میں معاون ہے۔

(۶) **تعلیمی نصاب** جان ڈیوی کا تعلیمی نصاب بھی معاشرتی فعالیتوں پر مبنی ہے۔ جو فرد میں بہتر معاشرتی شعور پیدا کرتا ہے دوسری طرف اس میں فرد کی عملی قوتیں تربیت حاصل کرتی ہیں۔

(۷) **اخلاقی تعلیم** جان ڈیوی کے فلسفۂ تعلیم میں اخلاقی تعلیم پر کافی زور دیا گیا ہے۔ اس کے نزدیک معاشرتی تربیت ہی اخلاقی تربیت ہے۔ اس کے نزدیک اخلاقی تربیت ہی قوموں کو ترقی کے منازل پر گامزن رکھتی ہے۔

(۸) **تعلیم نشانِ منزل** جان ڈیوی کے فلسفۂ تعلیم میں بذاتِ خود نشانِ منزل ہے۔ اور منزل مقصود تک پہنچنے کا وسیلہ و ذریعہ ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک تعلیم برائے تعلیم کوئی مقصد اور منزل نہیں بلکہ بذاتِ خود منزل اور مقصد ہے۔

(۹) **نظم و ضبط** جان ڈیوی کے فلسفۂ تعلیم میں اس کا ہر اصول تعلیم ایک نظم و ضبط پر مبنی نظر آتا ہے اور نظم و ضبط کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ جو کہ اس بات کا درس دیتا ہے کہ نظم و ضبط کو برقرار رکھا جائے اس کے نزدیک تعلیمی ماحول کا نظم و ضبط آزاد و تعمیری ہو۔

(۱۰) **طریقۂ تدریس** جان ڈیوی کے فلسفۂ تعلیم کی ایک سب سے نمایاں اور منفرد خصوصیت اس کے طریقۂ تدریس میں نظر آتی ہے جس میں اس نے ایک نئے انداز کے تحت طلبا کی تعلیم و تدریس کے اصول مدون کئے ہیں۔ اور ایک اچھوتا انداز اپنایا ہے۔ جس سے طلبا زیادہ سے زیادہ دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ طلبا میں اس کے جدید طریقۂ تدریس سے خود اعتمادی، جذبۂ تجسس، قوتِ فیصلہ، قوتِ عمل اور قوت تعاون پیدا ہوتا ہے۔

# ڈیوی کے نظریات پر تنقید و تبصرہ

جان ڈیوی کے فلسفۂ تعلیم کا بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے تعلیمی فلسفہ کو اپنے فلسفۂ حیات سے مشترک کر کے ایک نئے انداز میں پیش کیا ہے۔ کہ جس میں اس نے تعلیم اور فلسفۂ حیات کے باہمی تعلق کو واضح کرنے کی کوشش کی اور وہ اس مقصد میں کافی حد تک کامیاب بھی رہا۔

جان ڈیوی نے فلسفۂ تعلیم میں افلاطون، ارسطو، روسو، فرڈبل اور ولیم جیمز جیسے نامور مفکر تعلیم کے تعلیمی افکار سے استفادہ حاصل کیا۔ اور ان کے افکار کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ہم آہنگ کرنے کی کوشش بھی کی جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہا۔

جان ڈیوی کا نظریہ تعلیم نہ صرف تخیلاتی یا تصوراتی ہے بلکہ عملی طور پر بھی اس کا اطلاق ممکن ہے۔ اس نے بذات خود اس نظریات کو اپنے تعلیمی مدارس میں اپنایا اور انہیں سودمند پایا۔ امریکہ کے کئی تعلیمی مدارس میں اس کے نظریات پر کامیاب تجربات ہوئے۔ مثلاً:

(۱) منٹیسوری یونیورسٹی کا ابتدائی سکول۔
(۲) گیری (انڈیانا کا) پبلک سکول۔
(۳) میوری کا ابتدائی دیہاتی سکول وغیرہ۔

ڈیوی کے فلسفہ حیات اور عملیت کے بارے میں جاننے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مادہ پرست گروہ سے تعلق رکھتا ہے اس کے نزدیک حیات انسانی عارضی اور آخری ہے اور وہ اس دنیا کی ہی زندگی کو حتمی اور آخری تصور کرتا ہے اور اس دنیا کی زندگی کو ہی کامیاب آسودہ زندگی قرار دیتا ہے۔

جان ڈیوی کا طریقۂ تدریس مندرجہ بالا گفتگو کے علاوہ بہت محدود ہے۔ جو زندگی کی ساری وسعتوں کا حامل نہیں ہو سکتا۔ اس کے ہاں تعلیمی مقاصد کا فقدان پایا جاتا ہے۔ اس کے نزدیک سب انسان یکساں ہیں۔ لہٰذا سب کو یکساں تعلیم دی جائے۔ جبکہ اس کے برعکس سب میں تعلیم حاصل کرنے کی یکساں قابلیت اور صلاحیت نہیں ہو سکتی۔ تعلیم کے لئے متعین نصاب لازمی جزو کی حیثیت رکھتا ہے۔ جبکہ ڈیوی کر ن نصاب کا قائل ہی نہیں پیشہ ورانہ تعلیم کے بارے میں کوئی واضح پروگرام نظر نہیں آتا اور نہ ہی ڈیوی کے فلسفۂ تعلیم میں انفرادی اور اجتماعی طور پر ہم آہنگی کا درس ملتا ہے۔ نظریہ انصاف پر بھی اس کی کوئی واضح پالیسی نظر نہیں آتی۔ ڈیوی نظری تعلیم کو یکسر نظر انداز کر دیتا ہے۔ اور اسے غیر اہم بناتا ہے۔ جبکہ دوران تدریس عملی تربیت کے ساتھ ساتھ نظری اور فکری تعلیم کی بھی از حد ضرورت ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا ٹھوس حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈیوی کا تعلیمی فلسفہ محض کتابی نظریہ نہ تھا بلکہ جدید دور کا ایک انقلابی فلسفۂ تعلیم تھا۔ جو کہ ترقی پسند تعلیمی نظریات کا جزو لانیفک سمجھا جاتا ہے۔

بالآخر مندرجہ بالا خصوصیات کی بنا پر جان ڈیوی کا فلسفۂ تعلیم پورے یورپ میں عملی انقلاب کا ضامن ٹھہرا۔

پندرہواں باب

# رابرٹ مینارڈ ہچنز

## ۱۸۹۹ء ____ ۱۹۷۷ء

Hucohinsm Robert M:

**سوانح حیات** بیسویں صدی کا مشہور امریکی مفکر تعلیم رابرٹ منیارڈ ہچنز جو آزاد فلسفہ تعلیم کا سب سے بڑا دعویدار تسلیم کیا جاتا ہے۔ اٹھائیس جنوری ۱۸۹۹ء میں بروکلین امریکہ میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والدین سے حاصل کی اسکے بعد مقامی سکول میں داخل ہو گئے۔ وہیں پر ہچنز نے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم حاصل کی۔ رابرٹ ہچنز کو بچپن میں فوجی تربیت کا شوق تھا اس شوق کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہچنز نے ۱۹۱۷ء سے ۱۹۱۹ء تک فوج میں تربیت کی غرض سے ملازمت اختیار کر لی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہچنز نے بہت جلد تعلیمی تشنگی محسوس کی اور ۱۹۲۱ء میں گریجوایشن کی ڈگری امتیازی نمبروں میں حاصل کی۔ ہچنز قانون کی تعلیم میں دلچسپی رکھتا تھا ۱۹۲۵ء میں اس نے "ییل" Yale یونیورسٹی سے ایل۔ایل۔بی کی ڈگری حاصل کی۔ یونیورسٹی والوں نے اسے اپنے ہاں قانون کا معلم رکھ لیا لیکن جلد ہی وہ ۱۹۲۷ء میں اسی قانونی ادارے کا سربراہ بن گیا۔ اس کی قابلیت اور ذہانت کو مدنظر رکھتے ہوئے ۱۹۲۹ء میں یونیورسٹی والوں نے اسے اپنا صدر چن لیا۔ اس کے بعد وہ مختلف تعلیمی و ادبی اداروں کا رکن و صدر بھی رہا۔

یونیورسٹی والوں نے جب اس کی علمی کاوشوں کو دیکھا اور انتظامی امور میں اچھا منتظم پایا تو اسے ۱۹۴۵ء میں یونیورسٹی میں بطور چانسلر کام کرنے کا عہدہ پیش کیا جسے ہچنز نے ۱۹۵۱ء تک خوب نبھایا جو کہ اس کی ذات کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔ اس کے بعد ری پبلک فنڈز کا صدر بنایا گیا ساتھ ہی ہچنز نے فورڈ فاؤنڈیشن کی ڈائریکٹر شپ بھی قبول کر لی جہاں پر اس نے کئی کتب تصنیف کیں جو کہ تعلیمی دنیا میں اس کی شہرت کا سبب بنیں۔ اس نے ہمیشہ اعلیٰ تعلیم کے موضوع پر گفتگو کی اور ان کو عملی جامہ

پہنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی اور وہ اس میں کافی حد تک کامیاب بھی رہا۔

**تصانیف** رابرٹ منارڈ ہچنز کی تمام تر علمی سرگرمیوں اور تصانیف کا محور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے ذرائع اور اس کے فوائد رہا۔ اس کی شاہکار تصانیف حسب ذیل ہیں۔

1.No Friendly voice ,1936

2.The Higher lerning in America, 1936

3.Education for freedom, 1943

4.Morals Religion and Higher Education

5.The conflict in Education in Democratic Society, 1953

مندرجہ بالا تصانیف سے رابرٹ منارڈ ہچنز نے آزادانہ تعلیمی افکار کی بنیاد ڈالی

**وفات** رابرٹ ہچنز نے اپنی عمر کے آخری ایام تک لوگوں کو آزادانہ طریقہ تعلیم کی طرف توجہ دلائی اور اپنے تعلیمی مقاصد کی تشکیل میں کوشاں رہا۔ عصر جدید کا نامور مفکر تعلیم ۱۹۷۷ء میں اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔

## philosophy of life;

## فلسفہ حیات

رابرٹ ایم ہچنز کا فلسفہ حیات کوئی جدید فلسفہ نہیں ہے بلکہ ہچنز کا فلسفہ حیات فطرت کا ترجمان ہے۔ ہچنز اپنے فلسفہ حیات کے توسط سے انسانی فکر کو پروان چڑھانے کی سعی کرتا ہے۔ اس کے نزدیک "حقائق سے آگاہی انسان کا فطری حق ہے جو کہ اسے فطری ماحول میں ملنا چاہیئے"

ہچنز اپنی مختلف تصانیف میں فلسفہ حیات کو مختلف انداز میں بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہے کہ

"افسوس کی بات ہے آج بھی انسان ماضی کی اندھی روایات کا پیروکار ہے اور معاشرتی رسوم میں اس قدر پابند سلاسل ہے کہ اُن سے اس کا چھٹکارا

پانا نہایت ہی دشوار مسئلہ بن گیا ہے" اسی طرح انسان کے بارے میں ہیچنز ایک اور مقام پر اپنی مشہور کتاب No Friendly voice, میں یوں قمطراز ہے کہ۔ "انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور اُسے آزاد رہنا چاہیئے یہ اس کی اپنی مرضی ہے کہ وہ زندگی کس طرح بسر کرے"

ہیچنز کے نزدیک "انسان" قدرت کی طرف سے شاہکار کائنات ہے جس سے انسان کی قدرتی اور فطری ماحول میں پرورش کرنا انسان کا فطری حق ہے اور انسان کا آزاد زندگی بسر کرنا بھی اس کا فطری اور قانونی حق ہے۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ اُسے معاشرتی بندھنوں میں اس قدر جکڑ دیا جاتا ہے کہ جہاں سے راہ فرار اختیار کرنا اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان کو معاشرتی نمود و نمائش کی خاطر کئی کئی عرصے تک مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہیچنز کے نزدیک "معاشرتی رسوم و رواج کسی بڑے زہریلے ناسور سے کم نہیں ہیں"

ہیچنز اپنے فلسفۂ حیات کے ذریعے لوگوں کو آزاد اور سادہ زندگی گزارنے کا درس دیتا ہے۔ جو خود اس کی اپنی زندگی میں آزادگی اور سادگی کی نمایاں جھلک نظر آتی ہے۔

ہیچنز اپنے فلسفہ حیات میں افلاطونی فلاسفی کا پیروکار نظر آتا ہے۔ جس کی بنا پر وہ اپنے ماننے والوں کو افلاطونی فلسفۂ حیات پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتا ہے کہ اگر آج بھی افلاطونی فلسفۂ حیات کو اپنا لیا جائے تو معاشرہ کے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں

ہیچنز کے نزدیک انسان کے بگاڑ کی وجہ اس کی خواہشات ہیں۔ مگر اس کی خواہشات کی تکمیل ہو جائے تو خود بخود تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ ہیچنز کے نزدیک دنیا میں تین اشیاء ایسی ہیں جو فساد کی جڑ ہیں۔

۱۔ زن ۲۔ زر ۳۔ زمین

جس کی بنا پر انسان مندرجہ بالا اشیاء کے حصول میں شروع سے ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوتا چلا آرہا ہے۔

ہیچنز کے نزدیک اگر مندرجہ بالا اشیاء کے حصول کے ذرائع آسان ہو جائیں اور

وافر مقدار میں سب لوگوں کو یکساں طور پر مہیا کر دیئے جائیں تو تمام معاشرتی بگاڑ ختم ہو سکتے ہیں۔ اس کے نزدیک انسان فطری طور پر آزاد ہے۔ لہذا فطری خواہشات کی تکمیل فطری اور آزادانہ ماحول میں میسر ہو جائے تو خود بخود ساری پریشانیاں دور ہو سکتی ہیں جس سے انسان دلی سکون پا سکتا ہے۔

ہچنز ایک مثال پیش کرتا ہے کہ اگر ایک روتے ہوئے بھوکے پیاسے بچے کو فوراً دودھ خوراک اور مٹھائی دے دی جائے تو بچہ اس وقت خاموش ہو جاتا ہے اور کھانے کے بعد آرام کی نیند سو جاتا ہے۔ بعینہ اسی طرح اگر انسان کو بھی اس کی فطری خواہشات کی تکمیل کے سامان مہیا کر دیئے جائیں تو وہ بھی خود بخود خاموش ہو جائے گا اور اپنے اس فطری سکون کے حصول میں محنت و لگن سے کام کرے گا تو نتیجتاً معاشرہ ترقی کے منازل طے کرتا چلا جائے گا۔ جس سے ہر فرد میں فطری صلاحیتوں کی نشو و نما اور انسان ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے پر خوشی محسوس کرے گا۔ اگر وہ کسی سے محبت کرے گا تو اس کی محبت بے لوث ہوگی۔ جو ہر انسان کو اپنی طرف مائل کرے گی۔ جس سے ہر انسان ایک دوسرے سے پیار و محبت کرنے والا بن جائے گا۔ اور ایسا معاشرہ ایک جنت کا سا نمونہ پیش کرے گا۔ اور ایسا ارضی ٹکڑا جنت کا ٹکڑا کہلوانے کا مستحق ہوگا۔

philosophy of education:

## فلسفۂ تعلیم

رابرٹ ہچنز کا فلسفۂ تعلیم یا تعلیمی افکار اس کی مشہور زمانہ تصنیف Education۔ for freedom, اور کئی دوسری کتب سے ملتے ہیں، جن میں تعلیم کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے نزدیک تعلیم آزاد ہو اور آزادانہ ماحول میں میں دی جائے۔" جو کہ فطری ماحول میں ہو"

ہچنز کے تعلیمی افکار میں افلاطون کے نظریات کی جھلک نظر آتی ہے۔ وہ اپنی تصنیف میں کچھ اس طرح بیان کرتا ہے۔

"کہ دنیا کی تمام خرابیوں اور برائیوں کو ختم کرنے کے لئے ہمیں افلاطونی فلسفۂ تعلیم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے"

افلاطونی فلسفۂ تعلیم قدرتی تعلیم کی عکاسی کرتا ہے جسے حالات کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے۔ ہچنز تعلیم کو سب کے لئے لازم قرار دیتا اور کسی مخصوص تعلیم کا نعرہ نہیں لگاتا۔ بلکہ انسان کے لئے حقیقی تعلیم کا حصول اور اس کی رسائی کے ذرائع کی نشاندھی کرتا ہے

ہچنز اپنے تعلیمی افکار کو روائتی معاشرتی مروجہ طریقۂ تعلیم پر فوقیت دیتا ہے ان کی خامیوں کی نشاندھی کرتا ہے اس کے نزدیک زبردستی ٹھونسی جانے والی تعلیم دیرپا اور مستند نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس طریقۂ تعلیم میں فرد کی فطری اور قدرتی صلاحتیں دب کر رہ جاتی ہیں اور تخلیقی قوتوں سے استفادہ حاصل نہیں کر پاتے۔

ہچنز اپنے تعلیمی افکار میں آسان طریقۂ تعلیم کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ تعلیم میں کوئی مخصوص نصاب کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ عمروں کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نصاب کو ترتیب دیا جائے۔ ہچنز ایک عام آدمی کے لئے جو تعلیمی معیار مقرر کرتا ہے وہ اپنی تصنیف The conflict in Education in Democratic Society, میں یوں بیان کرتا ہے کہ "

"ایک تعلیم یافتہ شخص کو اس قابل ہونا چاہیئے کہ وہ پڑھ لکھ سکے اور حساب وغیرہ کر سکے۔ ان تمام خیالات کو سمجھنے کے قابل ہو جائے۔ جنہوں نے اب تک بنی نوع انسان کو تحریک دی ہے۔ اپنی معاشرتی روایات کو سمجھ سکے۔ اپنے ساتھیوں سے تبادلہ خیالات کر سکے۔ اور اس کے پیش نظر بہترین نمونے ہوں تاکہ وہ عظیم ہونے کے تصورات کو جان سکے"

ہچنز اپنے تعلیمی افکار میں سب کیلئے یکساں تعلیم کا حامی و دعویدار نظر آتا ہے اور یوں بیان کرتا ہے،

"کہ کند ذہن نوجوانوں کے علاوہ سترہ اور سولہ سال کی عمر کے عام نوجوانوں کے لئے مساوی ذہنی تربیت کا بندوبست ہو اور اس عمر میں

تمام جمع شدہ علوم اور نظریات کا متوازن اور مکمل تعارف کرایا جائے "

ہچنز نے اپنے فلسفۂ تعلیم کے ذریعے امریکی عوام تک یہ آواز پہنچائی کہ (۱) تعلیم پہ کڑی نگرانی ہو۔ (۲) تعلیم پر نکتہ چینی ہو (۳) تعلیم میں نکھار پیدا کیا جائے۔

اس کے علاوہ ہچنز نے تعلیم میں استدلالی طریقہ تدریس کو اپنانے پہ زور دیا ہے اور سقراط کے طریقہ تعلیم کی پیروی میں فخر محسوس کرتا ہے اور اپنی تصنیف میں بیان کرتا ہے کہ

"طلبہ خواہ بچے ہوں یا بالغ ان کے لئے سقراط کے فن تعلیم و تدریس کے کے مقابلے بہت بڑا آئینہ ہیں "

**تعلیم کی تعریف** رابرٹ ایم ہچنز نے تعلیم کی تعریف بھی آزادانہ ماحول میں کی ہے اس کے نزدیک

۱۔ "تعلیم سے مراد وہ جان پہچان ہے جو طلباء کو جمع شدہ معلومات اور نظریات کا متوازن اور مکمل تعارف کراتے "

۲۔ "تعلیم ایک ایسا عمل ہے جو انسان کو عظیم انسان بننے کی اُمنگ پیدا کرے اور اس کی دبی ہوئی صلاحیتیں بیدار کرے "

۳۔ " لبرل تعلیم وہ ہے جس میں لبرل انسان کو کم از کم پڑھنا لکھنا اور گنتی جاننا آجائے اور اس میں اُن تمام نظریات کا علم و سوجھ بوجھ پیدا ہو جو نوع انسان کی روح کو تازگی بخشے "

۴۔ "تعلیم سے مراد وہ علم ہے جو انسانی زندگی میں تسلسل کے ساتھ نکھار پیدا کرے "

**مقاصد تعلیم** ہچنز کے نزدیک درج ذیل مقاصد تعلیم ہیں،

۱۔ تعلیم کا مقصد معاشرتی اصلاح نہیں بلکہ فرد کی شخصیت کی تہذیب ہے

۲۔ تعلیم کا مقصد علم برائے حصول علم کا ہے

۳۔ انسانی شخصیت کی زینت و آرائش کا بندوبست کرنا

۴:۔ اعلیٰ ترین مقصد تعلیم شخصیت کی نشوونما کرنا ہے۔

۵:۔ ہچنز کے نزدیک تعلیم کا مقصد فرد کی فطری آزادی کے مطابق روحانی نشوونما کرنا ہے۔

۶:۔ ہچنز کے نزدیک تعلیم کا مقصد یہ بھی ہے کہ معاشرے کی برائیوں کا خاتمہ اور لوگوں کی فلاح وبہبود کرنا ہے۔

**نصاب تعلیم** رابرٹ ایم ہچنز اپنی تصانیف میں تعلیمی نصاب کا کوئی خاص تعین نہیں کرتا۔ بلکہ وہ مروجہ نصاب میں چند ایک ضروری تبدیلیوں کا خواہاں ہے وہ اپنی معاشرتی روایتی تعلیمی نصاب اور مضامین سے سخت نالاں ہے اور اس قسم کے نصاب کو معاشرہ کے لئے مضر قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک نصاب میں کھیلیں، گھریلو کرافٹ، سٹینو گرافی، گیسو تراشی اور خصوصی تعلیم جیسے مضمون بے فائدہ اور بے کار ہیں۔ ہچنز نے ان خامیوں کے خلاف باقاعدہ تدریسی مہم شروع کی اور لبرل نصاب تعلیم کا تصور پیش کیا۔ لیکن یہ علیحدہ بات ہے کہ یونیورسٹی میں اس کے ساتھی اس کے لبرل نظام کو رائج کرنے میں رضامند نہ ہوتے پھر بھی ہچنز نے اپنے تعلیمی افکار پر سنجیدگی اور ثابت قدمی سے اپنے مشن کو آخری دم تک جاری رکھے رکھا۔

نصاب میں ذہنی وعقلی تربیت مہیا کرنے کے لئے ہر اس مضمون کو شامل نصاب سمجھتا ہے جس سے فرد میں حاصل شدہ معلومات جمع ہو سکیں جو سوسائٹی کا ایک کامیاب فرد ثابت ہو سکے۔

**تعلیم نسواں** رابرٹ ایم ہچنز اپنے فلسفہ تعلیم میں عورتوں کے لئے کوئی علیحدہ نظام تعلیم تشکیل نہیں کرتا بلکہ وہ عورت کو بھی معاشرے کا اہم رکن شمار کرتا ہے اس کے نزدیک عورت کی تعلیم مرد کی نسبت زیادہ ضروری ہے کیونکہ اس نے ہی آگے نئی نسل کی تعلیم وتربیت کرنی ہے۔ اگر اس کی اپنی ذاتی تربیت ایک اچھے طریقے سے ہوئی ہو گی تو وہ بھی اگلی نسل تک ان کی اچھی تربیت کر سکے گی۔ ہچنز عورتوں کے لئے گھریلو مضامین کو پسند کرتا ہے کہ انہیں اس قسم کی تربیت

دی جائے جو کہ گھریلو کام کاج احسن طور پر سرانجام دے سکیں۔

ہچنز عورتوں کے لئے بھی آزادانہ اور فطری ماحول کی پرورش کو پسند کرتا ہے کہ عورتیں صنف نازک ہوتی ہیں۔ اُن کی اس صفت کا خاص خیال رکھا جائے۔ کیونکہ عورت مرد کے لئے روح کی تازگی کا سامان فراہم کرتی ہے اور دل کو ٹھنڈک بخشتی ہے جو کہ دنیا میں خالق کائنات کی طرف سے مرد کے لئے کسی انتہائی تحفے سے کم نہیں ہے۔ ہچنز کے نزدیک عورت کی تعلیم اس قدر ضروری ہے تاکہ وہ اس قابل ہو کہ اپنے خیالات کا ابلاغ کر سکے۔

**فرائض اساتذہ** رابرٹ ایم ہچنز اپنے فلسفہ تعلیم میں باقاعدہ اساتذہ کے فرائض پر بھی بحث کی ہے اس کے نزدیک استاد کو درج امور کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔

۱۔ طلباء کی آزادانہ فطری ماحول میں تعلیم و تربیت کی جائے۔

۲۔ طلباء کی مضامین کے چناؤ میں پسند و ناپسند کا خاص خیال رکھا جائے۔

۳۔ طلباء معصوم ہوتے ہیں ان کے ساتھ سختی ہرگز نہ کی جائے۔

۴۔ طلباء کی طبعی عمروں کے مطابق اُن کی مساوی ذہنی تربیت کی جائے۔

۵۔ طلباء کو آزادانہ فطری ماحول میں لطف اندوز ہونے کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

**طریقۂ تدریس** رابرٹ ایم ہچنز اپنے تعلیمی افکار میں درج ذیل طریقہ ہائے تدریس کو موزوں اور بہتر قرار دیتا ہے اس کے نزدیک حسب ذیل تدریسی طریقے اپنائے جائیں۔

۱۔ **سقراطی طریقہ تعلیم** سقراطی طریقۂ تعلیم سے مراد وہ طریقہ تعلیم جس میں از خود کسی موضوع یا تصور کے بارے میں کچھ نہ بتانا بلکہ مخاطب سے مختلف سوالات کے ذریعے اس سے تمام معلومات حاصل کر لینا

۲۔ **مباحثی طریقہ تدریس** ہچنز تعلیم میں مباحثی طریقہ تدریس کو موزوں و بہتر قرار دیتا ہے کہ اس سے طلباء میں ایک دوسرے سے بحث

کرنے سے تخیلاتی قوت پروان چڑھتی ہے اور قوت ارادی، خود اعتمادی مضبوط ہوتی ہے اور علم میں بہت جلد اضافہ ہوتا ہے۔

۳:۔ تقریری طریقہ تدریس
رابرٹ ہچنز دوران تدریس تقریری طریقہ تدریس کو پسند کرتا ہے کہ اس سے تھوڑے وقت میں زیادہ معلومات پہنچائی جا سکتی ہیں اور طلباء کو گفتگو کرنے کا ڈھنگ آجاتا ہے۔

۴:۔ سادہ گفتگو
ہچنز بیان کرتا ہے کہ دوران تدریس آسان اور سادہ گفتگو کی جائے تاکہ ہر طالب علم آسانی سے بات کو سمجھ سکے اور ذہن میں وہ کسی قسم کی الجھن کا شکار نہ ہو۔ بلکہ جو بھی مضامین پڑھائے جائیں وہ آسان زبان میں پڑھائے جائیں اور اس زبان کو وہ آپس میں روانی سے استعمال کر سکیں۔

تنقید و تبصرہ
رابرٹ مینارڈ ہچنز کا شمار امریکہ کے اُن مفکرین تعلیم میں سے ہوتا ہے کہ جنہوں نے امریکی نظام تعلیم کا بنیادی تصور پیش کیا ہے اور تعلیمی افکار کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے دن رات محنت کی اور وہ اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہوئے۔

جہاں تک رابرٹ ایم ہچنز کے تعلیمی افکار کا تعلق ہے یہ افکار صرف اور صرف لبرل تعلیم کو پروان چڑھانے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ ہچنز کا نظریۂ تعلیم افلاطونی اور سقراطی نظریہ تعلیم کی ترجمانی کرنے میں کوشاں نظر آتا ہے۔ کیونکہ ہچنز آزاد اور فطری تعلیم کا سب سے بڑا حامی اور زو عیدار تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہچنز نے اپنی ساری زندگی "آزادانہ تعلیم" پر زور قلم صرف کیا اور وہ اس میں زیادہ نہیں تو کچھ حد تک ضرور کامیاب ہوا بہر حال ہچنز کے نظریہ تعلیم سے اعلیٰ تعلیم کی طرف پیش قدمی ہوئی جن سے بہت سے مفکرین اور ماہرین تعلیم نے اس میں عملی حصہ لیا۔ اور اعلیٰ تعلیم کی بہتری کے لئے تجاویز پیش کیں۔ ہچنز نے طریقہ تعلیم افلاطونی اور سقراطی طریقہ تدریس کو اپنانے پر زور دیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہچنز کے طریقہ تدریس میں خامیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ طریقہ تدریس ایک محدود افادیت کا حامل ہے اور یہ فلسفۂ تعلیم، نظری، انفرادی اور زبانی تعلیم میں

کام آسکتا ہے۔ آج جبکہ علم میں اس قدر وسعت اور تنوع پیدا ہو چکا ہے کہ اب محض صرف لبرل طریقہ تعلیم پر انحصار کرنا ناممکن ہے۔ بلکہ اُلٹا نقصان دہ ہے

ہچنز نے اپنے تعلیمی افکار میں پیشہ ورانہ تعلیم پر کوئی خاص وضاحت بیان نہیں کی اور نہ ہی اُن کو تعلیم کے لئے ضروری کہا ہے بلکہ اُلٹا اُنہیں تعلیم سے علیحدہ کرنے کا تصور پیش کیا ہے۔ حالانکہ آج کا زمانہ صنعتی زمانہ ہے، جس میں ہر فرد کو ہنرمند ہونا نہایت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہچنز نے تعلیم نسواں کے بارے میں بھی کوئی خاص وضاحت نہیں کی اور نہ ہی اپنے تعلیمی افکار میں کہیں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ بلکہ وہ روائتی انداز میں بات کر جاتا ہے۔ جس سے سب لوگ مراد لئے جا سکتے ہیں لیکن عورتوں اور مردوں کی تعلیم کو ایک انداز سے پیش کرنا ناممکن ہے اور ناقابل عمل ہے۔

ہچنز کے خیالات کی بہت مخالفت ہوئی خصوصاً ہائی سکولوں کی طرف سے ووکیشنل مضامین کو ختم کرنا اور وسیع پیمانے پر لبرل تعلیم کو رائج کرنا ایسی باتیں تھیں۔ جنہیں امریکہ کا افادیت پر مبنی معاشرہ قبول کرنے پر تیار نہیں ہو سکتا تھا۔

بہرحال ہچنز کے تعلیمی افکار اور طریقہ تدریس سے اعلیٰ تعلیم کے بارے میں بحث و نظر کا دروازہ کھل گیا۔ جس سے بہت سے مفکرین و ماہرین تعلیم نے اس میں حصہ لیا اور اعلیٰ تعلیم کی بہتری کے لئے تجاویز پیش کیں۔

سولھواں باب

# تعلیم میں جدید رجحانات

New trends in education.

فلسفۂ تاریخ التعلیم کے حوالے سے جب ہم انسان اور انسانی ترقی کے راز کا پردہ اٹھاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے "کہ صرف اور صرف علم و فن ہی ایسا ذریعہ ہے جو انسان کی ترقی و بقا کا ضامن ہے"

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جوں جوں انسان نے ترقی کی منزلیں طے کیں تو اسی رفتار سے انسانی فکر بھی پروان چڑھی۔ بلکہ یوں کہوں گا کہ انسانی فکر کے نتیجے میں ہی انسان نے انسانیت کے مقام کو پایا حالات زمانہ کے بدلنے کے ساتھ ہی انسانی ضروریات زندگی بھی بدلیں اور ان ضروریات کی تکمیل کی خاطر انسانی سوچ بھی بدلی اور ساتھ ہی انسانی فکر کے دھارے بھی بدلے فکر جدید کے نتیجے میں جو فلسفہ حیات کا تصور وجود میں آیا تب پھر انسان نے ہر محاذ پر ہر اعتبار سے اپنے لیئے خوب سے خوب تر کی تلاش شروع کر دی نئی منزلوں اور نئی راہوں کی تلاش میں انسان اس قدر منہمک ہوا کہ وہ اپنے آپ کو بھلا بیٹھا بلکہ اپنی اصل حقیقت کی ہستی کو بھی مٹا بیٹھا۔۔۔۔؟ اس امر سے بھی انکار نہیں کہ انسان نے اسقدر کامیابیاں حاصل کیں کہ جن کا احاطہ آپ اپنی بصارت سے خوب کر سکتے ہیں جہاں تک ان کامیابیوں کا سوال ہے تو آپ میرے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے یہ کہیں گے کہ اس میں صرف اور صرف جدید سائنسی ایجادات، جدید تعلیمی نظریات اور اور تعلیم میں جدید رجحانات کا عمل دخل ہے۔۔۔۔۔۔۔!

نہایت افسوس کے ساتھ ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ سب کچھ ہونے کے باوجود آج بھی انسانوں کا ایک جم غفیر علم و عمل سے بے بہرہ و ناآشنا ہے حتیٰ کہ اُسے انسانیت اور حیات انسانی کے مقاصد تک کا علم نہیں اور نہ ہی اپنی ہستی کا۔۔۔۔۔۔۔؟

شمع علم کو روشن رکھنے کیلئے اور اس روشنی کو ہر کونے میں پہنچانے کیلئے اہل علم اور اہل بصر نے ہر زمانے میں اپنے اپنے وسائل کے اعتبار سے ہر آن کوشش کی اور کامیابی سے ہمکنار ہوئے جس کے نتیجے میں مختلف قسم کے تعلیمی رجحانات کے تصورات وجود میں آئے جو حسب ذیل ہیں۔

# تعلیم عامہ

Mass Education

**تعارف:-** تعلیم عامہ سے مراد وہ ذریعہ تعلیم ہے جس سے سب لوگوں کو اُن کی ذہنی سطح کے مطابق تعلیم دی جا سکے اور انسانی فلاح کی خاطر معاشرہ میں تہذیب و تمدن کو احسن انداز میں پروان چڑھایا جا سکے۔ ماہرین تعلیم کے نزدیک تعلیم عامہ ایسا تعلیمی پروگرام ہے جس سے اَن پڑھ اور غیر تہذیب یافتہ لوگوں کو پڑھا لکھا اور مہذب شہری بنایا جا سکے۔ تعلیم عامہ کا تصوّر اُس وقت زور پکڑ گیا جب تعلیم کو عام کرنے کا رجحان پیدا ہوا اور ہر ایک کو تعلیم یافتہ بنانے کا مصمم عزم کیا گیا۔ اس سلسلے میں بین الاقوامی سطح پر مختلف عنوانات کے تحت پروگرام مرتب ہوئے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ تعلیم عامہ کے تحت عوام کو جلد سے جلد تعلیم دی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ مادی فوائد کو بطور متحرک استعمال کیا جائے۔ عوام الناس کی تعلیم و تربیت کی خاطر مخصوص قسم کے تربیت یافتہ معلمین کا انتظام کیا جائے جو لوگوں کو اُن کے گھروں پر ہی جا کر تعلیم دے سکیں اور اس کے ساتھ دیہی علاقوں میں محکمہ دیہات کے تعاون سے اس پروگرام کو آگے بڑھایا جائے جبکہ شہروں میں محکمہ معاشرتی بہبود کی خدمات حاصل کی جائیں محکمہ تعلیم اُن کی نگرانی کرے اور ایسے پروگرام مرتب کرے جس سے ہر پڑھا لکھا شہری یا دیہاتی اپنے طور پر جہاں کہیں بھی ہو اَن پڑھ افراد کو تعلیم سے روشناس کرائے

**ضرورت و اہمیت:-** جہاں تک تعلیم عامہ کی ضرورت و اہمیت کا تعلق ہے تو یہ بات نمایاں طور پر واضح ہے کہ پوری دنیا کے اندر اس امر کی ازحد ضرورت ہے چاہے وہ مشرقی یورپ کا معاشرہ ہے یا مغربی یورپ کا چاہے ایشیا کے ممالک ہیں یا افریقہ کے، کیونکہ تعلیم عامہ کا مقصد ہی پوری دنیا کے انسانوں کو تعلیم سے بہرہ ور کرنا اور مہذب بنانا ہے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری دنیا میں بین الاقوامی طور پر یا حکومتی سطح پر تمام ممالک اپنے اپنے طور پر اپنی عوام کی تربیت کی خاطر تعلیم عامہ کے پروگرام مرتب کریں تاکہ جلد از جلد پوری دنیا میں جہالت کا خاتمہ ہو۔ جہاں تک پاکستان کی شرح خواندگی کا تعلق ہے تو یہ سب سے کم ہے بلکہ یونیسکو ۱۹۸۱ء کی رپورٹ کے مطابق اس میں دس لاکھ سے بھی زیادہ سالانہ کا اضافہ ہو رہا ہے

ان حالات میں بچوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اُن اَن پڑھ اور غیر تربیت یافتہ افراد کی تعلیم کا بندوبست کرنا نہایت ہی ضروری ہے تاکہ لوگ اپنے بچوں کی صحیح تربیت کر سکیں اور صحت کے اصولوں سے واقف ہو سکیں۔ دیہاتی علاقوں کے لئے اس لئے اہم ہے کیونکہ جدید سائنسی ترقی کی وجہ سے جدید زراعتی مشینری کا استعمال جاننا ازحد ضروری ہے۔ لہذا زراعت سے متعلق افراد کے لئے بہتر کھیتی باڑی کرنے کی خاطر اور زیادہ سے زیادہ غلہ یا پیداوار حاصل کرنے کیلئے طریقہ تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ زراعت کے پروگرام سن سکیں اور ان ماہرین کی ہدایات کے مطابق عمل کر سکیں جس سے پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ملکی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

**تعلیم عامہ کے مقاصد**:۔ ماہرین تعلیم نے تعلیم عامہ کے چند ایک مقاصد کا تعین کیا ہے جو درج ذیل ہیں۔

ا ؀۔ تعلیم عامہ کا مقصد عوام الناس کو تعلیم سے بہرہ ور کرنا ہے۔

۲ ؀۔ دیہی و شہری علاقوں کے ناخواندہ افراد کی تربیت کرنا ہے

۳ ؀۔ عوام کو بین الاقوامی سطح پر ایک دوسرے کے مسائل سمجھنے کے قابل بنانا۔

۴ ؀۔ سماجی، سیاسی، ثقافتی اعتبار سے مہذب تربیت یافتہ بنانا ہے۔

۵ ؀۔ مزدوروں، کسانوں، عورتوں اور نوجوانوں کی مسلسل تعلیم کا بہتر انتظام کرنا ہے۔

**اقدامات**:۔ ماہرین تعلیم نے تعلیم کے مقاصد کے حصول کی خاطر چند ایک سفارشات پیش کیں ہیں اگر ان سفارشات کو مدِنظر رکھ کر اقدامات اُٹھائے جائیں تو کامیاب اور بہتر نتائج سامنے آسکتے ہیں جس سے زیادہ سے زیادہ تعلیم کو عام کیا جاسکتا ہے جو حسب ذیل ہیں۔

ا ؀۔ بین الاقوامی سطح پر پوری دنیا میں اور ملکی سطح پر ہر حکومت اپنے اپنے ممالک میں سکولوں، فیکٹریوں زرعی فارموں اور یونین کونسلوں میں باقاعدہ خواندگی کے دفاتر بنائے جائیں جہاں پر ابتدائی سطح پر عوام الناس کو تعلیم عامہ دی جائے۔

۲ ؀۔ جدید دور کی سائنسی ایجادات سے استفادہ کرتے ہوئے ریڈیو، ٹی وی، سینما، نمائشی پروگرام مختلف سیمینار، لائبریریوں، چارٹس، ماڈل اور تصاویر کے ذریعے جدید قسم کی معلومات ان تک پہنچائی جائیں

۱۳۔ مختلف قسم کے تعلیمی پروگرام مرتب کیے جائیں جن سے نہ صرف پڑھے لکھے حضرات استفادہ کریں بھی بلکہ ان پڑھ قسم کے لوگ بھی محظوظ ہوں۔

۱۴۔ ملکی طور پر اس قسم کے قوانین بنائے جائیں جہاں پر ہر شخص کو تعلیم کا حاصل کرنا لازم ہو۔

۱۵۔ اس قسم کے تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں پر لوگ کام کاج سے فراغت کے بعد اپنی تعلیمی خواہشات کی تکمیل کر سکیں۔

۱۶۔ تعلیم عامہ کے لئے خصوصی تربیت یافتہ اساتذہ کا تقرر عمل میں لایا جائے جو عوام الناس کی خواہشات کے مطابق تعلیمی پروگرام ترتیب دے کر انہیں تعلیم دے سکیں اور انہیں نصاب کی تدریس کے علاوہ مناسب لٹریچر بھی فراہم کر سکیں۔

۱۷۔ عورتوں کے لئے ایسے مراکز بنائے جائیں جہاں پر خانہ داری کشیدہ کاری اور سلائی جیسے فنون کا ماہر بنایا جائے۔

۱۸۔ مذہبی اداروں میں مذہبی اجتماعات کے مواقع پر عوام الناس کو تعلیم عامہ سے بہرہ ور کیا جا سکے۔

۱۹۔ تعلیم عامہ کیلئے ریڈیو، ٹی وی نہایت کارآمد ہو سکتے ہیں۔ ان کو بروئے کار لاتے ہوئے مختلف قسم کے تعلیمی پروگرام نشر کئے جا سکتے ہیں جس سے جلد از جلد تعلیم عامہ پھیل سکتی ہے اگر ہر گاؤں میں مرکزی مقام پر یہ انتظام کر لیا جائے تو نہایت ہی سود مند ہے۔

۲۰۔ اگر عوامی سطح پر عوامی یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں پر مختلف قسم کے پروگرام اور کلاسز کا انتظام کیا جائے تاکہ عوام کی سطح تک تعلیم کو بہتر طور پر پہنچایا جا سکے۔

المختصر:۔ ان تمام اقدامات کا یہ نتیجہ سامنے آئے گا کہ پوری دنیا میں خواندہ لوگوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو جائے گا اور ہر شخص ایک دوسرے کے مسائل سمجھنا شروع کر دے گا بلکہ وہ دوسرے لوگوں کے لئے امن و آشتی کا پیامبر بن جائے گا اور وہ دنیا کا ایک عظیم مہذب انسان بن جائے گا۔

# دائمی تعلیم

Life long Education

**تعارف:-** تعلیم انسانی مشغلہ ہے اور تاریخی اعتبار سے اس کا ہمیشہ سے ایک گہرا تعلق چلا آرہا ہے اور رہے گا۔ دائمی تعلیم سے مراد ایسی تعلیم ہے جو معاشرہ کی بقاء کی خاطر ہمیشگی کا تصور پروان چڑھائے گا۔ ماہرین تعلیم کے نزدیک یہ وہ تعلیمی رجحان ہے جو معاشرے کے لوگوں کے مزاج کے مطابق ہو۔ ان کی ثقافت اور تاریخ سے ہم آہنگ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ حالات حاضرہ کے تقاضوں اور دنیا بھر میں وقوع پذیر ہونے والی وسیع ترقیات سے ہمسری رکھتا ہو۔ اس کے علاوہ معاشرتی اقتدار۔ ڈھانچے اور روابط کو برقرار رکھنے کے لئے دائمی تعلیم کا ہی سہارا لینا پڑتا ہے جو کہ معاشرہ کی پہچان کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اب تعلیم کو صرف چند سالوں پر پرمحیط نہیں سمجھا جاتا بلکہ زندگی بھر تعلیم حاصل کرنے کا تصور مقبول ہو رہا ہے جس کے تحت تمام زندگی مختلف طریقوں سے تعلیم حاصل کرنے کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے بدلتے ہوئے حالات اور قومی تقاضوں کے مطابق نئی معلومات افراد کو منتقل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے دائمی تعلیم ناگزیر ہوگئی ہے۔

**دائمی تعلیم کی ضرورت و اہمیت:-** جہاں تک دائمی تعلیم کی اہمیت و ضرورت کا تعلق ہے تو یہ اپنے مفہوم سے واضح ہے کہ کسی بھی قوم کا مستقبل اس وقت تک محفوظ نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ہاں دائمی تعلیم کا رجحان نہ پایا جاتا ہو۔ دائمی تعلیم ہی کے نتیجے میں ہم اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہیں تاکہ ہمارے بچے اور ہماری نسلیں اس طور پر پروان چڑھ سکیں کہ ہماری داستان رہے داستانوں میں اور ہماری تہذیب و ثقافت ایک زندہ حیثیت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے برقرار رہ سکے۔ دائمی تعلیم کے تصور اور رجحان سے ہم اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم سے آراستہ کر سکتے ہیں دائمی تعلیم ہی ہمیں تصور حیات اور مقصد حیات کا درس دے سکتی ہے۔

پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں دائمی تعلیم کی ضرورت و اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہاں پہلے ہی خواندگی کی شرح دوسرے ترقی پذیر ممالک کی نسبت بہت کم ہے۔ یہ امر

تسلیم شدہ ہے کہ جہاں پر تعلیمی رجحان کم ہوگا تو وہاں کے ہاں دائمی تعلیمی تصور اور رجحان کا گراف بھی ڈاؤن ہوگا۔ اسی بناء پر نہ تو وہاں پر مستقبل کی منصوبہ بندی کا کوئی تصور ہوگا اور نہ ہی معیار زندگی بلند کرنے کا کوئی لائحہ عمل مرتب ہوگا۔ لہٰذا پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کے لیے اور نوجوانوں کے مستقبل کو معاشی زندگی کا معیار بلند کرنے کے لیے اور سائنسی تعلیم کے شعبوں میں خصوصی تعلیم دینے کے لیے خود بخود دائمی تعلیم کے رجحان کی طرف ہمیں قدم اٹھانا ہوگا اور اسی میں ہی ہماری کامیابی کا راز پنہاں ہے۔

اس کے علاوہ وہ دوسری ترقی پذیر قوموں اور ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لیے بھی ہمیں دائمی تعلیمی رجحان کو اپنانا ہوگا۔ یہ ایک طریقہ تعلیم ہے جس سے ہم آئندہ آنے والی نسلوں کے کردار کی تعمیر و تشکیل کر سکتے ہیں اور انہیں انسانیت کی بے لوث خدمت، اعلیٰ اخلاق دیانت و شرافت اور احساس ذمہ داری کے قابل بنا سکتے ہیں۔

**دائمی تعلیم کے مقاصد:-** ہر ذریعہ تعلیمی اور تعلیمی رجحان کے ضرور کوئی نہ کوئی مطالب و مقاصد ہوتے ہیں جہاں تک دائمی تعلیم کے رجحان کا تعلق ہے تو وہ حسب ذیل ہیں

۱:- معاشرتی رجحانات کو پروان چڑھانا۔

۲:- تاریخی اعتبار سے واقفیت کے ساتھ ساتھ حقائق سے روشناس کرانا۔

۳:- تہذیب و تمدن اور ثقافت کو مستقبل کی منصوبہ بندی کے تحت نکھارنا۔

۴:- قوموں کی پہچان اور وقار میں اپنی دائمی خصوصیت کے ساتھ اضافہ کا سبب بننا۔

۵:- دائمی تعلیم کا مقصد علاقائی منافرت کو ختم کرنا ہے۔

۶:- دائمی تعلیم کا ایک اہم مقصد قوموں کی زندگی میں اخوت و ہمدردی پیدا کرنا بھی ہے۔

**اقدامات:-** پاکستانی فلسفہ تعلیم کے حوالے سے اور دائمی تعلیم کے رجحان اور مقاصد کی روشنی میں ہمارے ملک کے زیر تعلیم نوجوانوں کو یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ انہوں نے دنیا کی قوموں سے مقابلہ کرنا ہے اسی بناء پر انہیں حقیقی اور سچی تعلیم کے ذریعے اپنے اندر عزت نفس راست بازی اور قومی و ملی جذبہ پیدا کرنا چاہیئے اور اس کے ساتھ ساتھ دائمی تعلیم کو دو قومی نظریہ اور اسلامی علوم سے ہم آہنگ کیا جائے جو ہماری تاریخ اور ثقافت سے ہم آہنگ ہو

جو ہمارے ملک کے اساسی نظریہ سے متصادم نہ ہو بلکہ دائمی تعلیم ایسی ہو جو اسلامی تہذیب و تمدن و تاریخ کی روشنی میں ہماری قومی زندگی سے مربوط ہو تاکہ بحیثیت پاکستانی قوم کے حوالے سے ہماری شان اور وقار میں اضافہ ہو۔

**فوائد:-** دائمی تعلیم کی افادیت یا فوائد روز روشن کی طرح عیاں ہیں کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی معاشرہ افراد کو تعلیم سے روشناس کئے بغیر ترقی نہیں کر سکتا اور یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ انفرادی و اجتماعی طور پر معاشرتی خوشحالی کا راز افراد کی تعلیم اور تربیت میں پنہاں ہے۔

اسلامی فلسفہ تعلیم کی روشنی میں فرد کے لئے پیدائش سے لے کر وفات تک حصول علم کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ دنیا کے اندر کوئی بھی انسان بے کار پیدا نہیں کیا گیا بلکہ ہر انسان (فرد) معاشرے میں حقیقی وجود کا حامل ہے اور وہ اپنی ذات کے بارے میں بہتر طور پر سمجھنے کا اہل ہے اور دائمی تعلیمی رجحانات کے ذریعے وہ اپنے لئے اپنی قسمت کا بہتر تجزیہ کر سکتا ہے۔ فرد اور معاشرے میں توازن قائم رکھنے کے لئے دائمی تعلیم کے ویسے تو بے شمار فوائد ہیں مگر چند ایک ایسے ہیں جن کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔

۱:- دائمی تعلیم معاشرے کی بقاء کا ذریعہ ہے۔

۲:- دائمی تعلیم کے ذریعے سے ہی ثقافتی ورثے کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔

۳:- فرد کی شخصیت کی ہمہ جہتی یعنی جسمانی، ذہنی، روحانی، اخلاقی، جمالیاتی نشوونما دائمی تعلیم سے ہی ممکن ہے۔

۴:- دائمی تعلیم کا ایک سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ افراد میں پاکیزہ اقدار پروان چڑھتے ہیں۔

۵:- دائمی تعلیم کے ذریعے فرد کی فطری اور قدرتی صلاحتیں پروان چڑھتی ہیں۔

المختصر دائمی تعلیم کے مندرجہ بالا فوائد کے ساتھ ساتھ فرد میں جرأت، بہادری جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں اور اس کے علاوہ فرد میں کچھ کر گزرنے اور قربانی دینے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے جس سے وہ اپنی ہستی کو بقاء کی خاطر اپنے خطرات سے نمٹنے کا جذبہ اور مکمل صلاحیت پیدا کر لیتا ہے۔

# فاصلاتی تعلیم

Distance Education

**تعارف :-** فاصلاتی تعلیم سے مراد وہ تعلیمی رجحان ہے جس میں طلباء کو اپنے مقامات پر رہتے ہوئے تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ فاصلاتی طریقۂ تعلیم کو نہایت ہی آسان اور سہل ہے کیونکہ طلباء کو باقاعدہ تعلیمی اداروں میں حاضر نہیں ہونا پڑتا بلکہ بذریعہ خط و کتابت اور ریڈیو۔ ٹی وی کے ذریعے انہیں مختلف پروگرام سے آگاہ کر کے تعلیم دی جاتی ہے فاصلاتی تعلیم میں طلباء کی عمر کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ ہر عمر کے اور ہر طبقہ کے لوگ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔

پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں تعلیمی وسائل کی بے پناہ کمی کی وجہ سے ناخواندہ افراد کی بہت زیادہ تعداد موجود ہے جبکہ دنیا کے اندر زندگی کے تمام شعبوں اور علوم کی تمام شاخوں میں تیزی کے ساتھ ترقی ہو رہی ہے اور اس کے برعکس ہماری زندگی دن بدن مصائب و آلام میں الجھتی جا رہی ہے۔ معمولی تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے مسائل کو سمجھنا اور حل دریافت کرنا ناممکن ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ تھوڑے وقت اور تھوڑے سرمایہ کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ سے نمٹنے کے لئے ماہرین تعلیم کی نگرانی میں ایسے افراد تیار کئے جائیں جو قوم و ملک کی ترقی کے لئے مناسب اقدامات کر سکیں۔

ملک پاکستان کے دور دراز علاقوں کے اَن پڑھ لوگوں اور کم تعلیم یافتہ لوگوں کو اعلیٰ تعلیم سے روشناس کرانے کے لئے فاصلاتی تعلیم کا سہارا لیا گیا ہے اور مناسب اقدامات بھی کئے گئے ہیں تاکہ ملک میں خواندگی کی شرح میں مناسب اضافہ ہو سکے۔

"علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی" کا قیام اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے جس کے ذریعے پورے ملک میں اساتذہ اور کم پڑھے لکھے افراد کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ہر ممکن وسائل مہیا کئے گئے ہیں۔

**ضرورت و اہمیت :-** فاصلاتی تعلیم کی ضرورت و اہمیت کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں ہے بلکہ یہ امر واشگاف ہے کہ اس سے تھوڑے وقت میں معمولی وسائل کی بناء پر زیادہ سے زیادہ کم پڑھے لکھے لوگوں کو اعلیٰ تعلیم دی جا سکتی ہے۔ بلکہ فاصلاتی تعلیم کے

توسط سے کثیر تعداد لوگوں کو بیک وقت تعلیم سے روشناس کرایا جاتا ہے اور اس کے لیے جدید سائنسی ایجادات کو بھی استعمال لایا جاتا ہے۔

پاکستان میں خواندگی کا معیار بہت ہی کم ہے اور اعلیٰ تعلیمیافتہ افراد کی تعداد کا تناسب بھی کم ہے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے مختلف کورسز شروع کر کے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ جس سے نہ صرف ہزاروں مرد اور عورتیں اس تعلیمی طریقہ کار سے مستفید ہوئے ہیں بلکہ ہزاروں بے سہارا اور غریب بچوں کی تعلیم و تربیت کا بھی بندوبست کیا گیا ہے۔ موجودہ دور کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ دنیا میں فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کو عام کیا جائے اس سلسلے میں فاصلاتی تعلیم کے ذریعے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے توسط سے پاکستان میں بہت سے فنی اور پیشہ ورانہ کورسز کا بھی اجراء کیا ہے تاکہ دور دراز سے تعلق رکھنے والے لوگ زیادہ دور فاصلے پر ہونے کی وجہ سے وہ ان کورسز کو بذریعہ خط و کتابت اور مختلف ورکشاپ کے ذریعے آسانی سے ہر چیز سیکھ سکیں۔

پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور اس کی زیادہ تر آبادی دور دراز دیہاتوں میں رہتی ہے جہاں پر تعلیمی سہولتوں کا فقدان ہے تو اس سلسلے میں پاکستان میں فاصلاتی تعلیم کی اہمیت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے تاکہ ان دیہاتیوں کو جدید زرعی ہدایات، باغبانی کے طریقے غذا اور غذائیت کے اصول اور حفظان صحت کے اصولوں سے باخبر رکھا جا سکے۔

**مقاصد:-** فاصلاتی تعلیم کے مقاصد کچھ مختلف نہیں ہیں بلکہ ماہرین تعلیم کے نزدیک ان کے مقاصد کچھ اور بھی بڑھ جاتے ہیں ان میں چیدہ چیدہ حسب ذیل ہیں

۱:- فاصلاتی تعلیم کا مقصد نوجوانوں کو تعلیم سے ہمکنار کرنا ہے۔

۲:- نوجوان طبقہ کو قومی رہنمائی کے لئے تیار کرنا ہے۔

۳:- علم اور تحقیق کا جذبہ بیدار کرنا بھی فاصلاتی تعلیم کا ایک مقصد ہے۔

۴:- دنیا میں تعلیمی پسماندگی کو ختم کرنا بھی اہم مقصد ہے۔

۵:- جہالت کے خاتمہ کیلئے مناسب اقدامات کرنا بھی مقصد تعلیم ہے۔

۶:- فاصلاتی تعلیم کا بنیادی مقصد ملک سے ناخواندگی کو دور کرنا اور سستی تعلیم بہم پہنچانا ہے۔

۷:- اعلیٰ تعلیم کا رجحان پیدا کرنا اور وسائل مہیا کرنا بھی اس کا اہم مقصد ہے۔

۸:- دنیا کے مختلف ممالک سے آپس میں لسانی روابط قائم کرنا بھی مقصد تعلیم ہے۔

۹:- اپنی مدد آپ کے تحت مسائل کے حل کی اہمیت پیدا کرنا۔

**فاصلاتی طریقۂ تدریس:-** دنیا کے دوسرے ممالک سے پاکستان کا فاصلاتی طریقۂ تدریس کافی حد تک مطابقت و مماثلت رکھتا ہے۔ اسی بنا پر مندرجہ بالا مقاصد کی تکمیل کی خاطر خصوصی طور پر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس سلسلے میں یونیورسٹی میں دو قسم کے پراجیکٹ شروع کئے گئے۔

1. Integrated functional education project (I.F.E)

2. Functional educational project for rural areas (FEPRA)

ان منصوبہ جات کی تکمیل کی خاطر حسب ذیل طریقۂ تدریس اختیار کیا جاتا ہے۔ طلباء کی سہولت کے پیش نظر خزاں اور بہار سمسٹر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ہر سمسٹر میں ہر طالب علم کو دو قسم کے مضامین پڑھنے ہوتے ہیں۔ ان مضامین کی تدریس کے لئے کورس (نصاب) اور سوالیہ پرچہ جات بذریعہ ڈاک بھیج دیئے جاتے ہیں یا طلباء کو مقامی دفتر سے خود وصول کر لیتے ہیں۔ متعلقہ فائیل میں طلباء کو مختلف قسم کی ہدایات دی جاتی ہیں جو باقاعدہ درج ہوتی ہیں۔ جن میں طلباء کو یہ بتایا جاتا ہے کہ آپ نے مطالعہ کیسے کرنا ہے۔ ؟ مشقیں کیسے حل کرنی ہیں ؟ اور متعلقہ کورس کے سلسلے میں ریڈیو اور ٹی وی کے پروگرام کن کن تاریخ میں سننے ہیں ؟ اپنی مشقیں اساتذہ کو کن تاریخوں کو روانہ کرنی ہے ؟ طلباء دی گئی ہدایات کے تحت اپنا مطالعہ شروع کر دیتے ہیں۔ اسباق میں درپیش مشکلات اسبقی اشارات کی کتابوں میں پہلے ہی درج ہوتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی ایک ماہر اتالیق کی نگرانی اور ماڈل لیکچر کا بھی اہتمام کرتی ہے جو کورس کی مناسبت سے پندرہ دن بعد یا ایک ماہ بعد ہوتا ہے طلباء اس لیکچر میں حاضر ہو کر نہ صرف اپنے درپیش مسائل و مشکلات کو اتالیق کی مدد سے حاصل کرتے بلکہ مزید تعلیم سے بھی بہرہ ور ہوتے ہیں۔

طلباء اپنی مشقیں دیئے گئے سوالیہ پرچہ جات کو مد نظر رکھ کر کرتے ہیں اور اپنے مقررہ کردہ اتالیق کو بھیج دیتے ہیں۔ اتالیق مشق کی جانچ پڑتال کے بعد طلباء کو اپنی رائے سے آگاہ کرتے ہیں اور کچھ ہدایات سے بھی نوازتے ہیں طلباء کو ان ہدایات کی روشنی میں مزید بہتر بنانے کی کوشش

کرتے ہیں۔ مکمل کورس کے لئے چار مشقیں اور نصف کورس کے لیے دو مشقیں ہوتی ہیں۔ ان تمام مشقوں کے اختتام پر یونیورسٹی ایک باقاعدہ تحریری امتحان کا انعقاد کرتی ہے۔ چار مشقوں اور تحریری امتحان کے نمبروں کو ملا کر اوسط نتیجہ مرتب کیا جاتا ہے اس طرح طالب علم دو سال بعد آٹھ مضامین یا اس سے کم و بیش پر مشتمل ہر جماعت کا کورس مکمل کر لیتا ہے۔

**فاصلاتی تعلیم کے فوائد :-** ویسے تو ہر تعلیمی پروگرام اپنے اندر بے شمار فوائد سمیٹے ہوئے ہوتا ہے مگر فاصلاتی تعلیم کے فوائد بھی بے پناہ ہیں اُن میں چیدہ چیدہ حسب ذیل ہیں جن کو ذہن میں رکھنا کسی فائدہ سے کم نہ ہے۔

۱ :- پاکستان میں شرح خواندگی میں اضافہ کرنے کی خاطر ہماری علامہ اقبال یونیورسٹی نے مختلف کورسز کا اہتمام کر کے ملک کی ہزاروں عورتوں اور مردوں کو مختصر وقت اور تھوڑی محنت سے علم کی روشنی سے مستفید کیا۔

۲ :- نظریاتی اور تصوراتی تعلیم کے ساتھ ساتھ پیشہ ورانہ تعلیم کی طرف بھی خاص توجہ دیتے ہوئے ملک میں فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کا بندوبست کیا۔

۳ :- جس سے پی۔ٹی۔سی، سی۔ٹی، بی ایڈ، ایم اے ایجوکیشن، باغبانی، زراعت، غذا اور غذائیت، ریڈیو، ٹی وی، الیکٹرک ویلڈنگ جیسے کورسز کا باقاعدہ اہتمام کر کے بے روزگار لوگوں کو روزگار مہیا کرنے کا ذریعہ بنا۔

۴ :- علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے مختلف زبانوں کے علوم اور زبان دانی کا اہتمام کرتے ہوئے عربی، فارسی اور انگریزی کے کورسز شروع کیے جس سے لوگوں کو دوسرے ممالک سے روابط پیدا کرنے میں آسانی ہو گئی۔

۵ :- فاصلاتی تعلیم کے توسط ملک میں اوپن یونیورسٹی کے ذریعے پاکستان کی قومی زبان اردو کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی بلکہ دفتری زبان کا درجہ نصیب ہوا۔

المختصر فاصلاتی تعلیم کے ذریعے کثیر تعداد میں لوگوں کو بیک وقت تعلیم سے روشناس کرایا گیا اور پورے ملک میں اساتذہ اور کم پڑھے لکھے افراد کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ہر ممکن وسائل مہیا کیے گئے جس سے پوری قوم کو بے پناہ فوائد نصیب ہوئے۔

# خصوصی تعلیم

Special Education

**تعارف :-** خصوصی تعلیم سے مراد وہ طریقہ تعلیم ہے جس سے غیر معمولی بچوں کی تعلیم و تربیت کی جاتی ہے۔ یہ قانون قدرت ہے کہ سب بچے یکساں طبیعت کے مالک نہیں ہوتے بلکہ سب بچے آپس میں جسمانی ذہنی اور جذباتی اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ غیر معمولی بچوں میں یہی انفرادی اختلافات غیر معمولی حد تک پائے جاتے ہیں اس بناء پر ماہرین تعلیم کے نزدیک اس طرح کے بچوں کی تربیت کا خاص کر اہتمام کرنے پر زور دیا ہے کیونکہ وہ معاشرہ کا ایک اہم اور قابل رحم حصہ ہیں جن کی تربیت ہم سب پر لازم ہے خصوصی تعلیم کا اہم ادارہ ابتدائی سکول ہے جو بچے کی شخصیت پر ابتدائی نقش لگاتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ غیر معمولی بچوں کو اپنے ماحول سے ہم آہنگی اور مطابقت پیدا کرنے میں نہایت دشواری پیش آتی ہے جس کی وجہ صرف جسمانی یا ذہنی نقص میں مبتلا ہونا ہی نہیں بلکہ اس کا باعث کوئی غیر معمولی خوبی یا صلاحیت بھی ہو سکتی ہے۔ موجودہ زمانے میں اس قسم کے غیر معمولی بچوں پر بین الاقوامی امداد کے تحت اور حکومتی سطحوں پر پوری دنیا میں ان کی تعلیم و تربیت اور مسائل پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے اور بے شمار فوائد پہنچائے جا رہے ہیں۔

**ضرورت و اہمیت :-** ماہرین تعلیم کے نزدیک اور نفسیاتی نقطہ نظر سے خصوصی تعلیم کی ضرورت و اہمیت محتاج وضاحت نہیں۔ کیونکہ عقل سلیم اس بات کو ماننے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہیں ہے کہ ہر قسم کے بچوں کو ایک ہی سکول ایک ہی کلاس میں ایک ہی قسم کی تعلیم دینا نہ صرف خلاف فطرت ہے بلکہ قرین مصلحت کے خلاف ہے کیونکہ یہ بات عیاں ہے کہ کم عقل، اپاہج، مضطرب اور ذہین و فطین بچوں کو ایک طرز پر تعلیم دینا اور ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا نہ صرف بربادی انسانیت و تعلیم ہے بلکہ ظلم عظیم ہے۔

عام بچوں کی نسبت غیر معمولی بچوں کی طرف خصوصی توجہ اور رہنمائی کی ازحد ضرورت ہے اگر اس طرح کے بچوں کی خصوصی نگہداشت نہ کی جائے تو ان کی شخصیت نہ صرف طرح طرح کی خرابیوں

کا شکار ہو گئی بلکہ ذہنی طور پر بھی کنٹرول سے باہر ہو گی۔ اس کے برعکس اگر ان بچوں کو خصوصی تعلیم کی سہولتیں بہم پہنچا دی جائیں تو نہ صرف وہ انفرادی سطح پر تعلیم و تربیت حاصل کریں گے بلکہ وہ ذہنی جسمانی اور جذباتی طور پر کامیاب متوازن زندگی بسر کرنے کے اہل ہوں گے۔

خصوصی تعلیم معاشرتی اعتبار کے ساتھ ساتھ اقتصادی طور پر بھی خاص اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہ غیر معمولی بچوں کی اعلیٰ استعداد اور خفیہ صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے اور ان کی ذہنی و جسمانی خامیوں کے علاج کے ساتھ ساتھ معاشرہ کا صحت مند اور کارآمد فرد بھی بناتی ہے۔ اگر خصوصی تعلیم کو معاشرہ سے یکسر نظر انداز کر دیا جائے تو معاشرہ میں نہ صرف مریضانہ احساس برتری یا کمتری بڑھے گا۔ بلکہ خلاف معاشرہ حرکات کا سبب بھی بن جائیں گے۔ لہٰذا ایک فلاحی اور کامیاب معاشرہ کی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے غیر معمولی بچوں کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کرے۔

**خصوصی تعلیم کے مقاصد:** غیر معمولی بچوں کی تعلیم و تربیت کیلئے خصوصی تعلیم کے حسب ذیل مقاصد بیان کئے جاتے ہیں۔

۱:۔ خصوصی تعلیم کا بنیادی مقصد غیر معمولی بچوں کی ذہنی، جسمانی اور جذباتی نشوونما کرنا ہے۔

۲:۔ غیر معمولی بچوں کو معاشرہ میں سود مند بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

۳:۔ غیر معمولی بچوں کو خصوصی تعلیم کے ذریعے مستقبل کی زندگی کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنا ہے۔

۴:۔ خصوصی تعلیم کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ انہیں اپنے ماحول سے ہم آہنگ اور مطابقت پیدا کرنے کا شعور بخشتا ہے۔

۵:۔ غیر معمولی بچوں کو معاشرہ میں اپنی مدد آپ کے تحت زندہ رہنے کا درس دیتا ہے تاکہ وہ بغیر کسی کی محتاجی کے اپنی زندگی عزت و احترام اور خودداری کے ساتھ گزار سکیں۔

**غیر معمولی بچوں کی قسمیں:** ماہرین نفسیات نے غیر معمولی بچوں کی چند ایک قسمیں بیان کی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱:۔ **فطین بچے:** ایسے بچے جو غیر معمولی طور پر بہت ہی زیادہ ذہین اور سمجھدار ہوتے ہیں جن کا قوت حافظہ اور ذہنی استعداد کا معیار دوسرے بچوں کی نسبت بہت ہی زیادہ ہوتا ہے۔

۲:۔ **کم عقل بچے:** اس قسم کے بچوں کو کند ذہن بچوں کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، یہ

دماغی اعتبار سے عام بچوں کی نسبت کم ذہین ہوتے ہیں۔ بات کو جلدی نہیں سمجھ پاتے بلکہ ہر کام میں تغافل برتتے ہیں اور ہر میدان میں اپنے دوسرے ہم عمر بچوں کے مقابل میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔

۳:۔ **معذور بچے** :۔ معذور بچے (لولے، لنگڑے، اپاہج، اندھے، بہرے اور ناقص بینائی والے) ہوتے ہیں جو اپنی معذوری کی وجہ سے دوسروں کی نسبت ذہنی نفسیاتی اعتبار سے احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔

**غیر معمولی بچوں کی خصوصی تعلیم و طریقہ تدریس** :۔ ماہرین نفسیات اور منظمین تعلیم کے نزدیک مندرجہ بالا غیر معمولی بچوں کی تدریس ان کی ذہنی سطح کے مطابق ہو ان کے لئے خصوصی طریقہ تعلیم کا تصور پیش کیا ہے جسے ہم علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

۱:۔ فطین بچوں کو خصوصی تعلیم کے زمرے میں جس طریقہ تدریس پر زور دیا گیا ہے اُسے کسی بھی طور پر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ فطین بچوں کی تعلیم و تربیت ایک ایسا مقدس و اہم فریضہ ہے جس کا نبھانا از حد ضروری ہے۔ کیونکہ معاشرہ اگر ان کی تعلیم و تربیت پر جس قدر سرمایہ خرچ کرے گا اتنا ہی معاشرہ کو ان کی بیش بہا خدمات کے عوض واپس مل جاتا ہے۔

اس لئے اس قسم کے بچوں کے لئے علیحدہ تعلیمی ادارے بنائے جائیں جہاں پر ان کی خصوصی نگہداشت کی جائے اور نہایت محنتی اور قابل قسم کے اساتذہ کی نگرانی میں انہیں تعلیم دی جائے اس قسم کے بچوں کے لئے جدید قسم کی معلومات انہیں بہم پہنچائی جائیں اور سائنسی تعلیم کی طرف اُن کو خصوصی رغبت دلائی جائے۔ کیونکہ فطین بچے خصوصی تعلیم کی بدولت اپنی اعلیٰ ذہانت اور خصوصی قابلیت کے بل بوتے پر علوم فنون کے مختلف شعبوں میں غیر معمولی اضافہ کا سبب بن سکتے ہیں لہذا اس طرح کے بچوں کی احسن انداز میں اس طور تربیت کی جائے کہ جس سے معاشرہ ہر اعتبار سے ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائے۔

۲:۔ کم عقل بچوں یا کند ذہن بچوں کی خصوصی تعلیم کے لئے علیحدہ انتظام کیا جائے جہاں پر ذہنی جسمانی اور تعلیمی ترقی ممکن ہو۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر ملک میں اس قسم کے بچوں کی تعداد خاصی ہوتی ہے جو کند ذہن ہونے کی وجہ سے تعلیم و تربیت سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ اگر ان پر خصوصی توجہ نہ دی جائے تو وہ معاشرے میں بگاڑ کا سبب بن سکتے ہیں۔ لہذا ضرورت

اس امر کی ہے کہ اس قسم کے تعلیمی ادارے بنائے جائیں جہاں پر اُن کو ماہر نفسیات طلبار کی نفسیات اور دلچسپیوں کے مطابق تعلیم دیں۔ اس طرح کے بچوں سے جسمانی مشققت کے کام کروائے جا سکتے ہیں اور انہیں سخت قسم کے کام کرنے کی ٹریننگ دی جا سکتی ہے۔ مثلاً کھیتی باڑی، باغبانی لکڑ سازی، لوہا سازی وغیرہ۔

۳ا۔ معذور بچوں کی خصوصی تعلیم کے سلسلے میں ماہرین تعلیم کی یہ رائے کہ اس طرح کے بچوں کیلئے بالکل علیحدہ ادارے بنائے جائیں بلکہ ان کو بھی گروپس میں تقسیم کر لیا جائے۔ مثلاً لولے لنگڑوں اور اپاہج کا ایک گروپ، نابیناؤں کا ایک گروپ، بہرے گونگوں کا ایک گروپ، اس طرح اُن کو علیحدہ علیحدہ تعلیم دی جائے اور ان کی جسمانی نشو ونما کیلئے ہلکی پھلکی ورزش کا اہتمام کیا جائے تاکہ اس طرح کے بچوں میں خود اعتمادی اور احساس مسرت پیدا کیا جائے تاکہ ان کے احساس کمتری اور احساس محرومی کو ختم کیا جا سکے۔ معذور بچوں کے اساتذہ کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اُن کے ساتھ غیر معمولی شفقت، ہمدردی اور توجہ سے پیش آئیں۔ جس سے معذور بچوں کے ذہنوں میں بات بیٹھ جائے کہ وہ بھی معاشرے دیگر افراد کی طرح ایک معاشرے کے ایک فرد ہیں اور اُن پر بھی وہی فرائض ہیں جو کہ معاشرے کے دوسرے افراد پر۔

**خصوصی تعلیم کے فوائد:۔** خصوصی تعلیم کے بے شمار فوائد بیان کئے جاتے ہیں لیکن اس امر سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا ہے کہ اس معاشرہ میں ان غیر معمولی بچوں کو زندہ رہنے کا ایک حق مل جاتا ہے اور وہ بخوشی اپنی زندگی کے ایام گزارتے ہیں اگر معاشرہ اُن بچوں کو نظر انداز کر دے تو خود بخود اس طرح کے بچے معاشرتی مسائل کا شکار ہو کر انتقامی انداز اختیار پر مجبور ہو جائیں گے۔

انفرادی و اجتماعی سطح پر بھی خصوصی تعلیم کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ متوازن شخصیت کے حامل انسان بن جاتے ہیں غیر معمولی بچوں کو خصوصی تعلیم کے ذریعے معاشرہ کا صحت مند اور کار آمد فرد بنانے کا فائدہ ہے جہاں تک ہمارے ملک کی موجودہ صورتحال اور خصوصی تعلیم کا تعلق ہے تو ہمارے ملک میں غیر معمولی بچوں کی تعداد کے مقابلے میں خصوصی تعلیمی اداروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے اکثر بچے ابتدائی عمر میں ہی تعلیمی سلسلہ منقطع کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تعلیمی کمیشن نے اس بنیادی حقیقت کو تسلیم کیا ہے اور اس سلسلہ میں ایک جامع اور مربوط پروگرام پیش کیا ہے تاکہ غیر معمولی بچے بھی تعلیم و تعلم سے محروم نہ رہیں۔

# تعلیم مستقبل

## Futurology in Education

**تعارف :-** تعلیم انسانی مشغلہ ہے اور مستقبل کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے تعلیم ہی کے ذریعے فرد مستقبل کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔ ضروری اقدار، ڈھانچے روابط کو برقرار رکھنے کا منتقل کرنے کے لئے معاشرہ تعلیم ہی کو ایک اہم ذریعے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ منصوبہ سازوں پالیسی سازوں اور ماہرین تعلیم کے نزدیک تعلیم اور معاشرہ کا تعلق نہایت اہم ہے دونوں ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں اور دونوں کا مستقبل ایک دوسرے سے منسلک ہے۔

تعلیم مستقبل سے مراد وہ تعلیم ہے جو ہمیں آنے والے وقت کے لئے باقاعدگی کے ساتھ تیار کرے اور جو مستقبل کے لئے بہتر اور خوشگوار ردعمل پیدا کرنے میں معاون ثابت اور معاشرتی اقدار کا تحفظ کر سکے اور انسے اگلی نسلوں تک منتقل کر سکے تعلیم میں تبدیلی اور ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے۔ اس بناء پر مستقبل کے لئے اس قسم کی تعلیمی منصوبہ بندی کی جائے جس سے مستقبل میں بہتر نتائج برآمد ہوں۔

**ضرورت و اہمیت :-** یونیسکو نے ۱۹۸۱ء میں انٹرنیشنل بیورو ایجوکیشن کے لئے ایک رپورٹ تیار کی اس کے مطابق تعلیم کے مستقبلات اور اس کی ضرورت واہمیت واضح ہو جاتی ہے جسے ہم اگلی لائنوں میں بیان کرتے ہیں۔

۱:- سماجی تبدیلی میں اہم کردار ادا کرنے کی خاطر تعلیم کو ایک اہم عمل کی حیثیت سے ضرور کوئی نہ کوئی حکمت عملی اپنانا ہوگی۔ مثلاً ۲۰۰۰ء میں جو تبدیلی واقع ہوگی۔ اکثر اساتذہ اُن میں موجود ہونگے اور کچھ نہ ہوں گے، طلباء کی تعداد جو آجکل ہے بنجانے کیا ہو۔ نصاب جو آج پڑھایا جارہا ہے شاید اس کی مستقبل میں ضرورت نہ رہے تعلیمی اداروں کی تعداد اور ان کی پالیسیاں کس قسم کی ہوں۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کو ماضی اور حال کے سانچے میں ڈھال کر تجزیہ کرتے ہیں اور مستقبل کے لئے پیشگوئیاں کرتے ہیں۔ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے مستقبل کو بہتر سے بہتر بنالیں یہ علیحدہ بات ہے کہ کبھی نتائج اور پیشگوئیاں بالکل اُلٹ ہو جاتی ہیں اور کبھی نزدیک نزدیک پہنچ جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے بحیثیت طالب علم، اُستاد اور ماہر تعلیم کے تعلیمی مستقبل کے بارے میں

سوچنا ہماری ضرورت ہے اور اس کی اہمیت اس بناء پر اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ ماہرین تعلیم کی رائے کے مطابق اگر ہم نے مستقبل کے لئے تعلیمی منصوبہ بندی نہ کی تو بیروزگاری سے نمٹنا مشکل ہو جائے گا۔ ہمارا معیار زندگی ترقی یافتہ قوموں سے بہت پست ہے ہم نے ان کے مقابلہ میں اُسے بلند بھی کرنا ہے۔ اس لئے ہمیں اپنی مستقبل کی تعلیم کے بارے میں کچھ فیصلے کرنے ہوں گے کہ ہم اپنے وسائل سے بھرپور فائدہ حاصل کریں مندرجہ بالا حالات کے پیش نظر ہمیں مستقبل میں تعلیم جانب بہتر پیش بندی کی ضرورت در پیش آتی ہے۔

**تعلیم مستقبل کے مقاصد:-** ہمیشہ وسائل اور حالات کے تقاضوں کو مدِنظر رکھ کر ہی مقاصد کا تعین کیا جاتا ہے تعلیم مستقبل میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم خوشحال زندگی بسر کریں اور ہماری بہتر سے بہتر مستقبل ہو۔ مگر حالات زمانہ کے بدلنے کے ساتھ ساتھ انسانی فکر کے رجحان بھی بدلے جن کا مستقبل کے رجحان پر بھی اثر پڑا۔ سب سے پہلے معیشت کی طرف رجحان پیدا ہوا ۱۹۷۰ء کے عشرے کے دوران معیشت کے ساتھ ثقافتی پہلو کو بھی لیا گیا جس میں ساری آبادی متاثر ہوئی اور تعلیم کا خاص رجحان پیدا ہوا اور تعلیم عامہ کے ساتھ ساتھ پرائمری ایجوکیشن، تعلیم بالغاں اور مضبوط اخلاقی تعلیم پر زور دیا گیا مندرجہ حالات کی بناء پر تعلیم مستقبل کے مقاصد حسب ذیل ٹھہرے۔

۱:- مستقبل کے لئے خوشگوار ماحول پیدا کرنے کے ساتھ مستقبل کیلئے منصوبہ سازی کرنا۔

۲:- معاشرتی اقدار کا تحفظ کرنا اور آئندہ نسلوں تک منتقل کرنا۔

۳:- معاشرے کو تربیت یافتہ افرادی قوت مہیا کرنا۔

۴:- ترقی یافتہ قوموں سے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں مدد لے کر اپنی قوم کیلئے بہتر لائحہ عمل تیار کرنا۔

۵:- صنعت و زراعت اور دوسرے شعبوں میں ترقی کرنا۔ تعلیمی اور فنی مہارتوں کو عام کرنا۔

**اقدامات:-** پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں تعلیم کا مستقبل کی اہمیت اسقدر ضروری ہے کیونکہ پاکستان کا مستقبل ہی دراصل اُس کی بقاء اور پہچان کا ذریعہ بن سکتا ہے اگر آج ہم تعلیمی مستقبل کی کوئی منصوبہ بندی کر لیں گے تو آنے والے وقت کیلئے ہمارے بہتر نتائج اور کارآمد میٹریل مل سکے گا جس سے ہم اپنے ملک کی ہر اعتبار سے حفاظت کر سکتے ہیں۔ تاریخی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو قوموں کا عروج و زوال کا سبب ہمیشہ ان کا تعلیمی نظام ہی رہا ہے جب بھی کسی قوم نے اپنی آنے والی نسلوں کیلئے بہتر تعلیمی ماحول میسر کیا تو وہ

قوم عروج کی منزلوں کو پا گئی اور جس بھی قوم نے تعلیمی میدان میں سستی و کاہلی برتی وہ قوم غلام بن کر رہ گئی۔ ہمارے سامنے سینکڑوں مثالیں ایسی ہیں جو ہماری عبرت کا ذریعہ بن سکتی ہیں لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے بہتر مستقبل کی خاطر ایسا لائحہ عمل تیار کریں کہ جس سے ہماری تعلیم مستقبل سے ہماری مستقبل کی نسل محفوظ ہو جائے اس سلسلے میں انٹرنیشنل معیار کو اور رجحانات کو بھی سامنے رکھنا ہوگا آنے والے حالات و مشکلات کو بھی جانچنا ہوگا۔ نفس مضمون اور تعلیم و تعلم کے عمل کی اصلاح کرنی ہوگی۔ ترقی پذیر ملک کی حیثیت سے اپنے ثقافتی اور معاشرتی حوالے سے اپنے نصابات کو بدلنا ہوگا اور مقامی زبانوں میں ذریعہ تعلیم اپنانے کی تحریک پیدا کرنی ہوگی۔ یہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہے۔ لیکن ابھی ہم اس میدان میں دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہیں۔ بلکہ ہمیں ابھی تک احساس نہیں ہوا۔ ہمارا معیار زندگی ترقی یافتہ قوموں سے بھی پست ہے ہم نے ابھی اس کو بھی بلند کرنا ہے اس لئے ہمیں اپنے وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھانا ہوگا تعلیم کے مستقبل کیلئے ہمیں باقاعدہ منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔ ٹیکنالوجی کی تعلیم کو عام کرنا ہوگا۔ صنعت و زراعت اور دوسرے شعبوں کو جدید علوم کی روشنی میں ترقی دینی ہوگی۔ تاکہ ہماری قومی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہو اور ہماری خوشحالی کا خواب شرمندہ تعبیر ہو۔ مگر یہ اس وقت ہوگا جب ہم اپنے اندر اخلاقی تعلیم کو اپنا لیں گے اور اپنی زندگیوں کو اسلامی تعلیمات کے ڈھانچے میں ڈھال لیں گے۔ اور اپنے آپ کو ملت اسلامیہ کا ایک فرد تصور کریں گے تو ایک بار پھر معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن جائے گا۔ پچھلے چند برسوں میں خصوصی تعلیم اور تعلیم و مستقبل پر خاصی توجہ دی گئی ہے جدید سائنسی ایجادات کی مدد سے ایسے بچوں کو سائنسی انداز میں تعلیم دینے کیلئے مختلف مقامات پر خصوصی تعلیم کے متعدد تعلیمی ادارے بنائے جا رہے ہیں تاکہ ہمارے یہ غیر معمولی بچے بھی قدرتی اور آفاقی مصائب کا شکار ہونے کی وجہ سے تعلیم سے محروم نہ رہیں اب ہمارا بحیثیت انسان اور پاکستانی یہ فرض بنتا ہے کہ ہم اس طرح کے بچوں کی ہر مقام پر مدد کریں اور دعاؤں کے خواستگار ٹھہریں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ذہن میں کچھ سوالات بار بار کھٹکتے ہیں کہ ہم مندرجہ بالا جدید تعلیمی رجحانات کے ذریعے جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو کس طور پر ختم کر سکتے ہیں ........؟

پاک وطن سرزمین پاکستان میں ان طریقہائے تعلیم اور تعلیم میں جدید رجحانات کی کس قدر ضرورت و اہمیت ہے.....؟ اور! آیا ہم نے کس حد تک جہالت کو ختم کرنے میں اپنا حق ادا کیا ہے---؟

سترہواں باب

# جدید

# نظامہائے تعلیم

دوسرے ملکوں کے نظام ہائے تعلیم کا مطالعہ ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ اپنے مخصوص حالات میں، اپنے مخصوص فلسفہ حیات کے مطابق تعلیم کا اہتمام کرنے میں انہوں نے کیا طریق اختیار کئے۔ اور اپنے مخصوص مسائل کو حل کرنے کیلئے انہوں نے کیا انداز اپنائے اس نقطہ نگاہ سے دنیا کے تین اہم ممالک کے نظام تعلیم کا مختصر خاکہ پیش کیا جارہا ہے اس خاکے سے اس بات کا سرسری سا اندازہ ہوسکتا ہے کہ مختلف حالات میں نظام تعلیم کے ارتقاء کی کیا صورتیں ممکن ہیں۔ اس طرح اپنے نظام تعلیم کی اصلاح کیلئے بصیرت پیدا کی جاسکتی ہے۔

# انگلستان کا نظام تعلیم

**پس منظر:** انگریزوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ حالات کو اپنے دھارے پر بہنے دیتے تھے اس میں صرف اس وقت دخل دیتے ہیں، جب ضرورت محسوس ہو۔ اسے ارتقاء کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ امریکہ کے برعکس انگلستان میں تعلیم کے شعبے میں نئے نئے تجربات کر کے شعوری طور پر تعلیم کا ڈھانچہ وجود میں نہیں لایا گیا، بلکہ اداروں کو کام کرنے دیا گیا۔ اور معاشرے میں ہونے والی تبدیلیوں نے جب تعلیم کے شعبے میں تبدیلیوں کو ناگزیر بنا دیا تو دخل دیا گیا۔ اور صرف اس حد تک جس حد تک ضروری تھا۔ اس لیے انگلستان کے نظام تعلیم میں تبدیلیوں کی تعداد بہت کم ہے۔

قرون وسطیٰ میں یورپ اور انگلستان کا معاشرہ نسلی طبقات میں بٹا ہوا تھا۔ انگلستان میں صنعتی انقلاب کے بعد مزید طبقات بننے کا عمل شروع ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ تعلیم میں وسعت آنی شروع ہوئی۔ سترھویں صدی میں اساتذہ کی کمی کے مسئلے سے نمٹنے کیلئے مانیٹوریل نظام (MONITORIAL SYSTEM) اپنایا گیا۔ یہ نظام برصغیر پاک و ہند سے لیا گیا تھا۔ اس نظام میں استاد اعلیٰ جماعتوں کے طلباء کو براہ راست تعلیم دیتا تھا۔ اور اعلیٰ جماعتوں کے طلباء کو ادنیٰ جماعتوں کی تدریس کی ذمہ داری دے دیتا تھا۔ اس طرح کم اساتذہ زیادہ طلباء کو تعلیم دینے کے قابل ہو جاتے تھے۔ بعد میں اس نظام میں اصلاح کر کے اسے اپرنٹس شپ نظام بنا دیا گیا۔ اور اسے شاگرد۔ استاد نظام (PUPIL TEACHER SYSTEM) کا نام دیا گیا۔ اس نظام میں استاد بننے کے خواہشمند افراد کو تجربہ کار اساتذہ کے زیر نگرانی تدریس کی مشق کروائی جاتی تھی۔

۱۸۹۹ء میں تعلیم کی سرکاری نگرانی کا اہتمام کیا گیا۔ اور تعلیمی بورڈ قائم کیا گیا۔ اس بورڈ کا دائرہ کار ابتدائی اور ثانوی جماعتوں کے سرکاری مدارس تک محدود ہے۔

# موجودہ نظام تعلیم

انگلستان کے موجودہ نظام تعلیم کو چند ذیلی عنوانات کے تحت سمجھا جا سکتا ہے۔

**تعلیم کے مدارج اور اداروں کی اقسام:** انگلستان میں عام تعلیم کے مندرجہ ذیل چار مدارج ہیں۔

**نرسری:** یہ ابتدائی تعلیم سے پہلے کا درجہ ہے تعلیم کیلئے مناسب تیاری اس درجہ کا مقصد ہے۔ یہ درجہ دو سے پانچ برس کی عمر تک کے بچوں اور انگلستان کے صنعتی معاشرے کے مخصوص مسائل سے نمٹنے کے لئے وجود میں آیا ہے چونکہ مرد اور خواتین دونوں معاشی جدوجہد میں مصروف ہوتے ہیں۔ اس لیے بچوں کی دیکھ بھال کا ذمہ دار ہے۔ تاہم تمام مدارس یکساں طوالت کے نہیں ہوتے۔ اس درجہ میں رسمی تعلیم نہیں دی جاتی۔

**ابتدائی:** پانچ برس کی عمر سے ابتدائی تعلیم شروع ہوتی ہے۔ اس درجہ کی تعلیمی مدت پانچ برس ہے۔ اس درجہ میں لکھنے، پڑھنے، ریاضی اور اخلاق کی تعلیم دی جاتی ہے جس کا مقصد اگلے مدارج میں تعلیم کے لیے تیار کرنا ہے۔ اس درجے کے اختتام پر تقریباً گیارہ برس کی عمر میں تمام بچوں کا امتحان لیا جاتا ہے۔ اور اس امتحان میں کارکردگی کی بنیاد پر ثانوی تعلیم کے کسی مخصوص ادارے میں داخلہ دیا جاتا ہے۔

**ثانوی:** گیارہ برس کی عمر سے ثانوی درجہ کی تعلیم شروع ہوتی ہے۔ ثانوی ادارے تین قسم کے ہیں:

۱۔ گرامر اسکول۔

۲۔ ٹیکنیکل اسکول۔

۳۔ سیکنڈری ماڈرن اسکول۔

گیارہ سال کی عمر میں جو امتحان لیا جاتا ہے اس کے نتائج کی بنیاد پر طلباء کو ان تین قسم کے مدارس میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ تقریباً پچھتر فیصد تعداد سیکنڈری ماڈرن اسکولوں

میں داخل کر دی جاتی ہے۔ اور باقی گرائمر اور ٹیکنیکل اسکولوں میں سیکنڈری ماڈرن اسکولوں کے طلباء پندرہ برس کی عمر تک انہیں مدارس میں اپنی تعلیم جاری رکھتے ہیں۔

گرائمر اور ٹیکنیکل اسکولوں میں پہلے دو برس کا نصاب مشترک ہوتا ہے۔ جو سائنس ادب، ریاضی، فرانسیسی، لاطینی اور تاریخ و جغرافیہ وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ تیرہ برس کی عمر میں ان طلباء کا ایک اور امتحان لیا جاتا ہے۔ اچھے طلباء گرائمر اسکولوں میں تعلیم جاری رکھتے ہیں۔ اور باقی طلباء ٹیکنیکل اسکولوں میں تعلیم پاتے ہیں۔ گرائمر اسکولوں میں کل طلباء کا تقریباً تین فیصد حصہ تعلیم حاصل کرتا ہے۔

**جامع مدارس:** یہ ثانوی سطح کے جدید مدارس ہیں۔ جن میں اوپر بیان کردہ تینوں قسم کے مدارس کے نصابات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان میں طلباء کی تعداد ایک سے ڈیڑھ ہزار تک ہوتی ہے۔ ان مدارس سے دو فائدے مطلوب ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ طلباء کیلئے ایک پروگرام سے دوسرے میں منتقل ہونا آسان ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ طبقاتی احساس کو کم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

**پبلک اسکول:** یہ درحقیقت گرائمر اسکول ہی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ ماضی کے طبقاتی معاشرے کی پیداوار ہیں۔ گزشتہ صدیوں میں ثانوی تعلیم کا واحد ذریعہ یہی اسکول تھے۔ اور چونکہ یہ معاشرے کے اعلیٰ طبقات کے بچوں کی تعلیم کے لیے وجود میں آئے تھے۔ اس لیے ان میں تدریسی اخراجات بہت زیادہ تھے۔ ان میں تعلیم اور نظم و ضبط کا معیار بہت اعلیٰ تھا۔ چونکہ یہ تعلیم کا واحد ذریعہ تھے۔ اس لیے انگریز قوم کی ترقی میں انہوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ واٹر لو کی لڑائی ایٹن اور ہیرو کے میدانوں میں جیتی گئی تھی یہاں یہ ذہن میں رہے کہ ایٹن اور ہیرو انگلستان کے دو مشہور پبلک اسکول تھے۔

چونکہ یہ مدارس اعلیٰ طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اور انگلستان آہستہ آہستہ غیر طبقاتی معاشرے میں تبدیل ہوتا رہا ہے۔ اس لیے ان مدارس کے جاری رہنے کا جواز ختم ہو گیا۔ چنانچہ ان کو اب عام مدارس کے نظام میں جذب کیا جا رہا ہے۔

**ثانوی اسکول امتحان** :۔ کچھ عرصہ پہلے تک ثانوی تعلیم کے اختتام پر آخری امتحان خود اسکول ہی لے لیتا تھا۔ اور سرٹیفکیٹ دے دیتا تھا۔ اور معاشرے میں اس سرٹیفکیٹ کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ لیکن اب ایک خارجی امتحان سی ایس ای (سرٹیفکیٹ آف سیکنڈری ایجوکیشن) شروع کیا گیا ہے۔ اس امتحان میں طلباء کی شمولیت مدارس کی صوابدید پر منحصر ہے۔

**یونیورسٹی** :۔ یونیورسٹی تعلیم کا استحقاق حاصل کرنے کے لیے طالبعلم کو کم وبیش سولہ برس کی عمر میں جی۔ سی۔ ای (جنرل سرٹیفکیٹ آف ایجوکیشن) کا امتحان پاس کرنا پڑتا ہے جس کا اہتمام یونیورسٹی کرتی ہے۔ دو سال کے وقفہ کے بعد دوسرا امتحان ایچ سی ای۔ (ہائر سرٹیفکیٹ آف ایجوکیشن) کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

**تربیت اساتذہ** :۔ اساتذہ کی تربیت کا ایک ہی نظام رائج ہے۔ اس کے اندر تخصیص کے مختلف پروگرام رکھے گئے ہیں۔ پرائمری اور ثانوی اساتذہ کا تربیتی دورانیہ یکساں ہے۔ اور یہ تین سال ہے۔ اس تربیت میں نظری اور عملی دونوں پہلو شامل ہیں۔

**نصاب سازی** :۔ انگلستان میں نصاب سازی میں غیر مرکزیت پائی جاتی ہے۔ صدر معلم اور اساتذہ اپنے ادارے کے لیے نصاب طے کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں روایت اور ضرورت دونوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ البتہ جو ادارے اپنے طلباء کو سی۔ ایس۔ ای کا امتحان دلواتے ہیں۔ وہ امتحانی ادارے کے متعین کردہ نصاب کی پابندی کرتے ہیں تاہم وہاں بھی تفصیلات طے کرنے میں اساتذہ کو خاصی آزادی حاصل رہتی ہے۔

**معائنہ** :۔ مدارس کی تعلیمی حالت کے معائنے کا بھی ایک نظام موجود ہے۔ یہ نظام رہنمائی کے نقطہ نظر کا حامل ہے۔ وزارت تعلیم کے تحت افسران معائنہ مقرر ہوتے ہیں۔ جو ہزمجیسٹیز انسپکٹرز (HIS MAJESTY'S INSPECTORS) کہلاتے ہیں۔ یہ انسپکٹر مدارس کا معائنہ کرتے ہیں، اور اپنی رپورٹ وزارت تعلیم کو پیش کرتے ہیں۔ وزارت یہ رپورٹ متعلقہ اسکول میں بھیج دیتی ہے۔ صدر معلم اس رپورٹ کی تجاویز کا جائزہ لیتا ہے اور جن تجاویز کو

مناسب سمجھا جاتا ہے. انہیں تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ اس رپورٹ کی بنیاد پر کسی کو سزا دی جاتی ہے. نہ جزا.

## تعلیمی انتظامیہ :۔

مدرسی تعلیم کا انتظام کلیتہً مقامی ہے. حکومت خود اختیاری کے اداروں کی طرز پر ایک مقامی ادارہ جو لوکل ایجوکیشن اتھارٹی (LOCAL EDUCATION AUTHORITY) کہلاتا ہے. تعلیم کے انتظام کا ذمہ دار ہے. یہ ادارہ منتخب افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ مدارس قائم کرنا. اساتذہ کا تقرر کرنا. اور اخراجات پورے کرنے کے لیے ٹیکس لگا کر رقوم اکٹھی کرنا اسی ادارے کے ذمہ ہوتا ہے. اساتذہ کے تقرر میں صدر معلم کی رائے بھی لی جاتی ہے۔

**لازمی تعلیم :۔** انگلستان میں پندرہ برس کی عمر تک تعلیم لازمی ہے. ابتدائی تعلیم مفت ہے. اور طبی امداد نیشنل ہیلتھ سروس کے ذریعے مفت فراہم کی جاتی ہے۔

## اساتذہ :۔

انگلستان میں معاشرہ مخلوط ہے. یعنی عورتوں اور مردوں میں علیحدگی کا تصور نہیں ہے. اس لیے تعلیمی اداروں میں بھی مخلوط تعلیم دی جاتی ہے. اس سے جو اخلاقی مفاسد پیدا ہوتے ہیں. ان کی وجہ سے معاشرے کے اخلاقی تصورات میں بھی حسب حال تبدیلی کر لی جاتی ہے۔

ابتدائی تعلیم کے شعبے میں زیادہ تر اساتذہ خواتین ہیں. ثانوی میں خواتین کی تعداد مردوں سے کم ہے. مگر آہستہ آہستہ یہ تناسب زیادہ ہو رہا ہے. خاتون اساتذہ کی بہت بڑی تعداد نوجوان اور ادھیڑ عمر خواتین پر مشتمل ہے. کیونکہ بالعموم شادی کے بعد خواتین اس پیشے کو خیر باد کہہ دیتی ہیں اور بچوں کی پرورش کے مراحل سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ اس پیشے کی طرف راغب ہوتی ہیں. اس وجہ سے تعلیمی انتظام میں جو الجھنیں پیدا ہوتی ہیں. ان کا کوئی حل ابھی تک تلاش نہیں کیا جا سکا۔

## تعلیم بالغاں :۔

ہمارے ہاں تعلیم بالغاں کا تصور، بالغوں کو خواندگی سکھانے کا تصور ہے لیکن مغربی ممالک میں خواندگی سکھانے کے علاوہ تعلیم یافتہ افراد کو جدید علمی انکشافات سے روشناس کروانا بھی تعلیم بالغان کے تصور میں شامل ہے. بالغوں کو خواندگی سکھانے کی طرف ابتدائی توجہ انیسویں صدی کے آخری حصے میں دینا شروع کی گئی تاہم منظم طریق سے یہ کام ۱۹۲۱ء میں شروع ہوا. جب تعلیم بالغاں کی کمیٹی مقرر کی گئی. اس کمیٹی نے بالغوں کی تعلیم کے لیے مقامی انجمنیں قائم کیں. مقامی حکومت اختیاری کے اداروں نے بالغوں کے لیے شام کی جماعتوں کا اہتمام کیا. حکومت نے اس سلسلے میں مالی امداد فراہم کی. اور اس مہم کے نتیجے میں خواندگی عام ہوگئی. تو تعلیم بالغاں کے دوسرے حصے، جدید علمی انکشافات سے آگاہی کو تعلیم بالغاں کے پروگرام میں شامل کر لیا گیا.

اس دوسرے کام کو زیادہ منظم انداز میں کرنے کے لیے ایک کھلی یونیورسٹی قائم کی گئی جو مراسلت کے ذریعے تعلیم دیتی ہے. اس یونیورسٹی کے تعاون سے پاکستان میں بھی ایک یونیورسٹی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے نام سے قائم ہے، جو ان لوگوں کی تعلیم کا اہتمام کرتی ہے. جو باقاعدہ تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کی عمر سے گزر چکے ہیں۔

## یونیورسٹی تعلیم

ملک کے اعلیٰ تعلیم کے قدیم ترین ادارے آکسفورڈ اور کیمبرج ہیں. ان میں تعلیم کی بنیاد مذہبی رہی ہے. سولہویں صدی میں جو مذہبی انتشار پھیلا، اس کے نتیجے میں یہ دقت پیدا ہوئی کہ جو لوگ مختلف مذہبی فرقے سے متعلق رکھتے تھے. وہ اپنے بچوں کو ان اداروں میں تعلیم دلوانا نہ چاہتے تھے. اس دقت کو حل کرنے کے لیئے لندن یونیورسٹی قائم کی گئی جو محض امتحانی یونیورسٹی تھی. اور غیر مذہبی علوم کا امتحان لیتی تھی. پاکستان میں اسی ماڈل پر یونیورسٹیاں قائم کی گئیں. کچھ عرصے کے تجربے کے بعد یہ محسوس کیا گیا کہ امتحانی

یونیورسٹی کے ذریعے مؤثر تعلیم کا اہتمام ممکن نہیں۔ چنانچہ لندن یونیورسٹی تدریسی یونیورسٹی بنادی گئی البتہ مذہبی تصورات کو تعلیم سے خارج کردیا گیا۔

**مذہبی تعلیم** :۔ اوپر جس دور انتشار کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں مذہبی تعلیم کو پورے تعلیمی نظام سے خارج کردیا گیا۔ اور مذہبی تعلیم کا اہتمام کلیۃً متعلقہ مذہبی گروہوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا۔ لیکن تجربے سے ثابت ہوا کہ یہ قابل اطمینان صورت نہیں۔ چنانچہ مدارس میں مذہبی تعلیم کا اہتمام کیا جانے لگا۔ البتہ اس میں یہ شرط عائد کی گئی کہ جو والدین اپنے بچوں کو مدرسہ میں دی جانے والی مذہبی تعلیم نہ دلانا چاہتے ہیں۔ ان کی تحریری اطلاع پر ان کے بچوں کو اس تعلیم سے مستثنےٰ کردیا جائے۔ تجربے سے یہ صورت بھی ناقابل اطمینان ثابت ہوئی۔ چنانچہ اب مذہبی تعلیم دینا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ نصاب سازی اور اساتذہ کی تقرری کا کام ہر ایک مذہبی گروہ کے سپرد ہے۔ البتہ اس سلسلے کے تمام اخراجات حکومت برداشت کرتی ہے۔

## اساتذہ کی تنخواہیں :۔

انگلستان میں اساتذہ کی تنخواہوں کا لچکدار نظام اپنایا گیا ہے۔ اسی لیے اساتذہ کو اپنی تنخواہیں بڑھوانے کے لیے مطالبہ اور احتجاج کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر چند برس کے بعد مہنگائی کے تناسب سے ان کی تنخواہیں خود بخود نئے سرے سے متعین کردی جاتی ہیں اور یہ اہتمام مستقل ہے۔

☆

# امریکہ کا نظامِ تعلیم

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہاں تعلیم کے لئے مختلف انداز و اطوار ہیں۔ کہ کسی امریکی نظام تعلیم کی تلاش محال ہے۔ پھر بھی اس میں کچھ ایسے مشترک عوامل موجود ہیں۔ جن کی وجہ سے امریکی نظام تعلیم کا تصور نادرست نہیں ٹھہرتا۔

امریکہ میں تعلیم کا اہتمام کرنا ریاستوں (جن کی حیثیت ہمارے ہاں کے صوبوں کی ہے) کی ذمہ داری میں شامل ہے اور مرکزی حکومت اس میں کوئی دخل اندازی نہیں کرسکتی۔ تاہم جب مرکزی حکومت کچھ مخصوص شعبوں میں تعلیم کا اہتمام کرنا چاہتی ہے۔ یا ان کو فروغ دینا چاہتی ہے۔ تو اس کا پورا منصوبہ مرتب کرکے اس کے اخراجات کی ذمہ داری بھی قبول کرلیتی ہے۔ اور ریاستیں اس منصوبہ کو قبول کرکے، اسی حد تک تعلیم کے شعبے میں مرکز کی دخل اندازی بھی قبول کرلیتی ہیں۔

امریکہ میں تعلیم کے شعبے میں بے شمار تجربات ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ کوئی نیا تصور ایسا نہیں ہوتا۔ جس کو کچھ لوگ اپنا کر اس پر تجربات نہ کریں۔ اس لیے امریکی نظام تعلیم کا ڈھانچہ بے حد لچکدار ہے۔ چنانچہ امریکی نظام تعلیم کے متعلق جو کچھ سطور ذیل میں بیان کیا جائے گا۔ اسے عام صورت حال کا نمائندہ بیان ہی کہا جاسکتا ہے۔

## مدارج تعلیم :۔

امریکہ میں سولہ برس کی عمر تک کی تعلیم لازمی ہے اور مدرسہ کی تعلیم بارہ برس پر محیط ہوتی ہے۔ گویا ہائی اسکول سے فراغت کے وقت طالب علم کی عمر سترہ برس ہوتی ہے۔ لازمی تعلیم کی مدت سولہ برس کی عمر میں ختم ہو جاتی ہے اور ہائی سکول کے آخری سال کی تعلیم مکمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار طالب علم کو حاصل ہے۔

مدرسہ کی بارہ سالہ تعلیم دو یا تین ذیلی مدارج میں تقسیم ہوتی ہے۔ عام طور پر چار انداز اختیار کیے جاتے ہیں۔ جنہیں ۵-۳-۴، اور ۶-۳-۳، اور ۴-۴-۴ اور ۸-۴ کہا جاتا ہے۔ یعنی بعض ریاستوں میں ابتدائی درجہ پانچ سالہ، درمیانی درجہ تین سالہ اور ہائی درجہ چار سالہ ہے اور بعض ریاستوں میں یہ مدارج بالترتیب چھ سالہ، تین سالہ اور تین سالہ ہوتے ہیں۔ اسی سے باقی دو انداز کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

اب عام رجحان ۵-۳-۴ یا ۸-۴ کی طرف ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قبل بلوغت کی عمر کو ایک الگ تعلیمی درجے کی حیثیت میں شناخت کیا جا رہا ہے اور یہ وہ عمر ہے۔ جسے ہمارے ہاں وسطانی درجہ کہا جاتا ہے۔ جہاں ایسے الگ تین سالہ ادارے ہیں۔ وہاں ان کا نام جونیئر اسکول ہے۔

**نرسری ادارے :۔** دو تا پانچ سالہ عمر کے لیے نرسری ادارے قائم ہیں۔ جن میں رسمی تعلیم تو نہیں دی جاتی۔ البتہ ایسے کھیلوں کا اہتمام کیا جاتا ہے جن سے بچوں کے اعصاب اور حواس کی تربیت ہوتی ہے۔ ان پر زیادہ تر اثر فروبل کے کنڈرگارٹن تصور کا ہے۔ یہ ادارے کلیتۂ پرائیویٹ ہوتے ہیں۔

**ذریعۂ تعلیم :۔** امریکہ کی سرکاری زبان انگریزی ہے اور یہی زبان ذریعۂ

تعلیم بھی ہے۔ امریکی معاشرہ یورپ کے بہت سے مختلف ممالک سے آئے ہوئے افراد کی اولاد پر مشتمل ہے اور ہر ایک سابقہ ملک سے تعلق رکھنے والے افراد نے اپنی جدا جدا آبادیاں قائم کیں۔ ان آبادیوں میں سابق زبان، لباس اور طرز بود و باش کے باقی انداز برقرار رکھے گئے ہیں اور حکومت کی طرف سے انہیں باقی رکھنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ چنانچہ جن بچوں کی مادری زبان انگریزی نہیں ہوتی۔ ان کو انگریزی زبان کی اتنی تعلیم دینا بنیادی مسئلہ ہوتا ہے کہ وہ انگریزی ذریعۂ تعلیم سے تعلیم حاصل کر سکیں۔ اس مسئلہ کو اس طرح حل کیا جاتا ہے کہ رسمی تعلیم کی ابتداء سے چھ ماہ قبل ایسے تمام بچوں کو انگریزی کی خصوصی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور وہ اپنے ہم عمر دوسرے بچوں کے ہمراہ انگریزی کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح تمام بچوں کو قومی زبان کے ذریعے تعلیم دے کر قومی یکجہتی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ اہتمام اپنے اندر ہمارے لیے ایک بہت بڑا سبق رکھتا ہے۔ جہاں قومی زبان کی بجائے علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے کے مطالبات اٹھائے جاتے ہیں۔

**جامع اسکول** :- امریکہ میں ابتدائی اور ثانوی درجوں کے الگ الگ ادارے بھی ہیں۔ اور جونیئر اسکول اور ہائی اسکول کے مدارج کو ملا کر جامع اسکول بھی قائم کیے گئے ہیں۔ جامع اسکول کی ابتدا امریکہ ہی میں ہوئی۔ اور اس کی افادیت کی وجہ سے اس نوع کے مدارس بہت سے ممالک میں قائم کیے گئے پاکستان میں بھی ۱۹۵۸ء کے بعد جامع مدارس قائم ہونا شروع ہوئے اور اب کم و بیش ہر ایک ضلع میں طلباء اور طالبات کے لیے ایک جامع اسکول موجود ہے۔

## نصاب سازی

امریکہ میں نصاب سازی کا نظام بہت لچکدار اور غیر مرکزیت کا حامل ہے بعض ریاستوں میں، ریاستی انتظامیہ نصاب کا ایک ڈھانچہ شائع کر دیتی ہے اور بعض ریاستوں میں اس کا بھی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ بہر حال ڈھانچہ موجود ہو تو بھی اس کے اندر رہتے ہوئے تفصیلات طے کرنا متعلقہ استاد کا اپنا کام ہے۔ نصابی تفصیلات طے کرتے ہوئے طالب علموں کی تعلیمی و معاشرتی حالت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

**تنظیم نصاب** :۔ امریکہ میں نصابی تنظیم کا سمسٹر نظام اپنایا جاتا ہے۔ سمسٹر کا دورانیہ بارہ سے اٹھارہ ہفتے تک ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے ایسے چھوٹے چھوٹے کورس بنائے جاتے ہیں۔ جو اس دورانیے میں بخوبی ختم کیے جا سکیں۔ ایک سمسٹر میں بالعموم پانچ کورس پڑھنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ لیکن کمزور طالبعلم چار یا تین کورس بھی لے سکتے ہیں اور زیادہ ذہین طلبا کو چھ یا سات کورس پڑھنے کی اجازت بھی دے دی جاتی ہے۔

اس اہتمام کی وجہ سے جماعتوں کا نظام بھی لچکدار ہو جاتا ہے۔ ضروری نہیں کہ کسی ایک گروہ کے طلبا تمام مضامین میں ایک ہی جماعت میں ہوں۔ بلکہ یہ ممکن ہوتا ہے کہ ایک طالب علم ریاضی میں چوتھی جماعت میں ہو۔ انگریزی میں چھٹی جماعت میں اور معاشرتی علوم میں ساتویں جماعت میں۔ اس اہتمام سے طلبا اپنی محنت اور ذہانت کے مطابق مناسب رفتار سے تعلیم حاصل کر لیتے ہیں

**نظام امتحان** :۔ امریکہ میں امتحان کا نظام داخلی ہے۔ جو استاد جس مضمون کی تدریس کا ذمہ دار ہو۔ اس ہی اپنے طالب علموں کا امتحان لینا اور نتیجہ مرتب کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

## انتظام و نگرانی :۔

ریاستوں نے اپنی آبادیوں کو تعلیمی اضلاع میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ہر ایک تعلیمی ضلع کے اندر مدرسی تعلیم کا انتظام کلیتہً ایک منتخب ادارے، ضلعی تعلیمی اتھارٹی (ڈسٹرکٹ ایجوکیشن اتھارٹی) کی ذمہ داری ہے، کہاں کس انداز میں اور کس درجے کے مدارس قائم کیے جائیں گے اور ان کے لیے مالی وسائل کس طرح فراہم کیے جائیں گے۔ ان سب امور کا فیصلہ یہی اتھارٹی کرتی ہے۔ مالی وسائل عام طور پر متعلقہ آبادی سے ٹیکسوں کے ذریعے اکٹھے کیے جاتے ہیں۔ چونکہ پورے ملک میں آبادیوں کی مالی حالت کم و بیش یکساں نہیں۔ بلکہ بعض آبادیاں انتہائی غریب اور بعض انتہائی امیر ہیں۔ اس لیے یہ انتظام تعلیمی مواقع کے تفاوت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ امیر علاقوں کی ایجوکیشن اتھارٹی کے پاس وافر مالی وسائل ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ عمارات اور سازوسامان کا بہتر انتظام کر سکتی ہیں اور اچھے اساتذہ کو زیادہ تنخواہیں دے کر ملازم رکھ سکتی ہیں۔ اس لیے ان کے زیرِ نگرانی تعلیم کا انتظام بہتر ہوتا ہے۔ غریب علاقوں میں صورتِ حال اس کے برعکس ہوتی ہے۔

**تعلیمی انتظام :۔** مدرسہ کے داخلی انتظام کی نگرانی صدر معلم کرتا ہے۔ اس انتظام میں اسے والدین، اساتذہ کی انجمنوں سے بھی مدد ملتی ہے۔ جن کے اجلاس باقاعدگی سے ہوتے رہتے ہیں۔ ان اجلاسوں میں ادارے کے انتظامی امور اور مسائل زیرِ بحث آتے ہیں۔

ایجوکیشن اتھارٹی کے زیرِ اہتمام تمام مدارس کی نگرانی کے لیے تعلیم کا ایک ماہر مقرر کیا جاتا ہے۔ جس کا عہدہ سپرنٹنڈنٹ کہلاتا ہے۔

**تعلیمی رہنمائی :** اساتذہ کی تعلیمی رہنمائی کے لیے مختلف مضامین میں سپروائزر مقرر کیے جاتے ہیں۔ جو اساتذہ کی تدریس کی نگرانی بھی کرتے ہیں اور تدریس کو بہتر

بنانے کے لیے اساتذہ کو مشورے بھی دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں اچھے اساتذہ کی تدریس کے عملی مظاہروں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ سپروائزر کے پاس کوئی انتظامی اختیارات نہیں ہوتے۔

## اساتذہ کی تنظیمیں

امریکہ کے نظام تعلیم میں غیر مرکزیت اتنی زیادہ ہے۔ کہ مختلف علاقوں اور مختلف اداروں میں تعلیمی معیار کی یکسانیت کلیتہً خارج از بحث ہو جاتی ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس نظام تعلیم نے غیر مرکزیت کے اندر مرکزیت کی بعض بہت اچھی صورتیں نکال لی ہیں۔

امریکہ میں اساتذہ کی قومی سطح کی دو انجمنیں وجود میں آگئی ہیں۔ یہ انجمنیں اساتذہ کی صلاحیت میں اضافہ کے لیے تعلیمی تحقیق کا اہتمام کرتی ہیں۔ اس کے نتائج کو اساتذہ تک پہنچانے کے لیے اپنے رسائل شائع کرتی ہیں اور تعلیمی کانفرنس اور سیمیناروں کا اہتمام کرتی ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ یہ مدارس کی منظوری بھی دیتی ہیں۔ جس طرح ہمارے ہاں نجی تعلیمی اداروں کو محکمہ تعلیم منظوری دیتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ مدارس کی منظوری کا یہ اہتمام انتہائی قدر و وقعت کا حامل ہو گیا ہے۔ اور جس ادارے کو کسی انجمن کی منظوری حاصل ہو، اسے وقیع سمجھا جاتا ہے۔

یہ انجمنیں اپنے منظور شدہ اداروں کے باقاعدہ معائنہ کا اہتمام کرتی ہیں اور ان کے معیار کو اعلیٰ سطح پر قائم رکھنے کی جدوجہد کرتی ہیں۔ معائنہ کے لیے اچھے اساتذہ کو مختلف اداروں میں بھیجا جاتا ہے اور وہ اساتذہ کے کام کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ انہیں اصلاح کی تدابیر بھی بتاتے ہیں۔

ان انجمنوں کے علاوہ اساتذہ کی مضمون وار انجمنیں بھی وجود میں آچکی ہیں

جو متعلقہ مضمون میں تدریسی معیار بلند کرنے کے لیے کوشش کرتی ہیں۔ ان کے اجلاسوں میں اساتذہ متعلقہ مضمون کے تدریسی مسائل پر گفتگو کرتے ہیں اور انہیں حل کرنے کی تدابیر پر غور کرتے ہیں۔

ایک اور عامل، جو اگرچہ واضح طور پر نظر نہیں آتا۔ مگر تعلیمی معیار کو بہتر رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ معاشرے میں ادارے کا وقار ہے۔ تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل ہونے والے افراد معاشرے میں جاتے ہیں۔ اور ان کی کارکردگی سے معاشرے میں تعلیمی ادارے کے اچھا یا برا ہونے کے متعلق ایک تاثر پیدا ہوتا ہے۔ جن اداروں کے اچھا ہونے کی شہرت ہو۔ وہ اپنی اچھائی کو باقی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جن اداروں کی شہرت برا ہونے کی ہو۔ وہ اسے تبدیل کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔

## اساتذہ :-

امریکہ میں اساتذہ کی تربیت کا دورانیہ ہائی اسکول کے بعد چار سال کا ہے اسی کے اندر ابتدائی یا ثانوی تخصیص کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

ابتدائی تعلیم میں اساتذہ کی عظیم اکثریت خواتین پر مشتمل ہے۔ ہائی اسکول میں خاتون اساتذہ کی تعداد ایک تہائی سے بھی کم ہے۔ خاتون اساتذہ کے سلسلے میں امریکہ میں بھی وہی مسئلہ درپیش ہے۔ جس کا ذکر انگلستان کے ضمن میں کیا گیا ہے

اساتذہ کی تنخواہوں کا نظام بھی لچکدار ہے۔ ابتدائی تنخواہ اور سالانہ ترقی کا ایک پیمانہ موجود ہے۔ ابتدا میں اساتذہ دیہی علاقوں کے مدارس میں تدریسی فرائض انجام دیتے ہیں۔ تجربہ کار ہو کر اپنی شہرت کے بل پر شہری علاقوں کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ تنخواہ میں ترقی کے ضمن میں امریکہ غالباً واحد ملک ہے جس میں اگر کوئی استاد تربیت حاصل کرنے کے بعد چند سال بے کاری میں گزار دے، یا کسی اور شعبے میں کام کرتا رہے۔ تو تدریس کے پیشے میں آنے پر اسے

اتنے سال کی ترقیوں کا حقدار سمجھا جاتا ہے۔

اچھے اساتذہ کی مانگ بہت زیادہ ہوتی ہے چونکہ اساتذہ کو ملازم رکھنے کی ذمہ داری ضلعی تعلیمی اتھارٹی پر ہے۔ اس لیے ہر اتھارٹی یہ چاہتی ہے کہ اس کے پاس زیادہ سے زیادہ اچھے اساتذہ ہوں۔ بالخصوص امیر علاقوں کی اتھارٹیاں تو اس ٹوہ میں رہتی ہیں کہ کہاں پر کون استاد اچھی شہرت کا مالک ہے۔ سال میں ایک بار ملک گیر سطح پر اساتذہ کی ایک کانفرنس ہوتی ہے جسے اساتذہ کا میلہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس موقع پر اتھارٹیاں اچھے اساتذہ کو زیادہ سے زیادہ معاوضہ دے کر حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور اچھے اساتذہ اپنے حسب دلخواہ معاوضہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ یہاں متعین مدت کے معاہدات طے پاتے ہیں۔ اس طرح استاد کی ترقی اور رفتار ترقی کی کوئی حد نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ استاد کی ترقی اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ تو بے جا نہیں۔

امریکہ میں اساتذہ کی اعلیٰ عہدوں پر ترقی کا کوئی ایسا انتظام موجود نہیں جس کے تحت کوئی استاد محض تجربے کی طوالت کی بنا پر اعلیٰ عہدے کا مستحق ہو جاتا ہو۔ ہر ایک اعلیٰ عہدے کے لیے خصوصی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جاتا ہے اور صرف وہ استاد اعلیٰ عہدے پر تقرر کا مستحق ہوتا ہے جس نے اس عہدے سے متعلقہ تعلیم و تربیت حاصل کی ہو۔ اور وہ اس عہدے کی خالی اسامی پر مقابلہ کے ذریعے منتخب ہو۔

**وظائف** :۔ امریکہ میں طالب علموں کو وظائف دینے کا رواج نہیں۔ البتہ تعلیمی ادارے اپنے طالب علموں کے لیے جز وقتی ملازمت تلاش کرنے میں سرگرمی سے کوشش کرتے ہیں چنانچہ کوئی طالب علم اس وجہ سے تعلیم سے محروم نہیں رہ جاتا۔ کہ اس کے پاس مالی وسائل موجود نہیں۔

یونیورسٹی سطح پر طلباء کے لیے جز وقتی ملازمت، ادارے سے باہر تلاش کرنے کی بجائے، یونیورسٹی کے مختلف شعبوں میں جز وقتی کام تلاش کر لیے جاتے ہیں

## جز وقتی تعلیم :-

امریکہ میں پرائیویٹ امتحان کا کوئی تصور موجود نہیں۔ البتہ ان لوگوں کے لیے جو باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کرسکتے ہوں۔ جز وقتی تعلیم کا وسیع اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ اہتمام شبینہ جماعتوں یا گرمائی نصابات کی صورت میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر فرد اپنی حسب خواہش ہر قسم کی تعلیم اس انداز میں حاصل کرسکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے۔ کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کا خواہش مند ہو۔

## اعلیٰ تعلیم :-

ہائی اسکول کے بعد یونیورسٹی تعلیم کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ امریکہ میں امتحانی یونیورسٹی کا کوئی تصور موجود نہیں۔ ہر ایک یونیورسٹی تدریسی یونیورسٹی ہے یعنی جن طالب علموں کو باقاعدہ تعلیم دیتی ہے۔ انہیں کا امتحان لے کر انہیں سندات تقسیم کرتی ہے۔ اس لیے ملک میں بے شمار یونیورسٹیاں ہیں۔ اور ان کا تعلیمی معیار بھی یکساں نہیں۔

یونیورسٹی اساتذہ تمام پیشوں میں عزت و وقار کے لحاظ سے چھٹے درجے پر سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جاتا۔ کہ وہ علم کی سرحدوں کو پھیلانے میں اپنا کردار ادا نہ کریں۔ انہیں تحقیقی رپورٹیں اور مقالات لکھنے پڑتے ہیں۔ ورنہ ان کا یونیورسٹی میں ملازمت جاری رکھنا ممکن نہیں رہتا۔

## تعلیمی تحقیق :-

تعلیمی تحقیق میں امریکہ دنیا میں پہلے درجے پر ہے۔ مختلف سطحوں پر تعلیمی تحقیق کے کورس بھی پڑھائے جاتے ہیں اور عملاً تحقیق کروائی بھی جاتی ہے۔ یونیورسٹیاں اپنے تحقیقی پروگرام بناتی ہیں۔ اور سرکاری سرپرستی میں بھی تحقیقی منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ تجارت و صنعت کے بڑے ادارے بھی تحقیق کے لیے گرانٹ دیتے ہیں۔

# سوویت روس کا نظام تعلیم

۱۹۱۷ء میں جب کمیونسٹ انقلاب آیا۔ روس میں صرف سات فیصد افراد کے لیے تعلیم کا اہتمام تھا۔ اور تعلیم طبقہ امرا کی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔ کمیونسٹ انقلاب چونکہ ایک نظریے پر مبنی تھا۔ اس لیے اسے کامیاب بنانے کے لیے اس نظریے کی ترویج ضروری تھی۔ چنانچہ عام لوگوں کی تعلیم پر زور دیا جانے لگا اور تعلیم کو عام کرنے کے لیے کئی ادارے قائم کیے گئے۔

مقاصد تعلیم:- روس میں تعلیم کا بنیادی مقصد بہترین کمیونسٹ بنانا ہے جس میں دو پہلو شامل ہیں۔ اولاً کمیونزم کے فلسفہ کا زیادہ سے زیادہ فہم اور ثانیاً اس فلسفہ کے ساتھ کردار کی ہم آہنگی۔ معاشرہ کے مختلف شعبوں کی ضروریات کے لیے تعلیم و تربیت یافتہ افرادی قوت فراہم کرنا بھی تعلیم کا مقصد ہے

## مدارج تعلیم:-

روس میں مدرسی تعلیم تین درجاتی ہے۔

۱۔ قبل از مدرسہ تربیت:- مغربی ممالک کے برعکس روس میں یہ درجہ بھی باقاعدہ تعلیم کا درجہ ہے اور اس کا اہتمام عوامی کمیشن برائے تعلیم کے ذمہ ہوتا ہے۔ یہ درجہ تین برس یا اس سے کم عمر سے شروع ہوتا ہے اور آٹھ برس کی عمر تک جاری رہتا ہے۔ اس کم و بیش پانچ سالہ تعلیم کو رسمی تعلیم کی بجائے رسمی تربیت کا درجہ کہا جا سکتا ہے۔ اس میں جسمانی فعالیتیں، اجتماعی مشاغل، مطالعہ قدرت اور معاشرتی آداب کی تربیت شامل نصاب ہے۔

آٹھ سال کی عمر میں اس تعلیم سے فارغ ہو کر بچے ایک قومی تنظیم میں شامل ہو

جانتے ہیں۔ جس کا مقصد کسان اور مزدور طبقوں کی مدد کرنا اور ان طبقوں کو زیادہ مضبوط بنانا ہے۔

۲۔ ابتدائی تعلیم: آٹھ سال کی عمر میں بچے ابتدائی لازمی تعلیم کے چار سالہ درجے میں داخل ہوتے ہیں۔ اور اس درجے میں رسمی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا عمل جاری رہتا ہے۔ اس درجے میں علاقائی زبان کے علاوہ روسی زبان کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ طلباء مدرسہ کی بہت سی سوسائٹیوں کے رکن ہوتے ہیں۔ جن کے ذمہ صفائی کے علاوہ معاشی اور ثقافتی امور ہوتے ہیں۔ ان سوسائٹیوں میں حصہ لینے سے طلباء کو باہم مل جل کر کام کرنے، اپنی ذمہ داری نبھانے اور محنت کی عظمت کی تربیت ملتی ہے۔ آخری مراحل میں طلباء، طلباء کونسل میں شرکت کرتے ہیں جس کے ذمہ محدود انتظامی امور کی انجام دہی ہوتی ہے۔ بہت سے پرائمری مدارس کے ساتھ کارخانے اور ورکشاپ منسلک ہوتے ہیں۔ اور طلباء ان میں پیشہ ورانہ تربیت حاصل کرتے ہیں۔ یوں تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی کام کا سلسلہ جاری رہتا ہے

۳۔ ثانوی تعلیم: بارہ برس کی عمر سے پندرہ برس کی عمر تک، ثانوی کا تین سالہ درجہ ہوتا ہے۔ اس درجے میں تمام طلباء کو عملی فنون کی تعلیم دی جاتی ہے اس سے فارغ التحصیل ہو کر طلباء براہِ راست کسی پیشے سے منسلک ہو جاتے ہیں۔

بعض اسکولوں میں مزید دو سالہ تعلیم کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جیسے ہمارے نظام تعلیم میں انٹرمیڈیٹ درجہ کہا جاتا ہے۔ اس درجے میں صرف منتخب طلبا ہی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں اور ان میں سے بعض کو یونیورسٹی کی تعلیم کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ اور دوسروں کو دفاتر یا کارخانوں میں کام کرنے کے قابل بنانے کے لیے پیشہ ورانہ تعلیم دی جاتی ہے۔

دیہی علاقوں میں پرائمری اور ثانوی کو ملا کر سات درجاتی ادارے بھی بنائے گئے ہیں

اعلیٰ تعلیم: روس میں اعلیٰ تعلیم کا دورانیہ چار تا چھ سال ہوتا ہے۔ اس

تعلیم کا اہتمام یونیورسٹیوں یا خصوصی اداروں میں کیا جاتا ہے۔ ان اداروں میں داخلہ مسابقت کی بنیاد پر ہوتا ہے اور داخلہ کے لیے خصوصی امتحان کے نتیجے پر انحصار کیا جاتا ہے اور اس ضمن میں اساتذہ اور ان کے بچوں سے ترجیحی سلوک کیا جاتا ہے۔

## نصاب :-

روسی نظام تعلیم میں نصاب کلیتہً متعین ہوتا ہے۔ اس میں نہ تو نصاب کے اجزاء میں قطع و برید کی اجازت ہوتی ہے۔ نہ انتخاب کی۔ ہر مرحلے پر مضامین اور ان کے موضوعات متعین ہوتے ہیں اور طلباء کو ان تمام مضامین کا مطالعہ کرنا ہوتا ہے۔ انتخابی مضامین کا کوئی تصور موجود نہیں۔

مدارس میں ہر سطح پر علمی فنون اور ٹیکنیکل مضامین کا مطالعہ کروایا جاتا ہے اور طلباء کی بہت بڑی اکثریت ثانوی تعلیم کے اختتام پر بلا واسطہ مختلف پیشوں سے منسلک ہو جاتی ہیں اور ان کی حیثیت ماہر ہنرمند جیسی ہوتی ہے۔

ثانوی کے بعد اور یونیورسٹی تعلیم سے پہلے دو سالہ وقفے میں منتخب طلباء کے ایک حصے کو یونیورسٹی تعلیم کے لیے تیار کیا جاتا ہے اور دوسرے حصے کو دفاتر یا کارخانوں میں سپروائزر کے کام کی تعلیم دی جاتی ہے۔

چونکہ معیشت کلیتہً سرکاری کنٹرول میں ہے۔ اس لیے ہر قسم کی پیشہ ورانہ تعلیم انہیں اداروں میں دی جاتی ہے اور یہ فیصلہ کرنا بھی سرکاری انتظامیہ کے ذمہ ہوتا ہے، کہ کون طالب علم کس پیشے سے منسلک ہوگا اور کون یونیورسٹی تعلیم حاصل کرے گا۔ ان امور میں طلباء کی پسند و ناپسند کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوتی۔ البتہ فیصلہ کرنے میں امتحانات کے نتائج بنیادی کردار ادا کرتے ہیں

نظریاتی تعلیم :- روس میں ہر سطح پر اور ہر ادارے میں کمیونزم کا فلسفہ نصاب کا لازمی جزو ہوتا ہے۔ اور اس نصاب پر عبور کے بغیر کوئی طالب علم اپنے درجے

میں کامیاب قرار نہیں دیا جاتا۔ اسی طرح ہر شعبۂ زندگی میں کام کرنے والے تمام افراد کمیونزم کے فلسفہ پر عبور رکھتے ہیں۔

## نظام امتحان :۔

روس میں نظام امتحان بھی منفرد ہے۔ امتحان کا ایک جزو تحریری ہوتا ہے اس کے ساتھ مختلف سوسائٹیوں اور انجمنوں میں شرکت اور کارکردگی کے سلسلے میں ہر طالب علم کا موقتی جائزہ مرتب کیا جاتا ہے۔ ان سوسائٹیوں اور انجمنوں میں ہر طالب علم کو لازماً ممبر بننا پڑتا ہے۔ ان میں طالب علم کی کارکردگی معیار سے فروتر ہو تو اسے امتحان میں کامیاب قرار نہیں دیا جاتا۔ مغربی ممالک میں بھی اس قسم کے جائزے مرتب کیے جاتے ہیں۔ جو مجموعی ریکارڈ کہلاتے ہیں۔ تاہم مجموعی ریکارڈ اتنا جامع نہیں ہوتا جتنا جامع جائزے کا روسی نظام ہے اس کے علاوہ مختلف ادارے طلبا کے عام اخلاق و کردار کا جائزہ بھی لیتے رہتے ہیں اور ان کو بھی طالب علم کی تعلیم کے متعلق فیصلوں کی بنیاد بنایا جاتا ہے۔ مزید برآں زبانی سوالات کے ذریعے طالب علم کے خیالات کا جائزہ بھی لیا جاتا ہے اس ساری جدوجہد کا بنیادی مقصد یہ متعین کرنا ہوتا ہے کہ طالب علم کمیونزم کے فلسفے پر ایمان میں کس حد تک پختہ ہے اور اپنے عمل میں وہ کس حد تک سچا کمیونسٹ ہے

## نظام معائنہ :۔

روس میں وزارت تعلیم کے ماتحت انسپکٹر مقرر کیے جاتے ہیں جو باقاعدہ تعلیمی اداروں کا معائنہ کرتے رہتے ہیں۔ ان معائنوں میں وہ دو امور کی طرف بالخصوص توجہ دیتے ہیں ایک تو یہ کہ آیا مدارس میں معیاری تعلیم دی جا رہی ہے، اور مکمل نصاب پڑھایا جا رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ آیا مقرر کردہ معیاری تدریسی طریقے استعمال کیے جا رہے ہیں۔

## تعلیمی انتظامیہ :۔

روس میں تعلیم کا اہتمام مقامی سیاسی اور انتظامی اداروں کے ذمہ ہے اس اہتمام میں مدارس کا قیام، اساتذہ کا تقرر اور عمارات اور ساز و سامان کی فراہمی شامل ہوتے ہیں۔ نصابات اور طریق ہائے تدریس بالعموم مرکزی سطح پر طے کیے جاتے ہیں اور مدارس

کی صورت حال کے مطالعہ کے لیے خفیہ پولیس کا ایک محکمہ بھی سرگرم کار رہتا ہے۔

## تعلیم بالغان :-

روس میں کمیونسٹ انقلاب کے وقت پڑھے لکھے افراد کی تعداد بہت کم تھی اور کمیونزم کو ایک نظام حیات کی حیثیت میں خوشدلی سے قبول کرنیوالوں کی تعداد بھی قلیل تھی پوری آبادی کو اس انقلاب کے فلسفہ سے آگاہ کرنے اور اس کے مقاصد سے ہم آہنگ کرنے کے لیے بالغوں کی تعلیم کا اہتمام کرنا وقت کی مجبوری تھی چنانچہ بالغوں کی تعلیم کا وسیع انتظام کیا گیا کارخانوں میں سرخ فوج کی تنظیم کے حوالے یہ کام کیا گیا اور کارخانوں سے باہر مناسب مقامات پر تعلیم بالغاں کے مراکز قائم کئے گئے۔ اس سلسلے میں نوجوان طبقے نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔

بالغوں کی تعلیم کے لیے خصوصی تدریسی مواد تیار کیا گیا جس میں کمیونزم کے فلسفہ کو سمو دیا گیا۔ نیز اس کے ذریعے انقلاب کے حالات، مقاصد، کارکردگی اور کارناموں کو بھی اجاگر کیا گیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ بالغوں کی خواندگی کے ساتھ ساتھ بالغوں کے لیے اعلیٰ تعلیم کا اہتمام بھی کیا گیا۔ کہ ان کو جدید دور کی علمی سطح کے برابر لایا جاسکے۔ ؎

---

؎ ہمارا نظام تعلیم از ڈاکٹر عبدالرشید ارشد صفحہ نمبر ۵۰۱ تا ۵۲۱

# استاریہ

حسب ذیل سوالات مغربی مفکرین تعلیم کے تعلیمی افکار اور ان کے فلسفہ حیات کے مطالعے کی طرف نشاندہی کرتے ہیں۔ جوابات کی روشنی میں ہم اپنے تعلیمی افکار اور فلسفہ حیات کا فنی و فکری جائزہ لے کر قدیم روائتی طریقہ تدریس کو بدلنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں دور جدید میں جس کی تسخیر ہر فرد پر ہر آن لازم ہے۔

**یونانی تعلیم :-** ۱:- یونانی فلسفہ تعلیم کے حوالے سے سپارٹا اور ایتھنز کا نظام تعلیم بیان کیجیے

**سوفسطائی :-** سوفسطائی تعلیم کی روشنی میں ان کے تعلیمی افکار پر تبصرہ کیجیے۔

**سقراط :-** ۱۔ سقراط کا فلسفہ علم اور نیکی کیا ہے

۲:- سقراطی فلسفہ تعلیم بیان کیجیے اور اس سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے۔

**افلاطون** ۱:- افلاطون کے تعلیمی نظریات کیا ہیں۔ یہ نظریات آج بھی کس قدر مستند ہیں

۲:- تعلیم پر افلاطون کے نظریات کے اثرات کا جائزہ لیجیے۔

۳:- بقول افلاطون تعلیم اس عمل کا نام ہے جو معاشرے کو متوازی تنظیم عطا کرتا ہے وضاحت کیجیے؟

۴:- افلاطون کی مجوزہ تعلیمی سکیم پر تفصیلی نوٹ لکھیے

**ارسطو** ۵:- ارسطو کے تعلیمی افکار پر تفصیلی نوٹ تحریر کیجیے

۶:- ارسطو کی مجوزہ سکیم پر بحث کیجیے

۷:- افلاطون اور ارسطو کے تعلیمی نظریات میں کیا مماثلت ہے بحث کیجیے

۸:- فرد اور معاشرے کے تعلق کے حوالے سے ارسطو کے نظریات کی وضاحت کیجیے

۹:- ارسطو کے ادارہ لائیسیم میں شخصیت کے کن پہلوؤں کو ترقی دی جاتی تھی۔

**رومی تعلیم :-** ۱:- رومن ایجوکیشن کی خصوصیات بیان کیجیے

۲:- ریاست اور تعلیم کے حوالے سے ابتدائی تعلیم، گرائمر سکول اور فصاحت و بلاغت کے سکول کا طریقہ تعلیم واضح کیجیے۔

**کوئن ٹیلین** ۱۰۔ کوئنٹیلین کے تعلیمی افکار کا احاطہ درج ذیل عنوان کے تحت کیجیے
۱۔ جماعتی تعلیم
۱۱۔ کوئنٹیلین کے طریقہ ہائے تدریس پر روشنی ڈالیے۔
۱۲۔ کوئنٹیلین کی تعلیمی سکیم کی تفصیلات تحریر کرو
۱۳۔ کوئنٹیلین کی ایجوکیشن آف دی آرٹیٹر کی فکر نے تحریک احیائے علوم کے ماہرین تعلیم کو کس حد تک متاثر کیا ہے۔ وضاحت کیجیے۔

**یورپین ایجوکیشن** ۱۔ تحریک احیائے علوم اور اس کے اثرات پر روشنی ڈالئے۔
۱۴۔ کومینیئس کے تعلیمی نظریات بیان کیجیے،

**کومینیئس** کومینیئس کے تعلیمی افکار کا احاطہ درج ذیل عنوانات کے تحت کیجیے
(الف) مقاصد تعلیم (ب) تعلیمی مدارج (ج) نصاب
۱۵۔ کومینیئس کے تجویز کردہ تدریسی طریقوں کا جائزہ لیجیے
۱۶۔ تنظیم مدرسہ کے متعلق کومینیئس کے کیا نظریات تھے
۱۷۔ روسو کے تعلیمی نظریات میں بچے کو مرکزی حیثیت حاصل ہے

**روسو** وضاحت بیان کیجیے۔
۱۸۔ روسو کے تعلیمی نظریات کے پیش نظر بچے کی عمر کے تعلیمی ادوار متعین کیجیے نیز تعلیم نسواں کے بارے میں ان کے خیالات بیان کیجیے۔
۱۹۔ روسو کے اس نظریہ کا جائزہ لیجیے کہ "فطرت خود ایک بہترین استاد ہے" اس لئے استاد کا کردار غیر ضروری ہے"
۲۰۔ روسو کے تجویز کردہ تدریسی طریقوں کا جائزہ لیجیے۔

**پستالوزی** ۱۔ ۱۔ پستالوزی کا فلسفہ تعلیم کیا ہے۔؟ ۲۔ پستالوزی کے ذہنی اصول کے حوالے سے طریقہ تدریس بیان کیجیے۔ ۳۔ نظام تعلیم پر پستالوزی کے تعلیمی افکار کے تاثرات بیان کیجیے۔

**جان فریڈرک ہربارٹ** ۱۔ ۱۔ جان فریڈرک کا فلسفہ تعلیم اور اخلاقی نشوونما کیا ہے
۲۔ ہربارٹ کے اقدامات سبق کی وضاحت کیجیے ۳۔ ہربارٹ کے نزدیک تعلیمی نفسیات کا تصور بیان کیجیے

**فروبل**

۲۱ ا۔ فروبل کے نظریہ تعلیم کی وضاحت کیجئے

۲۲ ا۔ فروبل کے تعلیمی افکار کو درج ذیل عنوانات کے تحت واضح کیجئے

(ا) تعلیمی مقاصد (ب) تعلیمی مدارج

۲۳ ا۔ فروبل کے کنڈر گارٹن طریقہ تعلیم کی وضاحت کیجئے

۲۴ ا۔ فروبل کے تجویز کردہ تدریسی طریقوں کے مثبت اور منفی پہلوؤں سے بحث کیجئے

۲۵ ا۔ فروبل نے روسو کے تعلیمی نظریات کو کس طرح عملی شکل دی

۲۶ ا۔ فروبل کا تعلیمی نظریہ روسو کے تعلیمی فلسفے کی توسیع ہے

۲۷ ا۔ چھوٹے بچوں کی تعلیم میں فروبل کے کارہائے نمایاں کا جائزہ لیجئے

**جان ڈیوی**

۲۷ ا۔ جان ڈیوی موجودہ دور کے مغربی ماہرین کا مشعل بردار ہے بحث کیجئے۔

۲۸ ا۔ جان ڈیوی کے فلسفہ تعلیم کو مختصراً بیان کیجئے۔

۲۹ ا۔ دور جدید کے نظام تعلیم پر جان ڈیوی کے نظریات کے اثرات کا جائزہ لیجئے ؟

۳۰ ا۔ جان ڈیوی کے نظریہ تعلیم کے حوالے سے آپ درج ذیل کے بارے میں کیا جانتے ہیں

۱۔ نصاب ۲ ا۔ طریقہ ہائے تدریس

۴۱ ا۔ جان ڈیوی کے فلسفہ عملیت کی توضیح کیجئے ۔؟

**رابرٹ ایم ہچنز**

۴۲ ا۔ ہچنز کے تعلیمی افکار پر تفصیلی نوٹ لکھئے

۴۳ ا۔ رابرٹ ہچنز کا بطور ماہر تعلیم مقام متعین کیجئے

۴۴ ا۔ رابرٹ ہچنز نے اعلیٰ تعلیم کی ترقی کے لئے کیا کوششیں کیں

۴۵ ا۔ ہچنز بحیثیت لبرل تعلیم کا حامی پر مفصل نوٹ تحریر کیجئے

۴۶ ا۔ ہچنز کے نزدیک آزاد تعلیم کے کیا مقاصد تھے۔

**تعلیم میں جدید رجحانات** ا۔ ا۔ تعلیم عامہ اور دائمی تعلیم بیان کیجئے

۲ ا۔ فاصلاتی تعلیم کی روشنی میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا طریقہ تعلیم

۳ ا۔ خصوصی تعلیم اور تعلیمی مستقبل بیان کرو

## جدید نظامہائے تعلیم :-

۱:- انگلستان کا نظام تعلیم بیان کرو

۲:- امریکہ کے نظام تعلیم کا جائزہ لیجئے

۳:- روس نے اپنے تعلیمی نظام میں کیا اقدامات کئے

## متفرق سوالات

۴۷:- مغربی مفکرین تعلیم کے نظریات کو سامنے رکھتے ہوئے تعلیم کی بدلتی ہوئی تعریف اور وسعت کا جائزہ لیجیئے۔

۴۸:- مغربی ماہرین تعلیم کے افکار کی روشنی میں تعلیم کی تعریف اور دائرہ عمل کا جائزہ لیجیئے ؟

۴۹:- ہر مغربی ماہر تعلیم نے اپنے سماجی و معاشی ماحول کے مطابق مقاصد تعلیم تجویز کئے ہیں بحث کیجیئے ۔؟

۵۰:- تعلیم نسواں کے متعلق مغربی مفکرین تعلیم کے خیالات سے بحث کیجیئے ؟

۵۱:- ارسطو کے تعلیمی نظریات افلاطون کے نظریات سے کس قدر مختلف ہیں ؟

۵۲:- افلاطون کے تعلیمی نظریات ارسطو کے نظریات سے کس قدر مماثلت رکھتے ہیں ؟

# کتابیات


| نمبر شمار | نام کتاب | مصنف | پبلیشرز |
|---|---|---|---|
| ١ | افکارِ مغرب | ناسک صلاح الدین | |
| ٢ | اکابر معلمین | ملا فخر الدین سید | حیدرآباد دکن عثمانیہ ٹریننگ کالج |
| ٣ | افلاطون اور ارسطو کے سیاسی افکار | فاروق محمد مجاہد | نیو بک پیلس چوک اردو بازار لاہور |
| ٤ | انسائیکلوپیڈیا آف ایجوکیشن | لنڈن | |
| ٥ | انسائیکلوپیڈیا آف امریکا | " | |
| ٦ | انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا | " | |
| ٧ | پستالوزی کا فلسفہ تعلیم و تمدن | زبیری عبدالمجید ڈاکٹر | دہلی مکتبہ جامعہ |
| ٨ | تاریخ تعلیم | خان خالد یار | اردو اکیڈمی سندھ کراچی |
| ٩ | تاریخ التعلیم | قریشی محمد مختار | مجید بک ڈپو لاہور |
| ١٠ | تاریخ التعلیم | قریشی مختار احمد | " " لاہور |
| ١١ | تعلیم اور تعلیمی نظریات | ہاشمی شفیق الرحمٰن | مکتبہ عالیہ لاہور |
| ١٢ | تعلیم کی نئی بنیادیں (مدرسہ عمل) | اوولف فیریر ڈاکٹر ترجمہ شیخ غلام حسین | مکتبہ جدید لاہور |
| ١٣ | تناظرات تعلیم | عبدالغفار گوہر | اعوان بک سیلرز ملتان |
| ١٤ | جان ڈیوی کا فلسفۂ تعلیم | ترجمہ عین الدین | آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس لاہور |
| ١٥ | جمہوریت اور تعلیم | جان ڈیوی ترجمہ تقی محمد سید | اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آف پاکستان کراچی |
| ١٦ | جمہوریہ افلاطون | چوہان محمد رفیق | " " |

| نمبر شمار | نام کتاب | مصنف | پبلیشرز |
|---|---|---|---|
| ۱۷ | چند تعلیمی تصورات | کاظمی مبشر علی سید | نیشنل بک فاؤنڈیشن کراچی |
| ۱۸ | فلسفہ تاریخ التعلیم | اقبال کشور | لاہور |
| ۱۹ | فلسفہ تعلیم (ایجوکیشن) | ہربرٹ سپنسر ترجمہ مولوی غلام حسین | انجمن ترقی صدر دفتر دکن حیدرآباد |
| ۲۰ | مسلمان اور مغربی تعلیم | محمد سلیم سید پروفیسر | ادارہ تعلیم وتحقیق لاہور |
| ۲۱ | مشاہیر کے تعلیمی نظریے | خان زبیری محمد حسین مولوی | آل پاکستان ایجوکیشن کانفرنس |
| ۲۲ | مغربی مفکرین تعلیم | ڈوگر سلامت علی | کاروان بک سنٹر ملتان |
| ۲۳ | مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی جائزہ | محمد سلیم سید پروفیسر | ادارہ تعلیم وتحقیق لاہور |
| ۲۴ | مغربی نظام تعلیم (ملی نقطہ نظر سے) | محمد سلیم سید پروفیسر | تنظیم اساتذہ پاکستان لاہور |
| ۲۵ | مفکرین تعلیم | برنی احمد ضیاء الدین | آل پاکستان ایجوکیشن کانفرنس |
| ۲۶ | نامور شخصیات اور ان کے اقوال | انجم زاہد حسین | مکتبہ امتیاز راجپوت اردو بازار لاہور |
| ۲۷ | نامور شخصیات | خالد جاوید | الاسہ پبلی کیشنز لاہور |
| ۲۸ | ہمارا نظام تعلیم | ڈاکٹر عبدالرشید ارشد | کاروان بک سنٹر ملتان |

1. History of Western Education. — William Boyd —— Adam and Charles Black, London.

The Development of Modern Education — Frederick Eby —— Prentice Hall of India PVT Ltd. New Delhi.

3. Main Currents in the History of Education — Edward J. Power—— McGraw Hill Book Co. New York.

# اہم نکات
## برائے قارئین